مقالاتِ مُفتیٔ اعظم رح
مُفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
کے چند اہم
دینی، علمی، فقہی اور اصلاحی مقالات کا مجموعہ
مرتبہ
حافظ قاری محمد اکبر شاہ بخاری
پیش لفظ
مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی
دارالاشاعت کراچی

مقالاتِ مفتی اعظم

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کے چند اہم

دینی، علمی، فقہی اور اصلاحی مقالات کا مجموعہ

مرتبہ

حافظ قاری محمد اکبر شاہ بخاری

پیش لفظ

مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی

دارالاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ۲۰۰۵ء علمی گرافکس کراچی
ضخامت : 280 صفحات

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو از راہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
ادارۂ اسلامیات موہن چوک اردو بازار کراچی
ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ B-437 دیپ روڈ لسبیلہ کراچی
بیت القلم مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار۔ فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انار کلی لاہور
بیت العلوم 20 نابھ روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبۃ المعارف محلہ جنگی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست
مقالاتِ مفتیٔ اعظمؒ

انتساب

میرے شیخ معظّم مفتیٔ اعظم پاکستان
حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
کے نام

تمنّائے حرم

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

''۱۵/ربیع الاوّل ۱۳۹۵ھ۔ اس وقت جبکہ مسلسل بیماریوں کے سبب چند قدم کے فاصلے پر مسجد تک جانا دشوار تھا''۔

اے کاش پھر مدینہ میں اپنا قیام ہو
دن رات پھر لبوں پہ درودو سَلام ہو

پھر ذکر لاَ اِلٰہ مرا حرزِ جان ہو
اور وقتِ واپسی یہی میرا کلام ہو

محرابِ مصطفیٰ میں ہو معراج سر نصیب
پھر سامنے وہ روضۂ خیرُ الانام ہو

پھر بھی مواجہہ میں درودو سلام کا
پُر کیف وہ نظارۂ ہر خاص و عام ہو

پھر کاش میں مکین حرمِ مصطفیٰ میں ہوں
فضلِ خدا سے روضۂ جنّت مقام ہو

پھر ذکر لاَ اِلٰہ بنے حرز جاں مرا
دوزخ کی آنچ مجھ پر الٰہی حَرام ہو

کتنا بلند اس عجمی کا مقام ہے
جس کو وہ خود یہ کہدیں کہ میرا غلام ہے

الحمدللہ کہ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ دعا قبول فرمائی اور مسلسل بیماری، کمزوری اور ہزاروں موانع رفع فرما کر ۱۱/رمضان ۱۳۹۵ھ میں عمرۂ رمضان اور زیارت روضۂ اقدس نصیب فرمائی۔ ۱۲ منہ

چند اشعار نعتیہ

جو رجب ۱۳۹۵ھ میں شعر شاعری کا سب ذوق ختم ہو جانے پر اچانک لکھے گئے

از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم

وہ حضرت سرورِ کونین فخرِ نوع انساں
رسول اِنس وجاں ، آئینہ اخلاق ربّانی

فرشتوں پر شرف جس کے سبب ہے، ابن آدم کو
ہوا جس کے سبب رشک جناں یہ عالم فانی

وہ جس نے نوعِ انساں کو فرشتوں پر شرف بخشا
ہوا جس سے منوّر عالم ناسوت ظلمانی

وہ جس نے اُمیّوں کو علم و حکمت کی امامت دی
سکھائے جس نے چرواہوں کو آداب جہانبانی

نظر وہ کیمیا، کایا پلٹ دی جس نے قوموں کی
ہوئے شیر و شکر جو کل تلک تھے آگ اور پانی

قبائل اوس و خزرج کے جو صدیوں سے محارب تھے
ہوئے سب بھائی بھائی، تھے جو کل تک دشمن جانی

لقب اُمّی علوم اولین و آخریں در بر
امام انبیاء مرسلین از فضل ربّانی

(البلاغ)

از کلام حضرت مفتی اعظم

نعتِ رسول عربی ﷺ

پھر پیشِ نظر گنبد خضرا ہے حرم ہے
پھر نامِ خدا روضۂ جنت میں قدم ہے

پھر شکرِ خدا سامنے محراب نبیؐ ہے
پھر سر ہے مِرا اور ترا نقشِ قدم ہے

محراب نبیؐ ہے کہ کوئی طُورِ تجلّی
دل شوق سے لبریز ہے اور آنکھ بھی نم ہے

پھر منّتِ دربان کا اِعزاز مِلا ہے
اب ڈر ہے کسی کا نہ کسی چیز کا غم ہے

پھر بارگاہ سیّد کونینؐ میں پہنچا
یہ اُن کا کرم، اُن کا کرم اُن کا کرم ہے

یہ ذرّہ ناچیز ہے خورشید بداماں
دیکھ اُن کے غُلاموں کا بھی کیا جاہ وحشم ہے

ہر مُوئے بدن بھی زباں بن کے کرے شُکر
کم ہے بخدا اُن کی عنایات سے کم ہے

رگ رگ میں محبت ہو رسولؐ عربی کی
جنّت کے خزائن کی یہی بیع سلَم ہے

وہ رحمت عالم ہے شہ اسود و احمر
وہ سیّد کونین ہے آقائے اُمم ہے

وہ عالم توحید کا مظہر ہے کہ جس میں
مشرق ہے نہ مغرب ہے، عرب ہے نہ عجم ہے

دل نعتِ رسول عربیؐ کہنے کو بے چین
عالم ہے تحیُّر کا، زباں ہے نہ قلم ہے

پیشِ لفظ

از فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبد الشکور ترمذیؒ

بانی و مہتمم جامعہ حقانیہ۔ ساہیوال ضلع سرگودھا

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

امابعد :

اکابر علماء و مشائخ اور بزرگانِ دین کے ارشادات و فرمودات اور خطبات و مقالات رُوحانی زندگی کی بقاء و ترقی کے لئے عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کی عدم موجودگی میں ان کی صحبت و معیّت کے قائمقام ہیں۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے :

ایک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

آج کے اِس پُرفتن زمانہ میں علماء و اولیاء اللہ کے مواعظ و ملفوظات اور اُن کے مضامین و مقالات کو عام کرنے کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے۔ علوم ظاہر یہ کی تکمیل کے باوجود علوم باطنہ کی تکمیل کے بغیر انسان کی انسانیت اُجاگر نہیں ہوسکتی اور تکمیل باطن کے سلسلہ میں اکابر علماء و اولیاء کے اقوال و مواعظ اور خطبات و مقالات نسخۂ کیمیاء ہیں۔

مفتیٔ اعظم پاکستان سیدی و مرشدی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُن کا مرتبہ و مقام اور فضل و کمال حضراتِ علماء و مشائخ کی نظر میں نہایت بلند و بالا ہے۔ انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں اکابر علماء و مشائخ سے صرف علوم و فنون پر ہی اکتساب نہیں کیا تھا، بلکہ رُوحانی فیوض و برکات بھی حاصل کئے اور بڑے بڑے نامور اور جلیل القدر اساتذہ کے زیرِ سایہ عرصہ دراز تک ایسی شاندار اور قابل قدر خدمات انجام دیتے رہے کہ ان کی خدمات پر نہ صرف یہ کہ معاصر علماء کرام نے خراجِ تحسین پیش کیا، بلکہ حضراتِ اکابر و مشائخ نے بھی اپنی خوشنودی کی مہر تصدیق ثبت کردی اور حضرت ممدوح کو کمالاتِ علمیہ و عملیہ کا جامع قرار دے کر فقہی بصیرت اور اپنے اجتہاد کی سند عطا فرمادی۔

خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ' سے اپنی باطنی تربیت اور رُوحانیت کی تکمیل کے لئے رجوع کیا۔ حضرت حکیم الامتؒ کے فیض صحبت سے آپ نے تصوف وسلوک کے اُن اعلیٰ وارفع مقامات تک رسائی حاصل کی کہ بہت جلد آپ کا شمار حضرت حکیم الامتؒ کے محبوب اور اجل خلفاء میں ہونے لگا۔ حضرت ممدوح علم ومعرفت کے دونوں چشموں سے فیضیاب وسیراب ہوکر علمی ورُوحانی کمالات کی جامعیت میں اپنے اکابرو مشائخ کے بجاطور پر جانشین قرار پائے۔

حضرت سیدی مفتی صاحبؒ نے یوں تو دین کے ہر شعبہ تفسیر وحدیث فقہ وعقائد کلام، معیشت وسیاست، سیرت وتاریخ، اصلاح وارشاد، وتعلیم وتبلیغ واصلاح اور زبان ادب میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مگر آپ کا خاص موضوع فقہ رہا ہے اور اس میں جو خداداد ملکہ، وسعت معلومات اور دقت نظری آپ کو حاصل تھی، وہ آں ممدوح کا ہی خاص حصہ تھا۔ صرف علم فقہ میں آپ نے ایک سو کے قریب رسائل تصنیف فرمائے۔ اسی طرح حضرتؒ کے رشحاتِ قلم سے جو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور کراچی کے دارالعلوم میں محفوظ ہیں ان کی تعداد بھی اسی ۸۰ ہزار کے قریب ہے۔

علم فقہ میں حضرتؒ کو جو خداداد بصیرت حاصل تھی اور تفقہ کا جو خاص ملکہ آپ کو عطا کیا گیا تھا، اس کی وجہ سے بجاطور پر آپ کو مفتیٔ اعظم پاکستان کے لقب کا اعزاز ملا اور ہر خاص وعام کی زبان پر یہ لقب مشہور ہوگیا۔

علم تفسیر میں ''احکام القرآن'' عربی اور ''معارف القرآن'' اُردو آپ کے ایسے علمی شاہکار ہیں جو مصارفِ قرآنیہ کے پیاسوں کے لئے ہمیشہ باعثِ تسکین بنے رہیں گے اور یہ ایسے عظیم کارنامے ہیں کہ اس صدی میں تو کیا شاید قریب کی گزشتہ صدیوں میں بھی ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ باوجود ضعفِ عمر اور انحطاطِ قویٰ کے اس خدمت کو انجام تک پہنچادینا آں ممدوح کی کرامات میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔ ظاہر ہے کہ تفسیر معارف القرآن کے تقریباً چھ ہزار صفحات پر مشتمل مضامین عالیہ اور معارف قرآنیہ کو محققانہ انداز میں بیان کرنا کرامت سے کم نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحب قدّس سرہٗ دارالعلوم دیوبند اور خانقاہِ اشرفیہ تھانہ بھون کے ممتاز فضلاء اور فیض یافتہ علماء میں ایک خاص مقام ومرتبہ پر فائز تھے۔اپنے علمی اور رُوحانی کمالات اور مختلف دینی شعبوں میں خدمات اور فیوضات ارشاد واصلاح کے لحاظ سے بمصداق شعر مسطورہ گویا ایک عالم کے کمالات کے جامع اور ان کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔اس کے باوجود تواضع عجز وانکساری تحمل وبردباری جیسے اوصافِ فاضلہ میں آپ کی ذات ستودہ صفات اپنی مثال آپ تھی۔

غرضیکہ دارالعلوم دیوبند اور خانقاہِ اشرفیہ تھانہ بھون کی نسبت سے آپ کی علمی فقہی ،اصلاحی اور رُوحانی خدماتِ جلیلہ سے پورا عالمِ اسلام آگاہ اور زمانہ آشنا ہے۔اس لحاظ سے آپ کے ارشاد فرمودہ خطابات ومواعظِ حسنہ اور تحریر کردہ مقالات ومضامین کو عام مواعظ وخطبات ومقالات کی نسبت ایک خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔اس لئے جہاں عامۃ الناس آپ کے خطبات ومقالات سے مستفید ومستفیض ہوں گے وہاں اہل علم بھی خصوصیت سے بہرہ ور ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ عزیز مکرم سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری سلمہٗ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ جنھوں نے اکابر علماء ومشائخ اور بزرگانِ دین کے حالات وکمالات اور واقعات کی ترتیب وتالیف اور سوانح نگاری کے ساتھ ساتھ اُن کے ارشاد فرمودہ گرانقدر خطبات اور تحریر کردہ مقالات جو مختلف جرائد ورسائل میں بکھرے ہوئے تھے، یکجا کتابی شکل میں مرتب کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے۔اور اس سلسلہ میں عزیز سلمہٗ کی بیسیوں تالیفات منصۂ شہود پر آچکی ہیں ،جن میں ''اکابر علماء دیوبند''، ''تحریک پاکستان اور علماء دیوبند''، حیاتِ احتشام ،خطباتِ احتشام، خطبات اکابر، مقالات اکابر، ''تذکرہ شیخ الاسلام پاکستان''، ''تذکرہ خطیب الامت''، سوانح خلیل، ذکر طیّب، بیس بڑے علمائے حق، کاروانِ تھانویؒ، مفتی محمد حسنؒ اور اُن کے خلفاء، مفتیٔ اعظم پاکستان اور اُن کے ممتاز تلامذہ وخلفاء، ذکرِ خیر محمدؒ، سیرت بدرِ عالمؒ، ''مفتیٔ اعظم پاکستان اکابر ومعاصر کی نظر میں''، حیاتِ مولانا ظفر احمد عثانیؒ، مقالاتِ مولانا ظفر احمد عثانیؒ اور ذکر متین قابلِ ذکر ہیں۔

عزیز موصوف حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کے محبین اور آخری دور کے خاص متوسلین میں سے ہیں۔ان کو حضرتؒ کے ساتھ دلی لگاؤ اور محبت کا خصوصی تعلق ہے۔زیرِ نظر کتاب ''مقالاتِ مفتیٔ اعظمؒ''

میں عزیز سلمہٗ نے بڑی محنت سے حضرتؒ کے علمی، دینی اور اصلاحی اہم مقالات کو جمع کر دیا ہے۔ اس طرح سے حضرتؒ کے قیمتی موتیوں کا یہ ایک عظیم قابلِ قدر ذخیرہ اکٹھا ہو گیا ہے جو نہایت ہی قابلِ تحسین کام ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اہم مجموعہ ''مقالاتِ مفتیٔ اعظم'' کو شرفِ قبولیت بخشیں اور اُسے عوام وخواص کے لئے نافع ومفید فرمائیں۔ آمین

سید عبدالشکور ترمذی عفی عنہ

تقریظ

از شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(مہتمم جامعہ امدادیہ۔ فیصل آباد)

عزیز گرامی محمد اکبر شاہ صاحب بخاری سلمہٗ اپنے اکابر اور بزرگوار سے ایک خاص تعلق و محبت رکھتے ہیں اور انہوں نے اکابر علماء و مشائخ دیو بند پر متعدد کتب لکھی ہیں، جو اکابر سے ان کی عقیدت و محبت کی دلیل ہیں۔ عزیز موصوف کو سوانح نگاری اور اکابر و مشائخ کے حالات و خدمات اور ان کے خطابات و مقالات کو جمع کرنے کا خاص ذوق اور عمدہ سلیقہ حاصل ہے۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرتِ اقدس علاّمہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیو بندی قدس سرہٗ کے حالات و کمالات پر ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں۔ زیرِ نظر دو کتابیں ''خطاباتِ مفتیٔ اعظم'' اور ''مقالاتِ مفتیٔ اعظم'' انہوں نے اب نئی مرتب کی ہیں، جن میں حضرت مفتیٔ اعظم قدس سرہٗ کے نہایت قابلِ قدر اور بے انتہا قیمتی مواعظ و خطابات اور مقالات و مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

آج کے دور میں اکابر علماء و صلحاء کے خطابات و ارشادات اور مقالات و مضامین کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ جس طرح علماء و صلحاء کی صحبت سے بے انتہاء فائدہ ہوتا ہے، اسی طرح اکابر علماء و صلحاء کے علوم و معارف کی اشاعت سے بھی بے حد فوائد حاصل ہوتے ہیں اور ان کے ملفوظات اور مواعظ اور مضامین کے استفادہ سے ان سے تعلق و محبت بھی بڑھتی ہے اور عملِ صالح کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

زیرِ نظر کتابیں اس لحاظ سے بھی نہایت مفید اور نتیجہ خیز ہیں کہ ان کے قیمتی مضامین کا انتساب جس عظیم ہستی کی طرف ہے، ان کی علمی و رُوحانی عظمت ہی ان خطابات و مقالات کی رفعت اور بلندی کی دلیل ہے۔ بہر حال عزیز موصوف سلمہ کی یہ کاوش قابلِ قدر ہے اور یہ دونوں کتابیں

''خطاباتِ مفتیٔ اعظم'' اور ''مقالاتِ مفتیٔ اعظم'' نہایت ہی مفید کتابیں ہیں۔

میری خواہش ہے کہ تمام مسلمان ان کتابوں سے مستفید ہوں اور مرتب و ناشر کے لئے دعا گوں ہوں۔ حق تعالیٰ اس محنت و کاوش کو قبول فرمائیں اور ہم سب کے لئے نافع و مفید فرمائیں۔

آمین

احقر نذیر احمد غفرلہٗ
خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ
فیصل آباد

مولانا محمد ابر شاہ صاحب، جام پور

مفتیٔ اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

تاریک ہوگئی ہے شبستانِ اولیاء
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

رئیس المفسرین والمحققین امام العلماء مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ؒ کا شمار ایسے علماء حق میں ہوتا ہے۔ جن کے علم وفضل تقویٰ وطہارت اور خلوصِ وللّٰہیت کی قسم ملائکہ بھی کھا سکتے ہیں، ان کی پوری زندگی علوم دینیہ کی خدمت اور ملتِ اسلامیہ کی اصلاح میں صرف ہوئی وہ نہ صرف اپنے دور کے مفسر اعظم، مدبر حصر، فاضل اجل، عالم بے بدل اور فقیہ زماں تھے بلکہ راہ سلوک وتصوف کے بے مثل شیخ کامل اور شریعت وطریقت کے ایک عظیم امام تھے۔

ان کی رحلت سے نہ صرف علمی دنیا اُجڑ گئی، بلکہ دنیائے سلوک وتصوف کا آفتاب وماہتاب غروب ہوگیا۔ اور مسندِ علماء واولیاء خالی ہوگئی وہ حقیقت میں ہمارے قدیم اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔ وہ عالموں کے عالم اور اصحاب ارشاد کے صدر نشین تھے۔

ان کی حیاتِ طیبہ کا ہر ہر پہلو ہم سب کے لئے مشعل راہ اور نمونۂ ہدایت تھا۔ ان کے تبحرِ علمی، تقدس وبزرگی اور دینی علوم وفنون میں کمال جامعیت کو بطور سند پیش کیا جاتا تھا۔ الغرض آپ کی وفات تمام عالم اسلام کے لئے ایک عظیم نقصان ہے اور ہم سب اپنے عظیم سرپرستؒ کے سایۂ مبارک سے محروم ہوگئے ہیں۔ بلکہ بقول جناب مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب ؒ کہ: ’’تمام علماء کرام یتیم ہوگئے ہیں‘‘۔

علامہ اقبال نے سچ فرمایا ہے کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ولادت باسعادت

آپ ۲۰ اور ۲۱/ شعبان ۱۳۱۴ھ مطابق ۱۸۹۷ء کی درمیانی شب میں قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان غنیؓ سے ملتا ہے۔ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب عثمانی دیوبندی دارالعلوم دیوبند میں فارسی کے مدرس تھے اور ایک عالم باعمل اور صاحبِ کمالات بزرگ تھے۔

وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ جب اس کے مہتمم سے لے کر ایک ادنیٰ دربان تک سب ہی صاحب نسبت ولی اللہ تھے۔ ان کا سنِ پیدائش اور دارالعلوم کی تاریخ بنیاد ایک ہی ہے اس لئے وہ دارالعلوم کے ہم عمر اور ہم عصر تھے اور دارالعلوم کو اوّل سے آخر تک خوب دیکھا تھا۔

تعلیم وتربیت

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ نے ایسے دینی ماحول میں آنکھیں کھولیں کہ بچپن ہی سے جہاں جلیل القدر علماء واولیاء کی صحبت میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ پانچ سال کی عمر میں حافظ محمد عظیم صاحبؒ کے پاس دارالعلوم دیوبند میں قرآن کریم کی تعلیم آپ نے شروع کی، فارسی کی تمام کتابیں اپنے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب سے دارالعلوم میں پڑھیں۔ حساب وفنون ریاضی کی تعلیم اپنے چچا مولانا منظور احمد صاحبؒ سے حاصل کی، وہ بھی دارالعلوم دیوبند میں مدرس تھے۔ فن تجوید قاری محمد یوسف میرٹھی سے حاصل کیا۔ تقریباً سولہ برس کی عمر میں دارالعلوم کے درجہ عربی میں داخل ہوئے اور ۱۳۳۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔

آپ کو جن عظیم المرتبت سے شرف تلمذ حاصل ہوا ان میں امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، عارف باللہ مولانا سید اصغر حسین دیوبندیؒ، فخر العلماء، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، شیخ الادب مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد احمد قاسمیؒ، مولانا رسول خان ہزارویؒ اور مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ جیسے اکابر بن شامل ہیں، جو بقول حضرت مفتی صاحب کے "اپنے دور کے آفتاب وماہتاب تھے اور ہر شخص اپنی ذات میں ایک انجمن تھا"۔

درس وتدریس

حضرت مفتیِ اعظم ؒ کا شمار اپنے زمانہ طالب علمی میں نہایت ذہین ومتین اور محنتی طلباء میں ہوتا تھا۔ امتحانات میں ہمیشہ ایک خاص امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوتے اسی لئے اساتذہ کرام آپ سے بے حد شفقت ومحبت کا سلوک کرتے تھے۔ جب آپ تمام علوم وفنون سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے آپ کو ابتدائی کتب کی تعلیم کے لئے استاد مقرر فرمایا۔ پھر بہت جلد اعلیٰ مدرسین میں شامل ہوگئے اور ہر علم وفن کی جماعتوں کو پڑھاتے رہے۔ آپ کا درس ہمیشہ ہر جماعت میں مقبول رہا۔ مگر دورۂ حدیث کی مشہور کتاب ابوداؤد شریف اور عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کا درس تو ایسا ہوتا تھا کہ مختلف ممالک کے علماء اور اساتذہ بھی شریک ہونا سعادت سمجھتے تھے۔

دارالعلوم میں تدریسی خدمات کا یہ سلسلہ ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ اس ۲۷ سالہ دور میں برصغیر ہندو پاک کے علاوہ انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور، برما، افغانستان، بخارا، سمرقند اور عربستان کے تقریباً چالیس ہزار طلباء نے آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔ جن میں سے آج بھی ہزاروں علماء مختلف ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں اور ملتِ اسلامیہ کی فلاح واصلاح میں مصروف ہیں۔

خدمتِ افتاء

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے دوران آپ فقہی مناسبت اور فقہ کے خاص ذوق کی بناء پر حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ افتاء میں شامل ہوئے اور جلد ہی ایک ممتاز فتویٰ نویس کا مقام حاصل کرلیا اور ان کی زیرِ نگرانی فتویٰ صادر فرماتے رہے۔ بالآخر ۱۳۴۴ھ میں وہ مستعفی ہوگئے تو ارباب دارالعلوم نے یہ اہم کام ۱۳۴۶ھ میں حضرت مفتی صاحب ؒ کے سپرد کردیا اور دارالعلوم کے عہدۂ صدر مفتی کے عظیم منصب پر فائز ہوئے اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید اصغر حسین دیوبندی جیسے اکابر کی سرپرستی میں خدمت افتاء انجام دیتے رہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے اس جلیل القدر منصب کا حق پوری طرح ادا کرتے رہے۔

آپ کی علمی شخصیت اور فقہی بصیرت پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی ؒ، امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری ؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ، مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ

اور مولانا سید اصغر حسین دیو بندی ؒ جیسے اکابرینِ وقت کامل اعتماد کرتے تھے ان کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں نے آپ کی علمی وفقہی بصیرت کے بارے میں اپنے جس حسنِ ظن اور قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے کہ تمام عالمِ اسلام کے اکابرین کی نظر میں حضرت مفتی صاحب کا علمی مقام ومرتبہ کتنا بلند ہے۔ آپ کے عرصۂ دارالعلوم دیو بند کے دوران تقریباً پچاس ہزار سے زائد فتاویٰ جاری ہوئے جو عزیز الفتاویٰ، امدادلفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیو بند کے نام سے کئی عظیم جلدوں میں شائع ہوئے اور اب تک آپ کے قلم سے لاکھوں فتاویٰ جاری ہو چکے، جو عظیم ذخیرہ کی صورت میں غیر مطبوعہ ہیں۔

فقیہ الامت حضرت مولانا ظفر احمد عثانی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب نے جس طرح فقہ وحدیث اور تفسیر کی خدمت کی ہے شاید ہی کسی اور صاحب نے کی ہو۔ اسی طرح حکیم السلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب کا فقہ وحدیث اور مناظرہ میں نہایت مفید تصانیف کا ایک عظیم ذخیرہ ہے جو آپ کے قلم سے نکلا اور خواص وعوام کے لئے مفید ثابت ہوا اور مخلوقِ خدا کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

بیعت وخلافت

حضرت مفتی صاحب ؒ ابتداء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیو بندیؒ سے اس وقت بیعت ہوئے جب وہ ۱۹۲۰ء میں مالٹا سے رہا ہو کر اپنے وطن آئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد ۱۳۴۶ھ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر ۱۳۴۹ھ میں مجاز بیعت وخلیفہ مقرر ہوئے۔

حضرت حکیم الامت کے ممتاز خلفاء میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ آپ پر خاص توجہ فرماتے کرتے تھے اور حضرت مفتی صاحب ؒ بھی اپنی مشغولیات کے باوجود خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں مستقل حاضری دیتے رہتے تھے بلکہ کبھی کبھی تو کئی کئی ماہ وہاں قیام فرماتے تھے۔

بہر حال حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی آپ پر خاص نظرِ عنایت تھی اور تقریباً بیس سال تک آپ حکیم الامت ؒ کی صحبت میں رہے اور ان کی زیر نگرانی کئی عظیم تصانیف جیسے احکام قرآن وغیرہ بھی تصنیف فرمائیں۔ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم الامت

کو آپ کی علمی قابلیت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی آپ ہی سے مشورہ اور فتاویٰ طلب کرتے اور اس پر عمل فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حکیم الامت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی عمر دراز کرے، مجھے دو خوشیاں ہیں، ایک تو یہ کہ ان کے ذریعے علم حاصل ہوتا رہتا ہے اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بعد بھی کام کرنے والے موجود ہیں[1]۔ الغرض حضرت حکیم الامت کی نظر میں آپ کا بہت احترام تھا اور بقول عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی کہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے شیخ حکیم الامت کے صحیح جانشین تھے[2]۔

آپ نے جس طرح علمی و دینی خدمات انجام دی ہیں اسی طرح سلوک و تصوف میں جو خدمات کیں وہ ہر شخص پر عیاں ہیں آپ نے اپنی عام زندگی عوام کی اصلاح وفلاح کے لئے وقف کر دی۔ یہاں تک کہ اپنے وصیت نامہ میں بھی عام مسلمانوں کو خدا کی رضا اور شریعتِ نبوی ﷺ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے اور اپنی زندگی ہی میں اپنے جانشین مقرر کر دیئے تا کہ عوام کی اصلاح زیادہ سے زیادہ ہو سکے اور شریعت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

تصانیف و تالیفات

حضرت مفتی صاحب ؒ نے شب و روز کی مصروفیت اور دینی مشاغل کے باوجود اپنے شیخ حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ویسے تو آپ کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد تین سو کے قریب ہے اور تقریباً ہر عنوان پر کتاب اور متعدد مضامین لکھے ہیں مگر ان میں اسلام کا نظام اراضی، آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، آداب النبی ﷺ، احکام حج، سنت و بدعت، ختمِ نبوت کامل ۳ جلد، دستور قرآنی، سیرت خاتم الانبیاء، علامات قیامت اور نزولِ مسیح کشکول، جواہر الفقہ، مقام صحابہؓ، مسئلہ سود، مجالس حکیم الامتؒ، احکام القرآن، فتاویٰ دار العلوم دیوبند کامل اور تفسیر معارف القرآن علمی دنیا کا شاہکار ہیں۔

تفسیر معارف القرآن سال لہا سال تک ریڈیو پاکستان سے بھی نشر ہوتی رہی اور یہ آٹھ جلدوں میں مکمل ہے۔ اس تفسیر کے متعلق عالمِ اسلام کے اکابر نے جو خراجِ تحسین پیش کیا ہے وہ قابلِ دید

---

[1] مکتوب گرامی بنام راقم احقر [2] مجلس گفتگو دار العلوم کراچی۔

ہے۔ حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ مفتی صاحب نے اس تفسیر کو لکھ کر علماء مفسرین پر ایک عظیم احسان کیا ہے[1]۔

مفتیٔ اعظم اور تحریکِ پاکستان

حضرت مفتی اعظم نے حصولِ پاکستان کی تاریخی تحریک اور جدوجہد میں بھی حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے ایما پر نمایاں حصہ لیا اور کھلم کھلا تحریکِ پاکستان کی زبردست حمایت کی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ جو علماء دیوبند کے سرپرست اور مربی تھے انہوں نے اپنے متوسلین اور خلفاء کے ذریعے زعماء مسلم لیگ خصوصاً مسٹر محمد علی جناح کے دینی تربیت کا فیصلہ کیا اور بارہا اپنے خلفاء اور نائبین میں سے حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ، مولانا مرتضیٰ حسن چاندپوری ؒ، مولانا شبیر علی تھانوی ؒ اور حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کو مسٹر جناح کے پاس بھیجا اور تبلیغِ دین کا حق ادا کیا۔

اس طرح زعماء مسلم لیگ ان علماء اسلام سے بہت متاثر ہوئے۔ پھر ان علماء دیوبند نے قیامِ پاکستان کی عملی جدوجہد کے لئے ایک جماعت ''جمعیتِ علماء اسلام'' کے نام سے قائم کی اس کے پہلے صدر علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ اور نائب صدر مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور حضرت مفتی صاحب ؒ صدر جمعیت کے معاونِ خاص منتخب ہوئے اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ کی معیت میں برصغیر کے طول وعرض کا دورہ کیا۔

۱۹۴۵ء میں قائدِ ملت لیاقت علی خان کے حلقۂ انتخاب میں جہاں کانگریس کا زبردست اثر تھا حضرت مفتی صاحب نے مسلم لیگ کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ جس کی بدولت ہوا کا رخ بدل گیا اور قائدِ ملت کانگریس کے مقابلہ میں نمایاں پوزیشن میں کامیاب ہوئے اور خوشی سے اُچھل پڑے اور کہا کہ یہ کامیابی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ کے فتویٰ کی بدولت ہوئی ہے۔

اسی طرح مفتی صاحب نے سرحد کے ریفرینڈم میں علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ، مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور حضرت مفتی اعظم پاکستان کے سر ہے۔ اسی لئے ۱۹۴۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن کے خصوصی اجلاس میں جس میں تقسیم ہند کی پیش کردہ تجویز کو باقاعدہ منظور کیا گیا تھا۔ مسٹر جناح نے علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ،

---

[1] مکتوب گرامی

مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو خصوصی طور پر شرکت کی دعوت دی تھی اور اگست ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو انہیں بزرگوں کے دستِ مبارک سے پاکستان کی پرچم کشائی کرائی گئی۔ قیامِ پاکستان کی مبارک باد پیش کرتے ہوئے مسٹر جناح نے علامہ عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مفتی صاحبؒ سے کہا کہ پاکستان کی کامیابی کا سہرا آپ حضرات کے سر ہے اور صحیح معنوں میں آپ ہی اس کی مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ (تعمیرِ پاکستان وعلمائے ربانی)

تحریکِ نظامِ اسلامی اور تحریکِ ختمِ نبوّت

قیامِ پاکستان کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے زعماء مسلم لیگ کو کئے ہوئے وعدے یاد دلائے کہ پاکستان کا دستور قرآن وسنت کے مطابق ہوگا۔ اسی وعدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے قائدِ ملت اور دوسرے زعماء لیگ کے مشورہ سے پاکستان میں جلد اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ایک مکمل دستورِ قرآنی مرتب کرنے کے لئے ممتاز علماء کو جمع کرنے کا علامہ عثمانیؒ نے فیصلہ فرمایا اور اسی غرض کے لئے مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی کو فوری طور پر ہندوستان بھیجا کہ جتنا جلدی ہو سکے علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا مناظرہ حسن گیلانیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کو لے کر آئیں ،تاکہ جلد ہی اسلامی دستور بنایا جا سکے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ اپنے استادِ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی طلبی پر دیوبند سے کراچی ہجرت کر آئے اور یہاں آکر ملک میں اسلامی دستور کے نفاذ اور دینی تعلیم کے فروغ کے لئے علمی جدوجہد شروع کر دی اور حضرت علامہ عثمانیؒ کے شانہ بشانہ قراردادِ مقاصد کی ترتیب وتدوین اور اس کی منظوری میں بڑا کام کیا۔

پھر ۱۹۴۹ء میں اسلامی مشاورتی بورڈ کے رکن نامزد ہوئے جس کے صدر حضرت علامہ سید ندویؒ تھے۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی اور علامہ ندویؒ کی وفات کے بعد جمعیت علماء اسلام اور بورڈ کی صدارت کے فرائض بھی حضرت مفتی صاحبؒ نے سرانجام دیئے۔ جب ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا احتشام الحق صاحب کی کوششوں سے کراچی میں ہر مکتبِ فکر کے جیّد علماء کرام نے جمع ہوکر متفقہ طور پر ۲۲ نکات پر مشتمل دستوری تجاویز مرتب کیں تو ان تجاویز کی ترتیب وتدوین میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ شروع سے لے کر آخر تک شریک رہے اور آپ ہی کی سرپرستی میں اس کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے۔ اس طرح تحریکِ ختم نبوت کے آغاز سے لے کر آخر تک بڑی سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے رہے۔

اپنے اساتذہ کرام علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی قیادت میں مرزائیت کے خلاف ہندوپاک کے کونہ کونہ میں تقریریں کیں، مناظرے کئے اور تحریر و تقریر کے ذریعے قادیانیت کی جڑ اکھیڑ دی۔ ختمِ نبوت، علامتِ قیامت اور نزولِ مسیح، دعاوی مرزا، ایمان و کفر، ختمِ نبوت فی القرآن والحدیث وغیرہ کتابیں لکھیں۔

جون ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف ہر فرقہ کے علماء کا ایک بورڈ بنایا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ اس کی شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے۔ الغرض تحریکِ پاکستان ہو یا ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت یا تحریکِ اسلامی حضرت مفتی صاحب پیش پیش رہے اور باطل کے سامنے ہمیشہ کلمۂ حق ادا کرتے رہے اور آخر دم تک دین، قوم اور ملک و ملت کی بے لوث خدمت کرتے رہے۔

دارالعلوم کا قیام

قیامِ پاکستان کے بعد جب آپ دیوبند سے ہجرت کر کے کراچی تشریف لائے تو دینی تعلیم کے فروغ کا احساس دل میں موجزن تھا اور جس طرح حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے دوسرے ممتاز خلفاء نے ملک کے دونوں حصوں کے مرکزی شہروں میں دارالعلوم دیوبند کے نمونہ کے طور پر عظیم دینی درسگاہوں کو قائم کرلیا جیسے حضرت مفتی محمد حسن امرتسریؒ نے لاہور میں جامعہ اشرفیہ۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ نے ملتان میں خیر المدارس حضرت مولانا اطہر علیؒ نے کشور گنج مشرقی پاکستان میں جامعہ امدادیہ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت مفتی صاحبؒ نے بھی ۱۳۷۰ھ میں نہایت بے سروسامانی کے عالم میں محلّہ نانک واڑہ کی ایک عمارت میں مدرسہ اسلامیہ قائم فرمایا، جس میں صرف ایک اُستاد اور چند طلباء تھے۔ لیکن صرف چند ماہ کے بعد ہی یہ مدرسہ "دارالعلوم" کی شکل اختیار کر گیا اور کورنگی کراچی میں یہ عظیم الشان "دارالعلوم" پاکستان میں دوسرا دارالعلوم دیوبند مانا جاتا ہے۔ جس میں اس وقت تقریباً دو ہزار طلباء بیرون ملک سے دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں اسی دارالعلوم کے فارغ التحصیل علماء پاکستان، ہندوستان، برما، انڈونیشیا اور دوسرے اسلامی ممالک میں دینی، علمی اور قومی خدمات انجام دے رہے ہیں اور حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کا فیضِ علمی جاری ہے۔ خدا کرے۔ حضرت مفتی صاحب کا یہ چشمۂ فیض تا قیامت ملتِ اسلامیہ کو سیراب کرتا رہے۔ آمین !

اخلاق و عادات

حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے شانِ جامعیت سے نوازا تھا۔ باطنی اور ظاہری علوم و کمالات میں جامعیت، پھر ہر ایک علم و فن میں تبحّر آپ کے خصوصی اوصاف تھے۔ نہایت منکسر المزاج اور متبع سنت تھے۔ صدق وصف اور خلوص و للّٰہیت کا پیکر تھے، صبر، توکل، ریاضت و استقامت، ذہانت، فراست، دیانت و شرافت میں بے نظیر تھے۔ آپ کی مجلس میں حضرت حکیم الامتؒ کے جلوے نظر آتے تھے۔ بڑے بڑے علماء و صلحاء اور روساء آپ کی نورانی مجلس میں بڑے شوق سے شریک ہوئے تھے آپ کی زبان اور بیان میں اس قدر اثر تھا کہ سامعین کی عجیب کیفیت ہو جاتی تھی۔ ہر کسی سے بڑی خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے، باتیں آہستہ آہستہ کرتے تھے مگر جواب دوٹوک اور مدلّل و مختصر ہوتا تھا، سادہ مگر صاف لباس زیب تن کرتے تھے۔

حضرت استادی مولانا خیر محمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت اگر عالمِ باعمل اور عارفِ کامل دیکھنا ہے تو وہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کو دیکھے، واقعی آپ اس دور کے ولی کامل تھے۔ آپ کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، اور اخلاقِ حسنہ اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ آپ اس وقت شریعت و طریقت کے امام تھے۔ آپ ایک سچے مسلمان، عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ بارہا حج کے لئے تشریف لے گئے اور ہر بار یہی تمنا کی کہ

اے کاش پھر مدینہ میں اپنا قیام ہو
دن رات پھر لبوں پر درود و سلام ہو
محرابِ مصطفیٰ میں ہو معراج پھر نصیب
پھر سامنے وہ روضۂ خیر الانام ہو

رحلت

۸ شوال ہی کو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا نامہ گرامی ملا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ حضرت والد صاحب مدظلہم ۸ رمضان سے مسلسل صاحبِ فراش ہیں۔ دل کی تکلیف، بواسیر، نقرس اور بخار کی شکایات پے در پے رہیں مگر بحمداللہ! اب کچھ افاقہ ہے دعا فرمائیں۔

اس کے بعد جب ۱۲ شوال کا اخبار سامنے آیا تو سب سے پہلے ان جلی حروف پر نظر پڑی کہ ''برصغیر کے ممتاز عالم مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب انتقال فرما گئے''۔

انا للہ وانا علیہ راجعون۔

ان الفاظ نے دل پر بجلی گرادی، قلب کا سکون چھین لیا، آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ میرے اللہ کیا یہ سچ ہے؟ یہ کیا ہوگیا ہے؟ ایسی جلیل القدر ہستی کے سایۂ عاطفت سے کیا ہم واقعی محروم ہوگئے ہیں؟ احباب نے دلاسا دیا کہ صبر سے کام لیا جائے لیکن صبر آئے تو کیسے آئے اب ہمیں دعائیں کون دے گا۔ ہمیں کون نصیحتیں کرے گا؟ ہر طرف موت العالم موت العالم کا منظر تھا۔ اناللہ کا ذکر کرتے ہوئے اسی طرح کراچی کے لئے روانہ ہوگیا۔ سکھر میں مدرسہ اشرفیہ میں نماز جمعہ ادا کی اس وقت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی کو روتے ہوئے دیکھا اور کراچی میں حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب مدظلہم کے حضرت مفتی صاحبؒ کے متعلق قیمتی تاثرات سنے تو یقین ہوگیا کہ حقیقت میں ہم سب یعنی پورا عالم اسلام اپنے عظیم سرپرست کی جدائی سے یتیم ہوگیا ہے اور وہ ۱۰ اور ۱۱ شوال کی درمیانی شب کو ہم سب کو روتا ہوا چھوڑ کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں۔

انا للہ وانا علیہ راجعون۔

نماز جنازہ ان کے رفیق خاص حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیٔ صاحب عارفی نے پڑھائی اور نماز جنازہ تقریباً ایک لاکھ متعقدین نے پڑھی۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے
خدا ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

ممتاز علماء کا خراجِ عقیدت

یوں تو آپ کو عالم اسلام کے مشاہیر نے خراج تحسین پیش کیا ہے مگر یہاں صرف چند ممتاز علماء کی مختصر آراء درج کی جاتی ہیں تاکہ آپ کی شخصی عظمت کا اندازہ ہوسکے۔

مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب کی وفات تمام ملتِ اسلامیہ کا عظیم سانحہ ہے۔

مولانا شمس الحق افغانی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب علمِ تفسیر، فقہ وحدیث کے امام تھے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب ہمارے اسلاف کی عظیم یادگار تھے۔

مولانا سید محمد یوسف بنوری مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب کی زندگی کا ہر شعبہ رشد وہدایت تھا۔
مولانا محمد عبداللہ درخواستی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب کی وفات ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔
مولانا عبدالحق حقانی ایم۔این۔اے : حضرت مفتی صاحب تمام علماءامت کے اس وقت امام تھے۔
مولانا محمد زکریا کاندھلوی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب کی رحلت نے قلب وجگر زخمی کردیئے ہیں۔
مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ : وہ اس دور کے عظیم مذہبی مفکر تھے۔
مولانا سید محمد اسعد مدنی مدظلہٗ : حضرت مفتی صاحب کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔
مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہٗ : ایسی عظیم ہستیاں کہیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔
مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہٗ : ان کی وفات سے تمام علماء کرام یتیم ہوگئے ہیں۔
مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہٗ : وہ تمام عالمِ اسلام کے مذہبی وروحانی پیشوا تھے۔
مولانا غلام اللہ خان صاحب مدظلہٗ : آپ نے تمام زندگی قرآن وحدیث کی خدمت میں بسر کی۔
مولانا محمد مالک کاندھلوی مدظلہٗ : ان کی ذاتِ اقدس تمام ملتِ اسلامیہ کے لئے نعمتِ عظیم تھی۔

مقالاتِ مفتیٔ اعظمؒ

خود نوشت حالات

(مختصر سر گذشت)

ناکارۂ خلائق بندہ محمد شفیع ابن مولانا محمد یٰسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرسکتا کہ حق تعالیٰ نے اس کا مولد و وطن مرکز علومِ اسلامیہ دیوبند کو بنا دیا اور ایسے والد محترم کی آغوش میں پرورش کا موقع عطا فرمایا جو حافظِ قرآن اور عالمِ دین ہونے کے ساتھ دار العلوم دیوبند کے ہمعصر تھے۔ دار العلوم دیوبند کے بانیان علمائے ربانی کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کے مواقع ان کو ہمیشہ میسر رہے۔ اُن کا وجود ان بزرگوں کا زندہ تذکرہ تھا اور ان کی زندگی بچپن سے وفات تک دار العلوم دیوبند ہی میں پوری ہوئی وہیں تعلیم حاصل کی وہیں مدرّس ہوکر ساری عمر تعلیم کی خدمت گذاری کی۔

احقر کی ابتداءِ تعلیمِ قرآن والد محترم کی تجویز سے دار العلوم کے اساتذۂ قرآن حافظ عبد العظیم صاحب اور حافظ نامدار خان صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے پاس ہوئی اور پھر خود والد محترم کی خدمت میں رہ کر اردو، فارسی، حساب، ریاضی اور ابتدائی عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر ۱۳۳۱ھ میں دار العلوم کے درجہ میں باقاعدہ داخلہ لے کر ۱۳۳۵ھ تک درسِ نظامی کا نصاب اُن ماہرِ فن اساتذہ کی خدمت میں رہ کر پورا کیا جن کی نظیر آج دنیا کے کسی گوشے میں ملنا مشکل ہے۔

بچپن سے متوسط تعلیم عربی تک شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب شیخ الہند قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری دی۔ کبھی کبھی درسِ بخاری کی غیر رسمی حاضری نصیب رہی۔ مالٹا جیل سے واپس تشریف لانے کے بعد انہی کے دستِ حق پرست پر بیعتِ طریقت نصیب ہوئی اور علومِ عربیہ کی باقاعدہ تعلیم حضرات ذیل سے حاصل کی۔ حافظ حدیث جامع العلوم حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، عالمِ ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اور ماہرِ علوم معقول و منقول حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب و حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب۔

افسوس ہے کہ ان سطور کی تحریر کے وقت آخر الذکر دو بزرگوں کے سوا سب اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکے ہیں۔ حق تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر[1] بعافیت قائم رکھیں اور اہلِ علم کو ان سے فیض یاب ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع عطا فرمائیں۔

اساتذہ اور اکابرِ دارالعلوم کی نظرِ شفقت وعنایت اول ہی سے اس ناکارہ پر مبذول تھی۔ ۱۳۳۶ھ میں احقر نے فنون کی بقیہ چند کتابیں قاضی، میر زاہد اور امور عامہ وغیرہ پڑھنا شروع کیا تھا کہ اسی سال میں اکابر دارالعلوم نے احقر کو کچھ سبق پڑھانے کے لئے دے دیئے۔ اس طرح ۱۳۳۶ھ میری تعلیم و تعلم کا مشترک سال تھا۔ ۱۳۳۷ھ سے باقاعدہ دارالعلوم میں تدریس کی خدمت پر لگا دیا گیا بارہ سال مسلسل مختلف علوم وفنون کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کے درس کی خدمت انجام دی۔ ۱۳۴۹ھ میں مجھے صدر مفتی کی حیثیت سے دارالعلوم کا منصبِ فتویٰ سپرد کیا گیا اس کے ساتھ کچھ کتابیں حدیث وتفسیر کی بھی زیرِ درس رہیں اور بالآخر ۱۳۶۲ھ میں تحریکِ پاکستان کی جدوجہد اور کچھ دوسرے اسباب کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو گیا۔

دارالعلوم کی چھبیس سالہ خدمت درس وفتویٰ کے ساتھ خاص خاص موضوعات پر تصنیف کا بھی سلسلہ جاری رہا۔ ان تمام مشاغل اور بزرگانِ دارالعلوم کی صحبت سے اپنے حوصلے کے مطابق قرآن و حدیث سے کچھ مناسبت ہو گئی تھی۔ حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری کا شرف تو طالب علمی کے زمانے میں بھی ہوتا رہتا تھا مگر ۱۳۴۶ھ سے تجدیدِ بیعت کے ساتھ مسلسل حاضر باشی کا شرف حاصل ہوا جو تقریباً بیس سال حضرت اقدس کی وفات رجب ۱۳۶۲ھ تک جاری رہا۔ حضرت قدس سرہٗ کو حق تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون کی کامل مہارت عطا فرمائی تھی اور ان میں سے خصوصاً تفسیر اور تصوف آپ کے مخصوص فن تھے۔ ان دونوں علوم میں آپ کی تصانیف بیان القرآن، التکشف اور التشرّف ودیگر رسائلِ تصوف اس پر کافی شاہد ہیں۔

حضرت قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں یہ ضرورت محسوس فرمائی کہ احکام القرآن پر کوئی ایسی کتاب لکھی جائے جس میں عصرِ حاضر کے مسائل کو بھی جس قدر قرآنِ کریم سے ثابت ہوتے ہیں، واضح کیا جائے۔ اس کام کو جلد پورا کرنے کے خیال سے چند اصحاب میں تقسیم فرمایا اس کا ایک حصہ احقر کے بھی سپرد ہوا جس کا کچھ حصہ تو حضرت قدس سرہٗ کی حیات ہی میں آپ کی زیرِ نگرانی

---

[1] ۲۳ شعبان ۱۳۹۲ھ کو جب کہ معارف القرآن پر نظر ثانی کا کام شروع ہوا تو یہ دونوں بزرگ بھی رخصت ہو چکے ہیں۔ حق تعالیٰ ان کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں اور درجاتِ عالیہ نصیب فرمائیں۔ ۱۲ منہ

لکھا گیا باقی حضرت کی وفات کے بعد بعونہ تعالیٰ پورا ہو گیا اور دو جلدوں میں شائع بھی ہو چکا، یہ مجموعہ عربی زبان میں ہے۔

اس سلسلے نے حضرت ؒ کی برکت سے بحمد اللہ قرآن کریم کے ساتھ ایک خصوصی تعلق اور طلب پیدا کر دی۔ اسکے بعد قضاء وقدر سے زندگی میں ایک نئے انقلاب کا دروازہ کھلا، ۱۳۶۵ھ یعنی ۱۹۴۶ء میں پاکستان کی تحریک قوی ہو کر پورے ملک میں پھیلی۔ حضرت قدس سرہٗ کے سابقہ ایماء اور موجودہ اکابر کے ارشاد پر اس تحریک میں حصہ لیا اور دو سال کے شب وروز اس جدوجہد میں صرف کئے۔ مدراس سے پشاور تک اور مغرب میں کراچی تک پورے ملک کے دورے کئے یہی تحریکِ پاکستان اور اس کی جدوجہد بالآخر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء دینے پر منتہی ہوئی اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ دیرینہ تمنا پوری فرمادی کہ ہندوستان تقسیم ہو کر مسلمانوں کے لئے خالص اسلام کے نام پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے وجود میں آگئی۔

اسلامی سلطنت، اسلامی نظام، اسلامی قانون کی قدیم تمنائیں اب امید کی صورت میں تبدیل ہونے لگیں اور اس کے ساتھ وطنِ مالوف کو ترک کرنے اور پاکستان کو وطن بنانے کی کشمکش دل میں موجزن ہوئی۔ وطن اصلی دیوبند کے علومِ اسلامیہ کا مرکز اور منتخب علماءِ امت کا مرجع ہونے پر نظر جاتی تو سعدی شیرازی ؒ کا یہ شعر یاد آتا ؎

تولائے مردانِ ایں پاک بوم
برانگیختم خاطر از شام و روم

لیکن جب ملک کے سیاسی حالات اور ہندوستان میں مسلمانوں اور ان کے اداروں کے مستقبل پر نظر جاتی تو کوئی روشن پہلو سامنے نہ آتا۔ اس کے خلاف پاکستان میں ہر طرح کی صلاح وفلاح کی امید بظاہرِ اسباب نظر آتی تھی ادھر یہ کشمکش جاری تھی اور دوسری طرف پورے ملک میں بدامنی اور قتل وغارت گری کے قیامت خیز ہنگامے کھڑے ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا، لاکھوں انسانوں کو پھر پاکستان کی طرف دھکیل دیا گیا اور پھر جانے والوں کو عافیت کے ساتھ جانے کا موقع بھی نہ دیا گیا، جابجا قتل عام، خوں ریزی، لوٹ مار اور اغوا کے روح فرسا نظارے تھے۔ کسی کا صحیح سالم پاکستان پہنچ جانا ایک عجوبہ یا کرامت سمجھا جاتا تھا۔

آٹھ ماہ کے بعد یہ ہنگامے کچھ فرو ہوئے تو میرے استادِ محترم اور پھوپھی زاد بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور چند عمائد کراچی نے یہ ارادہ کیا کہ پاکستان کے لئے اسلامی

دستور کا ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھا جائے تا کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا ہے وہ جلد سے جلد بروئے کار آ سکے۔ اس تجویز کے لئے منجملہ چند علماء کے احقر کو بھی ہندوستان سے کراچی آنے کی دعوت دی گئی۔

۲۰ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ یکم مئی ۱۹۴۸ء میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا جس میں وطنِ مالوف مرکزِ علوم دیو بند کو خیر باد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور ان کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رخ کیا۔ والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھر بار کو چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گذارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن امیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطاں و پیچاں۔

دہلی اور چند مقامات پر اُترتے ہوئے ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۳۶۷ھ ۶ مئی ۱۹۴۸ء کو اللہ تعالیٰ نے حدودِ پاکستان میں پہنچا دیا اور کراچی غیر اختیاری طور پر اپنا وطن بن گیا۔ یہاں آئے ہوئے اس وقت پندرہ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں اس پندرہ سال میں کیا کیا اور کیا دیکھا۔ اس کی سرگذشت بہت طویل ہے یہ مقام اس کے لکھنے کا نہیں۔ جن مقاصد کے لئے پاکستان محبوب و مطلوب تھا اور اس کے لئے سب کچھ قربان کیا تھا حکومتوں کے انقلابات نے ان کی حیثیت ایک لذیذ خواب سے زیادہ باقی نہ چھوڑی ؂

بلبل ہمہ تن خوں شد و گل شد ہمہ تن چاک
اے وائے بہارے اگر این ست بہارے

حکومت کے راستے سے کسی دینی انقلاب اور نمایاں اصلاح کی امیدیں خواب و خیال ہوتی جاتی ہیں۔ تاہم عام مسلمانوں میں دینی بیداری اور امورِ دین کا احساس بحمد اللہ ابھی تک سرمایۂ زندگی بنا ہوا ہے۔ ان میں اہلِ صلاح وتقویٰ کی بحمد للہ خاصی تعداد موجود ہے اسی احساس نے یہاں دینی خدمتوں کی راہیں کھولی ہوئی ہیں۔

حکومت کے پیمانے پر اسلامی کوششوں کے علاوہ عوامی طرز سے اصلاحی جدو جہد اور اس کے لئے کچھ اداروں کا قیام جو شروع سے پیشِ نظر تھا اور اس کی ابتداء ۱۳۷۰ھ ، ۱۹۵۰ء میں اس طرح ہوئی کہ آرام باغ کراچی کے متصل مسجدِ باب الاسلام میں روزانہ بعد صبح درسِ قرآن شروع ہوا اور ہر طرف سے آنے والے سوالات کے جواب میں جو فتاویٰ مسلسل لکھے جاتے اور بغیر نقل کے روانہ کر دیئے

جاتے تھے۔اب اس کا انتظام اسی مسجد میں ایک دارالافتاء کے قیام کی صورت میں عمل میں آیا یہ درسِ قرآ ن امید سے زیادہ مفید و مؤثر ثابت ہوا سننے والوں کی زندگی میں انقلاب کے آثار دیکھے گئے۔احقر نا کارہ کو زندگی کا ایک اچھا مشغلہ مل گیا بعد نمازِ فجر روزانہ ایک گھنٹہ کے عمل سے سات سال میں بحمد اللہ یہ درسِ قرآن مکمل ہو گیا۔

یہاں تک کی تمہید ماہِ صفر ۱۳۸۳ھ میں اس وقت لکھی گئی تھی جب کہ تفسیر معارف القرآن کو کتابی صورت میں لانے کا ارادہ ہوا تھا پھر ۱۳۸۸ھ تک یہ سلسلہ ملتوی رہا۔ ۸۸ھ سے اس پر کام شروع ہوا جو ۱۳۹۲ھ تک پانچ سال میں بحمد اللہ مکمل ہو گیا اس تمہید کا آگے آنے والا حصہ تکمیلِ تفسیر کے بعد ۱۳۹۲ھ میں لکھا گیا۔

تفسیر ''معارف القرآن'' کی تصنیف قدرتی اسباب سے

احقر ناکارہ گناہگار بے علم و بے عمل کی یہ جرأت کبھی بھی نہ ہوتی کہ قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کا ارادہ کرتا مگر نیرنگِ تقدیر سے اس کے اسباب اس طرح شروع ہوئے کہ ریڈیو پاکستان سے روزانہ نشر ہونے والے درس قرآن کے متعلق مجھ سے فرمائش کی گئی جس کو چند اعذار کی بناء پر میں قبول نہ کر سکا پھر انھوں نے ایک دوسری تجویز پیش کی کہ روزانہ درس کے سلسلہ سے الگ ایک ہفتہ واری درس بنام معارف القرآن جاری کیا جائے، جس میں پورے قرآن کی تفسیر پیش نظر نہ ہو بلکہ عام مسلمانوں کی موجودہ ضرورت کے پیش نظر خاص خاص آیات کا انتخاب کر کے اُن کی تفسیر اور متعلقہ احکام بیان ہوا کریں، احقر نے اس کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ درس کا کوئی معاوضہ نہ لوں گا اور کسی ایسی پابندی کو بھی قبول نہ کروں گا جو میرے نزدیک درسِ قرآن کے مناسب نہ ہو، یہ شرط منظور کر لی گئی۔

بنام خدا تعالیٰ یہ درس بنام معارف القرآن ۱۳ شوال ۱۳۷۳ھ ۱۲ جولائی ۱۹۵۴ء سے شروع ہوا اور تقریباً گیارہ سال پابندی سے جاری رہا یہاں تک کہ جون ۱۹۶۴ء میں ریڈیو پاکستان کی اپنی نئی پالیسی کے تحت اس درس کو ختم کر دیا گیا، یہ درس معارف القرآن تیرہویں پارے اور سورۂ ابراہیم پر ختم ہو گیا جس میں ان تیرہ پاروں کی مکمل تفسیر نہیں بلکہ منتخب آیات کی تفسیر تھی، احقر نے ایسی درمیانی آیات کو اس میں شامل نہیں کیا تھا جو خالص علمی مضامین پر مشتمل تھی اور ریڈیائی تقریر کے ذریعہ عوام کے ذہن نشین کرنا اس کا مشکل تھا، یا وہ آیات جو مکرر سکرر آتی ہیں۔

جس وقت یہ کام شروع کر رہا تھا اس کا کوئی دور دور خیال نہ تھا کہ یہ کسی وقت کتابی صورت میں ایک مستقل تفسیر کے انداز پر شائع ہوگی مگر ہوا یہ کہ جب یہ درس نشر ہونا شروع ہوا تو پاکستان کے سب علاقوں سے اور ان سے زیادہ غیر ممالک افریقہ یورپ وغیرہ میں بسنے والے مسلمانوں کی طرف سے بے شمار خطوط ریڈیو پاکستان کو اور خود احقر کو وصول ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ بہت سے دیندار اور نو تعلیم مسلمان اس درس سے بہت شغف رکھتے ہیں۔

افریقہ میں چونکہ یہ درس آخر شب یا بالکل صبح صادق کے وقت پہنچتا تھا، وہاں کے لوگوں نے اس کو ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ محفوظ کر کے بعد میں سب کو بار بار سنانے کا اہتمام کیا اور جگہ جگہ سے اس کا تقاضا ہوا کہ اس درس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے، عام مسلمانوں کے اس اشتیاق نے اس ناکارہ کی ہمت بڑھادی اور امراض وضعف کے باوجود گیارہ سال تک یہ سلسلہ بڑی پابندی سے جاری رکھا، ۱۳۸۳ھ اور ۱۹۶۴ء میں جب درس کا سلسلہ بند ہوا تو بہت سے حضرات کی طرف سے یہ تقاضا ہوا کہ جتنا ہو چکا ہے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور درمیان میں جو آیات چھوڑی گئی ہیں، ان کی بھی تکمیل کر دی جائے، بنام خدا یہ ارادہ کرلیا کہ موجودہ پر نظر ثانی اور درمیان سے باقی ماندہ آیات کی تکمیل کا کام شروع کیا جائے،

چنانچہ ۱۶/ صفر ۱۳۸۳ھ میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر پر نظر ثانی مکمل ہوگئی، اور سورہ بقرہ پر کام شروع کیا اس میں احکام کی آیات مشکلہ بہت ہیں جو ریڈیو پر نشری تقریر میں نہیں آئی تھیں، یہ کام بہت محنت اور فرصت کا متقاضی تھا، ہجوم مشاغل اور امراض نے فرصت نہ دی اور تقریباً یہ کام ذہول میں پڑ گیا۔

یہ نیرنگِ تقدیر ایک شدید وطویل بیماری تکمیلِ تفسیر کا سبب بن گئی

۱۳۸۸ھ کے شعبان میں احقر کے اسفل بدن میں کچھ پھوڑے کی شکل نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ بڑھتی گئی آخر رمضان میں اس نے کھڑے ہونے سے معذور کر دیا۔ آخری آٹھ روزے بھی قضا ہوئے، گھر میں بیٹھ کر نماز ہونے لگی۔ اس کے ساتھ پاؤں میں نقرس کا پرانا درد شروع ہوا اس کا جو علاج پہلے کارگر ہو جاتا تھا وہ بھی کامیاب نہ ہوا اور دونوں پاؤں سے معذور ہو گیا، تقریباً دس ۱۰ مہینے اسی طرح معذوری و بیماری کے ساتھ موت وحیات کی کشمکش میں گذرے۔

جب چلنے پھرنے اور ہر کام سے معذور ہو گیا، زندگی کی امید بھی مضمحل ہوگئی تو اب اس پر افسوس ہوا کہ یہ تفسیری اوراق جس قدر ہو چکے تھے اُن پر نظر ثانی کی تکمیل نہ ہوسکی اب یہ اوراق یونہی ضائع

ہوجائیں گے، حق تعالیٰ نے قلب میں ہمت عطا فرمائی اور شوال ۱۳۸۸ھ کے آخر میں بستر علالت پر ہی اللہ تعالیٰ نے اس کام کو شروع کرادیا اور ۲۵/ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ کو سورۂ بقرہ کی تکمیل ہوکر کتابت وطباعت کے لئے دے دی، اس کے بعد سے عین بیماری ومعذوری کی حالت میں یہ کام تدریجی رفتار سے چلتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے دس ماہ کے بعد معذوری بھی رفع فرمادی تو رجب ۱۳۸۹ھ سے کام کسی قدر تیز ہوا مگر اسی کے ساتھ ملک میں جدید انتخابات نے سیاسی ہنگاموں کا ایک طوفان کھڑا کردیا۔

میں اگر چہ عرصۂ دراز سے سیاست سے بالکل یکسو ہوچکا تھا مگر ان انتخابات نے پاکستان میں خالص اسلامی حکومت کے بجائے کیموزم اور سوشل ازم پھیل جانے کے خطرات قوی کردیئے اور سوشل ازم کو عین اسلام باور کرانے کے لئے جدوجہد اور جلسے وجلوس عام ہوگئے اس مسئلے کی نزاکت نے پھر اس پر آمادہ کردیا کہ کم از کم اسلام اور سوشل ازم میں فرق اور سوشلزم کے خطرناک نتائج سے قوم کو آگاہ کرنے کی حد تک اس سیاسی میدان میں حصہ لیا جائے اس کے لئے تحریری مقالے بھی لکھنے پڑے اور مشرقی ومغربی پاکستان کے اہم مواقع میں جلسوں میں شرکت بھی کرنا پڑی، مسئلہ کی وضاحت تو مقدور بھر پوری ہوگئی، مگر سیاست کے میدان میں مسائل اور حقائق سے زیادہ زور وزر کام کرتے ہیں انتخابات کا نتیجہ بالکل خلاف اور برعکس نکلا، اس کے اثر سے پاکستان پر جو زوال آنا تھا وہ آگیا، وَلِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْد ۔

انتخابات کے بعد احقر نے پھر سیاست سے مستعفی ہوکر اپنا یہ کام شروع کیا، اور الحمد للہ علیٰ کرمہ کہ رجب ۱۳۹۰ھ تک تیرہ پاروں کی معارف القرآن پر نظر ثانی اور درمیانی متروکہ آیات کی تفسیر بھی مکمل ہوگئی اور سورۂ ابراہیم سے سورۂ نحل تک دو پاروں کی مزید تفسیر بھی لکھی گئی، اب قرآن مجید نصف کے قریب ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے ہمت عطا فرمائی اور ـــــ باقی ماندہ قرآن کی تفسیر لکھنا شروع کیا، اس کا اس وقت کوئی تصور نہیں تھا کہ ۷۵ پچھتر سال کی عمر اور سقوط قوی اس کے ساتھ مختلف قسم کے امراض کے تسلسل میں یہ تفسیر پوری ہوسکے گی۔

مگر یہ سمجھ کر کہ قرآن کو ختم کرنا مقصود نہیں قرآن میں اپنی عمر کو ختم کرنا ہے۔ اللہ کے نام پر یہ سلسلہ شروع کردیا شعبان ۱۳۹۰ھ سے سورہ بنی اسرائیل کی تفسیر شروع ہوئی اور ۲۳ صفر ۱۳۹۱ھ کو قرآن کی چوتھی منزل سورہ فرقان پارہ ۱۹ تک مکمل ہوگئی۔

آگے قرآن کی تین منزلیں یعنی تقریباً ایک تہائی قرآن کریم باقی تھا عمر کے ضعف مختلف قسم کے امراض کی بنا پر یہ خیال آیا کہ اس سب کی تکمیل تو شاید مجھ سے نہ ہو سکے مگر درمیانی پانچویں اور چھٹی منزل کی تفسیر احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی لکھدی ہے جو شائع بھی ہو چکی ہے اگر میں اس کو نہ لکھ سکا تو میرے بعد بھی کوئی اللہ کا بندہ اسی احکام القرآن کی تفسیر کو اردو میں منتقل کر کے یہ حصہ پورا کر دیگا اور اس کی وصیت بھی چند حضرات کو کر دی اور درمیان کی یہ دو منزلیں چھوڑ کر آخری ساتویں منزل سورہ ق سے لکھنا شروع کر دیا۔

حق تعالیٰ کی مدد نے دستگیری فرمائی اور ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۱ھ سے شروع ہو کر شوال ۱۳۹۱ھ تک یہ آخری منزل پوری ہوگئی، صرف معوذتین یعنی آخر کی دو سوتیں چھوڑ دی گئیں۔

اب درمیانی دو منزلیں سورہ شعراء سے سورہ حجرات تک باقی تھیں اللہ کے نام پر ان کو بھی شروع کر دیا ان میں سورہ ص، صافات، زخرف تو برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ سے لکھوائی اور خود اس پر نظر ثانی کر کے مکمل کیا باقی سورتیں خود لکھنا شروع کیں اور قرآن مجید کا تقریباً ڈیڑھ پارہ باقی رہ گیا تھا کہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ ۸ جون ۱۹۷۳ھ کو اچانک مجھے قلب کا ایک شدید مرض پیش آیا کہ موت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا دیکھنے والے تھوڑی دیر کا مہمان سمجھتے تھے۔

کراچی میں امراض قلب کے ہسپتال میں غیر شعوری طور پر پہنچا دیا گیا، تین روز کے بعد ڈاکٹروں نے کچھ اطمینان کا اظہار کیا جب کچھ ہوش وحواس درست ہوئے تو باقی ماندہ تفسیر کا خیال ایک حسرت بن کر رہ گیا۔ برخوردار عزیزی مولوی محمد تقی سلمہ، کو وصیت کر دی کہ بقیہ کی تکمیل وہ کر دیں اس طرح قلب کا کچھ بوجھ ہلکا کیا۔

---

[1] یہ بھی اس حال میں کہ دار العلوم کی انتظامی ذمہ داریوں اور فتوے کی مستقل خدمت کے علاوہ دوسرے اہم موضوعات پر دس مختصر اور مفصل کتابیں اور بھی لکھی گئیں جو شائع ہو چکی ہیں۔
(۱) احکام الحج جو مختصر اور سلیس ہونے کے ساتھ تمام ضروری احکام کو جامع بھی ہے۔ (۲) الیواقیت فی احکام المواقیت مواقیت حج اور جدہ سے احرام کی تحقیق۔ (۳) منهج الخير في الحج عن الغير (یعنی حج بدل کے احکام)۔ (۴) مقام صحابہ مشاجرات صحابہ اور عدالت صحابہ کی مکمل بحث اور سلف صالحین کا طرز عمل۔ (۵) اسلامی ذبیحہ کے شرعی احکام مفصل یہود ونصاریٰ کے ذبیحہ کی بحث تحریفات کی تردید۔ (۶) اعضائے انسانی کی پیوند کاری۔ (۷) بیمہ زندگی۔ (۸) پراویڈنٹ فنڈ (۹) اسلام اور سوشلزم۔ (۱۰) اسلامی نظام میں اقتصادی اصلاحات۔ فالله الحمد والمنه. ۱۲ منہ

اللہ تعالیٰ کا ہزاراں ہزار شکر کہ اس نے مرض سے صحت بھی عطا فرمائی اور تین مہینے کے بعد اتنی طاقت تھی کہ کچھ لکھنے پڑھنے کی ہمت ہونے لگی۔ پھر تھوڑی دیر کام کرنے سے دماغ دل ونگاہ سب تھک جاتے تھے، محض حق تعالیٰ کا فضل وکرم ہی تھا کہ اس نے اسی حالت میں یہ بقیہ تفسیر ۲۱ شعبان ۱۳۹۳ھ روز شنبہ کو مکمل کرادی اور حسنِ اتفاق سے یہی روز ۱۳۱۴ھ میں میری ولادت کا دن تھا۔ اس روز میری عمر کی ستترے منزلیں پوری ہوکر اٹھترواں سال شروع ہوا۔

اس تفسیر کا آغاز ۱۳۸۸ھ کی شدید بیماری میں ہوا اور خاتمہ پانچ سال کے بعد ۱۳۹۲ھ کی شدید بیماری کے متصل بعد ہوا۔ یہ پانچ سال آخر عمر کے طبعی ضعف، مختلف قسم کے امراض کے تسلسل افکار کے ہجوم اور ملک میں انقلابی ہنگاموں کے سال تھے، انہی میں حق تعالیٰ نے اس تفسیر کے تقریباً سات ہزار صفحات اس ناکارہ کے قلم سے لکھوادیئے، اور یہ بات آنکھوں سے دکھلادی کہ

انّ المقادیر اذا ساعدت الحقت العاجز بالقادر

''یعنی جب تقدیر الٰہی مدد کرتی ہے تو عاجز کو قادر کے ساتھ ملادیتی ہے''

علم وعمل پہلے ہی برائے نام تھا، اس ضعف وپیری اور امراض ومشاغل وذہول نے وہ رہا سہا بھی رخصت کردیا ان حالات میں کسی تصنیف خصوصاً قرآن کریم کی تفسیر کا ارادہ کرنا بھی ایک بڑی جسارت تھی۔ اطمینان اس پر تھا کہ اس میں میری اپنی کوئی چیز نہیں اکابر علماء اور سلف صالحین کی تفسیر کو آسان زبان میں اہل عصر کی طبائع کے قریب بنانا میری ساری محنت کا حاصل تھا۔

میں نے آخر عمر کے پانچ سال کی ہی محنت شاقہ اس تمنا میں صرف کی کہ عصرِ جدید کے مسلمان جو عموماً علمی اصطلاحات اور علمی زبان سے بیگانہ ہو چکے ہیں اکابر کی تفسیر کو ان کے لئے اقرب الی الفہم کردوں تو شاید اس زمانے کے مسلمانوں کو اس سے نفع پہنچے اور میرے لئے زادِ آخرت بن جائے علماء محققین اپنی علمی تحقیقات کے کمالات دکھلاتے ہیں، اس ناکارہ نے اپنی بے علمی کو اس پردہ میں چھپایا ہے، اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی ستاری کا معاملہ فرمادیں، اور اس ناچیز کی خدمت کو قبول فرمادیں جس میں کسی علمی کمال کا تو کوئی دخل نہیں البتہ اپنے آپ کو تھکایا ضروری ہے اور یہ تھکانا بھی اللہ ہی کی توفیق سے تھا ورنہ ایک قدم چلنے کی بھی کیا مجال تھی۔

کاش ! اللہ تعالیٰ میرے اس تھکنے پر نظر فرمائیں اور میری تقصیرات کو جو اس کی کتاب کریم کے حقوق ادا کرنے میں ہوئی ہیں، معاف فرما کر اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمادیں۔

نہ بحرف ساختہ سرخوشم نہ بنقش بستہ مشوشم
نفسے بیادِ تو مے زنم چہ عبارت وچہ معانیم

تصنیفِ کتاب کی یہ لمبی کہانی احقر کے لئے تو ایک یادداشت اور شکر گزاری کے لئے ایک تذکرہ ہے مگر عام لوگوں کے ذوق کی چیز نہیں اس کے باوجود اس لئے لکھا کہ لوگوں کو میری اس جسارت کا عذر معلوم ہو جائے۔

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تفسیرِ قرآن پر مستقل تصنیف کے لئے جرأت کرنے کا میرے لئے دور دور تک بھی کوئی احتمال نہ تھا مگر غیر ارادی طور پر اس کے اسباب ہوتے چلے گئے۔ البتہ زمانۂ دراز سے ایک تمنا دل میں تھی کہ حکیم الامت مجدّد الملت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی تفسیر بیان القرآن جو ایک بے نظیر، مختصر مگر جامع تفسیر اور سلف صالحین کی تفسیروں کا لبِّ لُباب ہے، لیکن وہ علمی زبان اور علمی اصطلاحات میں لکھی گئی ہے آج کل کے عوام اس سے استفادہ کرنے سے قاصر ہوئے ہیں۔ اس کے مضامین کو سہل زبان میں پیش کر دیا جائے مگر یہ کام بھی کافی محنت اور فرصت چاہتا تھا۔ پاکستان میں آنے سے پہلے کچھ شروع بھی کیا پھر رہ گیا تھا۔

معارف القرآن کی اس تحریر نے بحمد اللہ وہ آرزو بھی پوری کر دی، کیونکہ اس تفسیر کی بنیاد احقر نے بیان القرآن ہی کو بنایا ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

معارفُ القرآن کی خصوصیّات والتزامات

۱۔ تفسیرِ قرآن جو عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ہو اس میں سب اہم اور احتیاط کی چیز قرآن کا ترجمہ ہے کیونکہ وہ اللہ کے کلام کی حکایت ہے۔ اس میں ادنیٰ سی کمی بیشی بھی اپنی طرف سے روا نہیں اس لئے میں نے خود کوئی ترجمہ لکھنے کی ہمت نہیں کی اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ اکابر علماء یہ کام بڑی احتیاط کے ساتھ انجام دے چکے ہیں۔

اردو زبان میں اس خدمت کو سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دو فرزند ارجمند حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اپنے اپنے طرز میں انجام دیا۔ اوّل الذکر ترجمہ میں بالکل تحت اللفظ ترجمہ کو اختیار کیا گیا ہے۔ اردو محاورہ کی بھی زیادہ رعایت نہیں رکھی گئی اور بڑے کمال کے ساتھ قرآن کے الفاظ کو اردو میں منتقل فرمایا ہے اور دوسرے ترجمہ میں تحت اللفظ کے ساتھ اردو محاورہ کی رعایت بھی ہے جس کو حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے چالیس سال مسجد میں معتکف رہ کر پورا کیا ہے یہاں تک کہ آپ کا جنازہ مسجد ہی سے نکلا۔

دار العلوم دیوبند کے پہلے صدرِ مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب ؒ کا فرمانا ہے کہ بلاشبہ ترجمہ الہامی ہے، انسان کے بس کی بات نہیں کہ ایسا ترجمہ کر سکے۔ شیخ العرب والعجم سیدی حضرت مولانا محمود الحسن صاحب ؒ نے اپنے وقت میں جب یہ دیکھا کہ اب بہت سے محاورات بدل جانے کی وجہ سے بعض مقامات میں ترمیم کی ضرورت ہے تو انہوں نے اسی ترجمہ کی یہ خدمت انجام دی جو ترجمہ ''شیخ الہند ؒ'' کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔ احقر نے قرآنِ کریم کے زیرِ متن اسی ترجمہ کو بعینہٖ لیا ہے۔

۲۔ سیدی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ نے اصل تفسیر بیان القرآن کو اس انداز میں لکھا کہ متنِ قرآن کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ ہی اس کی تفسیر وتوضیح قوسین کے درمیان فرمائی ہے۔ ترجمہ کو اس کے اوپر خط دے کر اور تفسیر کو بین القوسین لکھ کر ممتاز کر دیا ہے اس طرح خط کشیدہ الفاظ میں ترجمہ قرآن ہے اور بین القوسین اس کی تفسیر ہے۔ بہت سے لوگوں نے اسی خط کشیدہ ترجمہ کو الگ کر کے قران مجید کے زیرِ متن ترجمہ حکیم الامت ؒ کے نام سے خود حضرت ؒ کے زمانے میں شائع بھی کر دیا تھا۔

مجھے چونکہ بیان القرآن کی تسہیل کا کام پہلے سے پیشِ نظر تھا اس وقت احقر نے حضرت کی اس تفسیر کو بنام ''خلاصۂ تفسیر'' شروع میں بعینہٖ صرف ایک تصرف کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ وہ یہ کہ اس تفسیر میں جس جگہ خاص اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے تھے وہاں ان کو آسان لفظوں میں منتقل کر دیا اور اس کا نام خلاصہ تفسیر رکھنا اس لئے موزوں ہوا کہ خود حضرت ؒ نے خطبۂ بیان القرآن میں اس کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کو تفسیر مختصر یا ترجمہ مطوّل کہا جا سکتا ہے۔

اور اگر کوئی مضمون ہی خالص علمی اور مشکل تھا تو اس کو یہاں سے الگ کر کے معارف ومسائل میں اپنی آسان عبارت میں لکھ دیا تا کہ مشغول آدمی اگر زیادہ نہ دیکھ سکے تو اس خلاصۂ تفسیر سے ہی کم از کم مفہومِ قرآنی کو پورا سمجھ لے۔ ان دونوں چیزوں کا التزام جلد اول کی طبع اول میں پارۂ الٓمٓ رُبع اول آیت نمبر ۴۴ معارف جلد اول صفحہ ۱۵۶ تک نہیں ہو سکا تھا اب طبع ثانی میں اس حصہ کو بھی مکمل کر کے پوری تفسیر کے مطابق کر دیا گیا ہے البتہ ایک التزام جو جلد ثانی سے شروع ہوا کہ متنِ قرآن کے نیچے ترجمہ شیخ الہند ؒ لکھا جائے یہ پہلی طباعت کی پوری جلد اول میں نہیں تھا۔ طبع ثانی میں اس کو بھی تحت المتن لکھ کر سب کے مطابق کر دیا گیا یہ دونوں کام تو اکابر علماء کے تھے۔

۳۔ تیسرا کام جو احقر کی طرف منسوب ہے وہ ''معارف و مسائل'' کا عنوان ہے۔ اس میں بھی غور کیا جائے تو احقر کی صرف اردو عبارت ہی ہے۔ مضامین سب علماء سلف کی تفسیر سے لئے ہوئے ہیں جن کے حوالے ہر جگہ لکھ دیتے ہیں اس میں احقر نے چند چیزوں کا التزام کیا ہے:

(۱) علماء کے لئے تفسیر قرآن میں سب سے پہلا اور اہم کام لغات کی تحقیق، نحوی ترکیب، فنِ بلاغت کے نکات اور اختلافِ قرآت کی بحثیں ہیں جو بلا شبہ اہلِ علم کے لئے فہمِ قرآن میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ قرآن کے صحیح مفہوم کو پایا جاسکتا ہے لیکن عوام تو عوام ہیں آج کل کے بہت سے اہلِ علم بھی ان تفصیلات میں الجھن محسوس کرتے ہیں بالخصوص عوام کے لئے تو یہ بحثیں ان کی فہم سے بالا اور اصل مقصد میں مخل بنتی ہیں، وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا مشکل کام ہے۔

حالانکہ قرآن کریم کا جو اصل مقصد ہے کہ انسان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ قوی ہو اور اس کے نتیجے میں مادی تعلقات اعتدال پر آجائیں کہ وہ دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اور دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر پیدا ہو اور انسان اپنے ہر قول و فعل پر یہ سوچنے کا عادی ہو جائے کہ اس میں کوئی چیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف تو نہیں۔ اس چیز کو قرآن نے اتنا آسان کر دیا ہے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی خود دیکھ کر اور بالکل اَن پڑھ جاہل سن کر بھی یہ فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔

قرآن کریم نے خود اس کا اعلان فرمایا دیا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ط

تفسیر ''معارف القرآن'' میں عوام کی سہولت کے پیشِ نظر علمی اور اصطلاحی بحثوں کی تفصیل نہیں لکھی گئی بلکہ ائمہ تفسیر کے اقوال میں جس کو جمہور نے راجح قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق تفسیر لے لی گئی اور کہیں کہیں بضرورت یہ بحث بھی لی گئی ہے تو وہاں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا کہ خالص علمی اصطلاحات اور غیر معروف اور مشکل الفاظ نہ آئیں اور اسی لئے ایسی مباحثِ علمیہ کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے جو عوام کے لئے غیر ضروری اور اس کی سطح سے بلند ہیں۔

(ب) مستند و معتبر تفاسیر سے ایسے مضامین کو اہمیت کے ساتھ نقل کیا گیا ہے جو انسان کے دل پر قرآن کی عظمت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی عظمت و محبت کو بڑھائیں اور قرآن پر عمل اور اپنے اعمال کی اصلاح کی طرف مائل کریں۔

(ج) اس پر تو مؤمن کا ایمان ہے کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والے تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے بشرطیکہ قرآن کو رسول اللہ کے بیان وتشریح کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے اور اس میں پورا تدبر سے کام لیا جائے۔ اسی لئے ہر زمانہ کے علماء تفسیر نے اپنی اپنی تفسیروں میں ان جدید مسائل اور مباحث پر زیادہ زور دیا ہے جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوئے یا ملحدین اہلِ باطل کی طرف سے شکوک وشبہات کی صورت میں پیدا کردیئے گئے اسی لئے قرونِ متوسطہ کی تفسیریں معتزلہ، جہمیہ، صفوانیہ وغیرہ فرقوں کی تردید اور ان کے شبہات کے ازالہ سے پر نظر آتی ہیں۔

احقر ناکارہ نے بھی اسی اصول کے تحت ایسے ہی مسائل اور مباحث کو اہمیت دی ہے جو یا تو اس زمانے کے مشینی دور نے نئے نئے پیدا کردیئے اور اس زمانہ کے ملحدین اور یہودی اور نصرانی مستشرقین نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے کھڑے کردئے۔ جدید مسائل کے حل کے لئے مقدور بھر اس کی کوشش کی ہے۔ قرآن وسنت یا فقہاء امت کے اقوال میں اس کا کوئی ثبوت ملے یا کم از کم اس کی کوئی نظیر ملے اور الحمدللہ اس میں کامیابی ہوئی۔

ایسے مسائل میں دوسرے علمائے عصر سے مشورہ لینے کا بھی التزام کیا گیا ہے اور ملحدانہ شکوک و شبہات کے ازالہ میں بھی مقدور بھر اس کی کوشش رہی ہے کہ جواب اطمینان بخش ہو اور اس جواب دہی کے لئے اسلامی مسائل میں ادنیٰ ترمیم کو گوارا نہیں کیا جیسا کہ دورِ حاضر کے بعض مصنفین نے اس جوب دہی میں خود اسلامی مسائل میں تاویلیں کرکے ترمیم کر ڈالنے کا طریق اختیار کیا ہے۔ یہ سب کچھ اپنی معلومات اور اپنی کوشش کی حد تک ہے جس میں بہت سی خطاؤں اور لغزشوں کا احتمال ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں اور ان کی اصلاح کا راستہ نکال دیں۔

مذکور الصدر التزامات نے تفسیر معارف القرآن کو مندرجہ ذیل چیزوں کا جامع بنادیا ہے۔

(۱) **قرآن مجید** کے دو مستند ترجمے ایک حضرت شیخ الہند ؒ کا جو دراصل شاہ عبدالقادر صاحب ؒ کا ترجمہ ہے دوسرا حضرت حکیم الامت تھانوی کا ترجمہ۔

(۲) **خلاصۂ تفسیر** جو درحقیقت بیان القرآن کا خلاصہ مع تسہیل ہے جن کو علیحدہ بھی قرآن مجید کے حاشیہ پر طبع کرلیا جائے تو تھوڑی فرصت والوں کے لئے فہمِ قرآن کا مستند اور بہترین ذریعہ ہے۔ اس نے ایک اور ضرورت کو پورا کردیا جس کی طرف مجھے اخی فی اللہ مولانا بدر عالم صاحب مہاجر ؒ مدینہ منورہ نے علامہ فرید وجدی کی ایک مختصر تفسیر حاشیہ قرآن پر دکھا کر توجہ دلائی تھی کہ کاش اردو میں بھی کوئی

ایسی تفسیر ہوتی جو اس کی طرح مختصر اور آسان ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے یہ آرزو بھی پوری فرمادی، یہ دونوں چیزیں تو اکابر علماء کی مستند اور معروف ہیں۔

(۳) تیسری چیز معارف و مسائل ہیں جو میری طرف منسوب ہیں اور میری محنت کا محور ہیں۔ الحمد للہ کہ اس میں بھی میرا اپنا کچھ نہیں سب اسلافِ امت ہی سے لیا ہوا ہے۔ آج کل کے اہلِ علم و اہلِ قلم اکثر اس فکر میں رہتے ہیں کہ اپنی کوئی تحقیق اور اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش کریں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہوں کہ اس سب کام میں میرا اپنا کچھ نہیں ؎

ایں ہمہ گفتیم ولیک اندر بیچ بے عنایاتِ خدا ہیچیم و ہیچ

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اسأل الصّواب والمداد فی المبدء والمعاد وبہ استعین من زلۃ القلم فیما علمت وما لا اعلم وایاہ اسأل ان یجعلہٗ خالصًا لوجھہ الکریم وان یتقبلہ منّی کما تقبل من صالحی عبادہ وان ینفعنی بہ یوم لاینفع مال ولا بنو ن ولہ الحمد اوّلاً وآخراً وظاھراً وباطناً وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ خاتم انبیائہ وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلّم تسلیماً کثیراً۔

بندہ ضعیف ونا کارہ

محمد شفیع

خادم دار العلوم کراچی

۲۵ شعبان ۱۳۹۲ھ

دار العلوم دیو بند
اور
اس کا مزاج و مذاق

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

دار العلوم دیو بند برِ صغیر کی وہ عظیم علمی درس گاہ ہے جس نے گذشتہ صدی میں عالمِ اسلام کی مایہ ناز شخصیتیں پیدا کیں اور ملت کی فکری اور عملی رہنمائی کر کے مسلمانوں کی تاریخ پر گہرے اور دور رس اثرات مرتب کئے۔

دار العلوم دیو بند کیا ہے؟ وہ کیوں قائم ہوا؟ اور اس نے کیا خدمات انجام دیں؟ اِن سوالات کا صحیح جواب معلوم کرنے کے لئے آج سے تقریباً ایک صدی پہلے کے حالات پر ایک نگاہ ڈالنی ضروری ہے کیونکہ یہی حالات دار العلوم دیو بند کے قیام کا سبب بنے اور اس درس گاہ کو اس وقت ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے جب کہ اس کے قیام کا پورا پس منظر سامنے ہو۔

۱۸۵۷ء کا جہادِ آزادی مسلمانوں کی طرف سے ہندوستان کو مغربی تسلط سے نکالنے کی آخری کوشش تھی اور اس تحریک نے انگریز حکمرانوں پر کم از کم یہ بات ضرور واضح کر دی تھی کہ مسلمان ایسی قوم ہے جو کسی بھی حالت میں غیروں کی غلامی پر قانع نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ اس مرحلے پر انگریز نے اپنی پالیسی میں تبدیلی پیدا کی اور وہی انگریز جس نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہا کر اور سینکڑوں کو تختۂ دار پر کھینچوا کر ہندوستان میں اپنے پنجے جمائے تھے، اب ہندوستانی عوام کا خیر خواہ بن کر اُن کے سامنے آیا مقصد یہ تھا کہ جو قوم زور اور زبردستی سے قابو میں نہیں آسکی اس کے ذہن کو رفتہ رفتہ ایسا بدلا جائے کہ وہ ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنے وجود کو فراموش کر بیٹھے۔ وہ اپنی دینی روایات تہذیبی اقدار اور تابناک ماضی سے دھیرے دھیرے بے خبری ہوتی چلی جائے یہاں تک کہ ایک عرصے کے بعد اسے یہ یاد ہی نہ رہے۔

وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

اس مقصد کے لئے سب سے زیادہ مؤثر حربہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی نظامِ تعلیم میں کچھ ایسی انقلابی تبدیلیاں لائی جائیں جن کے ذریعے ان کے ذہنوں پر مغرب کی ہمہ جہتی بالا دستی کا سکہ بٹھایا جا سکے اور وہ اس بالا دستی سے مرعوب ہو کر اپنے ذہن سے سوچنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔ چنانچہ لارڈ میکالے نے ہندوستانی باشندوں کے لئے ایک نئے مؤثر نظامِ تعلیم کی سفارش کی اور اس غرض کے لئے ایک طویل یادداشت مرتب کی جس میں اسلامی اور معاشرتی علوم کا پوری ڈھٹائی کے ساتھ مذاق اُڑایا، مسلمان علماء پر بے بنیاد الزامات لگائے اور آخر میں صاف صاف لکھا کہ

> ''ہمیں اس وقت بس ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہئے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض انجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمران ہیں۔ ایک ایسا طبقہ جو خون اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستان ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطۂ نظر سے انگریز''۔

مسلمانوں کو ذہنی طور پر مفلوج کر کے انہیں ہمیشہ کے لئے انگریز کا غلام بنا دینے کی یہ سازش درحقیقت ہندوستان پر اپنے اس اقتدار کو سنبھالا دینے کے لئے تیار کی گئی تھی جو آزادی کی مختلف تحریکوں کی بناء پر ہر وقت ڈانواڈول رہتا تھا اور جس کی حفاظت کے لئے توپ و تفنگ کی طاقتیں ناکام ہو چکی تھیں۔ اکبر الٰہ آبادی مرحوم نے ایک چھوٹے سے شعر میں اس سنگین انگریز سازش کو بڑے بلیغ انداز میں بیان کیا ہے فرماتے ہیں ؎

توپ کھسکی، پروفیسر آئے جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے

لیکن مسلمانوں میں سے اہلِ بصیرت علماء اس خطرناک سازش کے دوررس اثرات سے غافل نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر اس مرحلے پر مسلمانوں کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے کوئی مؤثر قدم نہ اٹھایا گیا تو کچھ عرصے کے بعد یہ قوم ایک علیحدہ قوم کی حیثیت سے اپنا وجود ہی کھو بیٹھے گی اور چند نسلوں کے بعد ان میں شاید یہ بات جاننے والا بھی کوئی نہ رہے کہ اسلام کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں؟

اب تک اس دور کے اہلِ بصیرت علماء اس کوشش میں مصروف تھے کہ ہندوستان سے انگریز کی ساری اقتدار کو ختم کیا جائے اور اس مقصد کے لئے آزادی کی مختلف تحریکوں کے ذریعے وہ انگریزوں کے خلاف نبرد آزما ہو چکے تھے لیکن جب انگریز نے توپ و تفنگ کا راستہ چھوڑ کر خاموش مگر سنگین سازش شروع کی تو یہی علماء جنہوں نے انگریزی اقتدار کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی انہوں نے بھی

اپنی پالیسی میں تبدیلی کر کے انگریز کے براہ راست مقابلے کو چھوڑ دیا۔ نئے تعلیمی نظام کی ہلاکت آفرینوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کا ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی طرف سے خود ایسے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں جن میں وہ اسلام کو اپنی صحیح شکل وصورت کے ساتھ محفوظ رکھ سکیں۔

چنانچہ ان حضرات نے اپنی ساری توانائیاں اسی کام میں صَرف کر دیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی ؒ اور حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب ؒ، یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کے جہاد میں نمایاں حصہ لیا تھا اور یو پی کے ایک چھوٹے سے خطے میں باقاعدہ اسلامی حکومت بھی قائم کر لی تھی اور اسی کے صلے میں انہیں عرصۂ دراز تک حکومت کا سخت معتوب بھی رہنا پڑا لیکن جب تعلیمی نظام کا یہ منصوبہ سامنے آیا تو ان حضرات نے دیو بند کے مقام پر ایک دینی درس گاہ کی بنیاد ڈالی اور اسی درس گاہ کا نام آج ''دارالعلوم دیو بند'' ہے۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں کسی دینی درسگاہ کو قائم کرنا نت نئے مصائب کو دعوت دینے کے مرادف تھا۔ دہلی میں جہاں سلطان محمد تغلق کے دور میں ایک ہزار مدارس قائم تھے انگریزی تسلط کے بعد ایک بھی مدرسہ باقی نہ رہا تھا، علماء بھی جہاد میں حصہ لینے کے جرم میں یا پھانسی پر چڑھا دیئے گئے تھے یا انہیں کالا پانی بھیج دیا گیا تھا۔ باقی ماندہ حضرات منتشر اور اپنے اپنے حالات میں گرفتار تھے اسی لئے ان حضرات نے اس درسگاہ کے لئے کسی شہر کے بجائے قصبۂ دیو بند کو پسند کیا اور کچھ علماء جمع کر کے اس سلسلہ خیر کا آغاز کر دیا۔

اس درسگاہ کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی علوم کو مٹانے کی جو کوشش لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم کے ذریعہ کی جارہی ہے اسے ناکام بنا کر اسلامی علوم کی ٹھیک ٹھیک حفاظت کی جائے اور ایسے جاں نثار علماء کی ایک کھیپ تیار کر دی جائے جو سخت سے سخت حالات میں دین کو نہ صرف محفوظ رکھ سکیں بلکہ اسے دوسروں تک پھیلا اور پہنچا سکیں اور اس طرح عام مسلمان الحاد اور بے دینی کے ان فتنوں سے باخبر ہو سکیں جو مغربی طرزِ فکر اپنے ساتھ لائے گا تاکہ جب کبھی مسلمانوں کو مغرب کے سیاسی اقتدار سے آزادی نصیب ہو تو انہیں اسلامی نظامِ زندگی قائم کرنے کے لئے اسلام کی ہدایات جوں کی توں محفوظ مل جائیں اور وہ ان کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

چنانچہ مورخہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء کو نہایت سادگی کے ساتھ اس عظیم دینی درسگاہ کا آغاز کیا گیا اس درسگاہ کے بانیوں کا مقصد چونکہ دین کی پرخلوص خدمت تھی اس لئے اس

کے قیام کے لئے نہ اخبار واشتہار کا اہتمام ہوا نہ اس مقصد کے لئے کوئی باضابطہ بورڈ قائم کیا گیا اور نہ ہی شہرت اور نام ونمود کے دوسرے طریقے اختیار کئے گئے۔ بس اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے دیوبند کے چھوٹے سے قصبے کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتّہ کی مسجد کہتے تھے ایک انار کے درخت کے نیچے آبِ حیات کا یہ چشمہ جاری کر دیا۔ اس عظیم الشان تعلیمی منصوبہ کو عملاً شروع کرنے والے صرف دو افراد تھے، ایک استاد ایک شاگرد دونوں کا نام محمود تھا۔ استاد حضرت ملا محمود دیوبندی تھے جنہیں مدرس کی حیثیت میں میرٹھ سے بلایا گیا تھا اور شاگرد دیوبند کے ایک نوجوان محمود الحسن تھے جو بعد میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے معروف ہوئے اور جنہوں نے اپنی ریشمی رومال کی تحریک کے ذریعے انگریز حکومت کے ایوانوں میں زلزلہ ڈال دیا۔

دارالعلوم دیوبندی خدمات اور خصوصیات

دارالعلوم کی ابتداء ایک انار کے درخت کے سائے میں ہوئی تھی۔ کسے معلوم تھا کہ یہ دو افراد جو اتنی مسکنت اور گمنامی کے ساتھ یہاں ایک چشمۂ فیض جاری کر رہے ہیں بالآخر برصغیر کی تاریخ کا رُخ موڑ کر رکھ دیں گے لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ اسی سادہ درسگاہ سے علم وفضل کے ایسے ایسے آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے جنہوں نے ایک دنیا کو جگمگا کر رکھ دیا۔ درس گاہیں دنیا میں بہت سی قائم ہوئیں ہیں درسگاہوں کا بھی کسی دور میں فقدان نہیں ہوا لیکن اللہ نے دارالعلوم دیوبند کو جو فضیلت اور جو امتیاز بخشا بہت کم علمی اداروں کے حصے میں آتا ہے۔ یہاں مجھے مختصراً اسی امتیاز کو واضح کرنا ہے۔

دارالعلوم کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محض ایک درس گاہ نہیں ایک خاص نظریئے اور ایک خاص طرزِ عمل کا نام ہے جو کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ اس درس گاہ کی بنیاد ہی چونکہ اس لئے رکھی گئی تھی کہ اس کے ذریعے اسلام اور اسلامی علوم کو اپنی صحیح شکل وصورت میں محفوظ رکھا جائے اس لئے اس کا مسلک یہ رہا ہے کہ دین صرف کتابی حروف ونقوش کا نام نہیں ہے اور نہ دین محض کتابوں سے سمجھا جا سکتا ہے اللہ نے ہمیشہ کتاب کے ساتھ رسول کو اس لئے بھیجا ہے کہ وہ اپنے عمل سے کتاب کی تفسیر کرے۔ چنانچہ ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ دنیا میں رسول بھیجے گئے مگر کتاب نہیں آئی لیکن ایسی مثال ایک بھی نہیں ہے کہ صرف کتاب بھیج دی گئی ہو اور اس کے ساتھ رسول کوئی نہ آیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت بتاتی ہے کہ دین کو سمجھنے سمجھانے اور پھیلانے پہنچانے کا راستہ صرف کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ وہ اشخاص بھی ہیں جو کتاب کا عملی پیکر بن کر اس کی تفسیر وتشریح کرتے ہیں۔

لہٰذا دین کو سمجھنے کے لئے کتاب اللہ اور رجال اللہ لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں سے ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کو آنحضرت ﷺ کی تفسیر وتشریح کی روشنی میں اور سنت رسول اللہ ﷺ کو صحابہ وتابعین اور دوسرے بزرگانِ دین کی روشنی میں ہی ٹھیک ٹھیک سمجھا جاسکتا ہے اس کے بغیر دین کی تعبیر وتشریح کی ہر کوشش گمراہی کی طرف جا سکتی ہے۔

مراتب کا فرق ضرور ہے جو مقام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ کسی نبی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ جو مرتبہ ایک نبی کا ہے وہ کسی صحابی کا نہیں ہوسکتا اور جو درجہ ایک صحابی کو حاصل ہے کوئی بڑے سے بڑا ولی اس درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ بس فرق مراتب کے ساتھ دین کے ان سرچشموں میں سے ہر ایک کے حقوق وحدود کی رعایت دارالعلوم دیوبند کا وہ خصوصی مزاج ہے جس نے اسے دوسرے اداروں سے امتیاز عطا کیا ہے اور جس کی بناء پر اس امسلک مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ایک ایسی راہ اعتدال کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی ہے اور افراط وتفریط سے بچتی ہوئی انسان کو رضائے الٰہی جب دارالعلوم کا اساسی نظریہ یہ ٹھہرا کہ دین کتاب اللہ اور رجال اللہ کے مجموعے کا نام ہے۔

یہیں سے اس کا ایک دوسرا عملی امتیاز ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ کہ دارالعلوم اپنے عہد شباب میں محض ایک علمی درس گاہ نہیں تھی، جس میں طلبا کو صرف کتابوں کے حروف ونقوش اور صرف علم کا ظاہری خول دیا جاتا ہو، بلکہ ساتھ ساتھ ایک عملی تربیت گاہ بھی تھی، جہاں علم کے ظاہری بدن میں عمل صالح اور اخلاق فاصلہ کی روح بھری جاتی تھی، یہاں سے فارغ ہو کر نکلنے والے صرف ظاہری علوم ہی سے آراستہ نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عملی اعتبار سے بھی سچے اور پکے مسلمان ہوتے تھے، جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا، جن کی ہر ہر نقل وحرکت اسلام کی نمائندگی کرتی تھی۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ دارالعلوم کے قرن اوّل کے طلبا میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا ہے، جب اسکے ایک چپراسی سے لے کر صدر مدرس اور مہتمم تک ہر ہر شخص صاحب نسبت ولی کامل تھا، دن کے وقت یہاں علوم وفنون کے چرچے ہوتے اور رات کے وقت اس کا گوشہ گوشہ اللہ کے ذکر اور تلاوتِ قرآن سے گونجتا تھا،

چنانچہ اس دور میں جو شخصیتیں دارالعلوم دیوبند سے تیار ہوئیں، انہوں نے عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، سیاست اور اجتماعی امور میں ایسے ایسے تابناک کردار پیش کئے ہیں کہ آج اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ان میں سے ہر شخص اسلام کی مجسم تبلیغ تھا، وہ جہاں بیٹھ گیا ایک جہان کو سچا مسلمان بنا کر اُٹھا، علم اگر روح عمل سے خالی ہو تو عموماً انسان میں خود پسندی اور پندار پیدا کردیتا ہے

لیکن دارالعلوم دیوبند کا علم چونکہ روکھا پھیکا علم نہ تھا، بلکہ اس میں اخلاق وعمل اور عشق ومحبت کا سوز وساز بھی شامل تھا۔

اس کی تیسری خصوصیت یہ رہی کہ اس کا پورا ماحول تواضع اور سادگی اور بے تکلفی کا ماحول تھا۔ وہاں ہر شخص علم وعمل کا آفتاب ہونے کے باوجود عبدیت اور تواضع کا پیکر تھا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار استغناء اور خودداری کے حامل تھے اور دوسرے طرف فروتنی خاکساری اور ایثار وزہد کے جذبات سے معمور۔

دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہر علم وفن میں یکتائے روزگار تھے۔ ان کی تصانیف آج بھی ان کے علوم کی شاہد ہیں۔ لیکن ان کی سادگی کا عالم یہ تھا کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے، دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنھوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم وعمل وفضل کا لوہا منوایا ہے۔ دارالعلوم کے سب سے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ہیں، جو بانیانِ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہم سبق اور ہر کام میں رفیق، حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ اور استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلیؒ کے صاحبزادے تھے۔ مزاج شاہانہ مگر سادگی کا عالم یہ تھا کہ بعض وقت کمر بند نہ ملا تو رسی سے کام لے لیا۔ تمام علوم وفنون اور بعض صفتوں میں بھی اللہ نے ان کو کمال بخشا تھا صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔

حضرت مولانا سید احمد دہلویؒ دارالعلوم کے قرن اوّل کے اساتذہ میں سے تھے اور فلسفہ، ریاضی ہیئت اور دیگر عقلی علوم میں اس وقت اُن کا ثانی نہیں تھا، انہوں نے ساری عمر دیوبند کے قصبے میں گزاری اور اس حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے کہ دیوبند میں ان کی ذاتی جائداد کجا رہنے کا مکان بھی اپنا نہیں تھا، حضرت ملاّ محمود صاحب جن سے دارالعلوم کی ابتداء ہوئی، دیوبند کے زمیندار بھی تھے مگر کوئی وقت علمی خدمت سے خالی نہیں۔ میرے والد محترم نے ایک بڑی کتاب اُن سے صرف اس وقت میں پڑھی ہے جب کہ وہ گھر سے گوشت ترکاری لینے کے لئے بازار جاتے تھے، تو شاگرد ساتھ ہوتے۔ یہ سبق اسی طرح پورا ہوا، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ جو مدرسے کے پہلے طالب علم تھے اور بعد میں علم اور سیاست دونوں میدانوں میں عالم گیر شہرت حاصل کی، جب وہ دارالعلوم کے صدر مدرس ہوئے تو انہیں صرف ”بڑے مولوی صاحب“ کہا جاتا تھا تعظیمی القاب کے تکلف بعد میں پیدا ہوئے۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے پہلے مفتی اعظم تھے لیکن مجھے ذاتی طور پر علم ہے کہ وہ محلے کی بیواؤں یتیموں اور بے کس افراد کا سودا سلف خود اپنے ہاتھوں سے لاکر انہیں پہنچایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ (جو حضرت میاں صاب کے نام سے معروف ہیں) حدیث کے اونچے درجے کے اساتذہ میں سے تھے۔ لیکن آخر تک ایک کچے مکان میں مقیم رہے اور صرف اس لئے پختہ مکان نہیں بنوایا کہ محلّہ غریبوں کا تھا، اور جب تک سب کے مکان پختہ نہ بن جائیں۔ اپنا مکان پختہ کرانے کو دل نہیں مانتا تھا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنھیں آج دنیا اسی صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے اور جنھوں نے ایک ہزار سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں، ایک امیر گھرانے کے چشم وچراغ تھے لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اس طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے میں اوقات کے نظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جاسکتا تھا زمانہ امتحان ہو یا عام تعلیم کا، ہمیشہ عشاء کے بعد سوجاتے اور آخر شب میں تہجد کے لئے بیدار ہوتے، اس معمول میں کبھی فرق نہیں آیا۔

اس علمی ادارے کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اپنے مسلک اعتدال کی طرف دعوت اور دوسروں پر تنقید کے سلسلے میں پیغمبرانہ اسلوب تبلیغ اختیار کیا، جس میں مخالفت کو زیر کرنے کے بجائے اس کی دینی خیر خواہی کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے حق کے معاملے میں مداہنت کو کبھی گوارا نہ کیا اور جس بات کو حق سمجھا اس کا برملا اظہار بھی کیا لیکن اس اظہار میں حکمت اور نرمی کا پہلو ہمیشہ مدنظر رکھا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا اصل مقصد چونکہ دین کی حفاظت تھا اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہ ہوسکتا تھا جب تک ایک جماعت دوسرے ہر کام کو چھوڑ کر صرف اسی کی نہ ہو رہے اس لئے انھوں نے دنیوی مناصب اور عہدوں سے قطع نظر کرکے اور خود پیٹ پر پتھر باندھ کر اس خدمت کو انجام دیا لیکن عام مسلمانوں کی مادی ترقی کی فکر بھی انہیں ہمیشہ دامن گیر رہی۔ انھوں نے ہر اس پر خلوص تحریک کے ساتھ مقدور بھر تعاون کیا جو دین کو محفوظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی اجتماعی فلاح اور مادی ترقی کا مقصد لے کر آگے بڑھی ہاں جس جگہ مادی ترقی کے شوق میں انہیں دین پامال ہوتا نظر آیا وہاں وہ دین کی حفاظت کے لئے سید سکندر بن گئے۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دو سو سال تک انگریز اور ہندو کی دوہری چکی میں پسنے کے باوجود اللہ کے فضل وکرم سے آج دین اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہے۔ برصغیر میں دین کو

سمجھنے والے اس کی دعوت دینے والے اور اس پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے موجود ہیں اور عام مسلمان بھی مغربی افکار کے بے پناہ سیلاب کے باوجود نظری طور پر آج بھی مسلمان ہیں اور اسلام پر فخر کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں، اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصہ میں آئی ہیں۔ شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ جنھوں نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم میں درس حدیث وغیرہ کی خدمات انجام دیں، اس کے ساتھ ہی اصلاح وتربیت کا بڑا اسلسلہ قائم فرمایا، ہزاروں علماء صلحاء اور مشائخ طریقت کی سورت میں ہندوستان بیرون ہندوستان میں پھیلا۔

آخر عمر میں اہلِ یورپ کے متحدہ محاذ کے ذریعے ترکی اسلامی خلافت کے زوال کے وقت جذبۂ جہاد غالب آیا تو ہندوستان کو انگریزی تسلط سے آزاد کر کے اسلامی سلطنت بنانے کے لئے وہ بے مثال کارنامے انجام دیئے کہ انگریز بھی حیرت میں رہ گئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جو دارالعلوم کے فضلاء میں ایک بینظیر شخصیت ہیں دین اور علمِ دین کی خدمات کے جتنے شعبے ہیں سب میں آپ کے آثر بے شمار ہیں۔ ایک ہزار سے زائد آپ کی وہ مقبول تصانیف ہیں جن سے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا آپ کے سلسلۂ ارشاد سے بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی بنی اور سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ جو حضرت شیخ الہند کے اخص تلامذہ میں سے ہیں جو دارالعلوم میں تعلیم سے فراغت پا کر تزکیۂ نفس کے لئے چند سال حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کی خدمت میں رہے۔ بالآخران کے خلیفہ مجاز ہوئے اور اٹھارہ سال تک مدینہ منورہ مسجدِ نبوی میں علوم قرآن وحدیث کا درس دیا پھر اپنے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ جہادِ آزادی میں شرکت فرما کر چار سال مالٹا جیل میں آپ کے ساتھ رہے پھر رہائی کے بعد بھی اسی مشن کی تکمیل میں جدوجہد کرتے رہے اور آخر میں ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ ۳۲ سال دارالعلوم کے صدر مدرس اور ناظمِ تعلیمات کی حیثیت سے علمی خدمات انجام دیتے ہوئے دارالعلوم ہی میں وفات پائی۔

نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون میں ایک بے نظیر جامع عالم بنا دیا تھا خصوصاً حدیث میں تو اپنے زمانے کے زہری اور حافظ ابن حجر سمجھے جاتے تھے آپ کا درسِ علوم معارف کا خزانہ ہوتا تھا۔

قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوتا تھا اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحب بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال حسبِ معمول جلسے میں تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا ایک صبح نمازِ فجر کے وقت میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت اندھیرے میں سر پکڑے بہت مغموم بیٹھے ہیں۔ میں نے پوچھا ''حضرت! کیسا مزاج ہے؟'' کہا ''ہاں! ٹھیک ہی ہے۔ میاں مزاج کیا پوچھتے ہو؟ عمر ضائع کر دی''۔

میں نے عرض کیا ''حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت اور دین کی اشاعت میں گذری ہے آپ کے ہزاروں شاگرد علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی؟'' فرمایا ''میں تم سے صحیح کہتا ہوں ،عمر ضائع کر دی''۔ میں نے عرض کیا ''حضرت بات کیا ہے؟''۔

فرمایا ''ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدو کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے ائمہ پر آپ کے مسلک کی فوقیت ثابت کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی، ابو حنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں؟ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور ہم امام شافعیؒ ، مالکؒ اور احمدؒ بن حنبل اور دوسرے مسلک کے فقہاء کے مقابلے میں جو ترجیح قائم کرتے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطا۔ لہٰذا اجتہادی مسائل کا صرف اس دنیا میں فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ دنیا میں، ہم تمام تر تحقیق و کاوش کے بعد زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح ہے اور وہ بھی صحیح ہے یا یہ کہ یہ صحیح ہے لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطاء ہو اور وہ خطاء ہے، اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو۔ دنیا میں تو یہ ہے ہی، قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا۔ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی۔

اللہ تعالیٰ شافعی کو رسوا کرے گا نہ ابو حنیفہ کو، مالک کو رسوا کرے گا نہ احمد بن حنبل کو۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے

نورِ ہدایت چارسو پھیلا دیا ہے جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا کہ وہاں میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے کہ ابوحنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس۔

تو جس چیز کو دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں اور نہ محشر میں اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی ضروریات جو سبھی کے نزدیک اہم تھیں جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے جن کی دعوت کو عام کرنے کو ہمیں حکم دیا گیا تھا اور جن منکرات کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج وہ دعوت تو نہیں دی جا رہی۔ آج ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اور اپنے اور اغیار ان کے چہروں کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا، پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آ رہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے اور حلال و حرام کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوتے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے آخر میں فرمایا، یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی۔

حق تعالیٰ ہمارے ان اکابر کی قبروں پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائیں۔ آمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی توحید

توحیدِ اسلام کی یکتائی

توحید کی تعلیمات میں اسلام ایک امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ قرآن میں ارشادِ باری ہے:

وما من الہ الا اللہ الواحد القھار اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القھار ؕ

''ایک اور تنہا واحد و غالب اللہ کے سوا اور کوئی معبود قابلِ پرستش نہیں۔ اس نے تمام چیزیں پیدا کیں اور وہی علتِ العلل اور یکتا ہے''۔

اگر نظرِ غائر سے دیکھا جائے اور فلسفہ کی روشنی میں نگاہ اٹھائی جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پوری کی پوری کائنات عالم منظّم و منضبط نظر آئے گی۔ کوئی نتیجہ بغیر عمل کے اور کوئی معلول بغیر علت کے نظر نہ آئے گا۔ دھواں اُڑتا نظر آئے گا تو دیکھنے والا فوراً سمجھ جائے گا کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے، کہیں خون گرا نظر آئے گا تو معاً خیال گذرے گا کہ یہاں کوئی حادثہ گزرا ہے۔ کبھی کسی نے چراغ کو خود بخود روشن ہوتے اور بارش کو بے بادل کے برستے نہیں دیکھا۔

جب ہم سبب کا کوئی نتیجہ اور ہر علت کا کوئی معمولی مشاہدہ کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم فلسفہ ہی کی رو سے آگے بڑھتے اور کھوج لگاتے ہوئے علت العلل تک پہنچ جائیں۔ ہر کل کا کوئی جزو ہوتا ہے تو ہر جزو کا کل ہونا بھی لازمی ہے اور وہی خدا ہے۔ ہر فلسفی سلسلۂ علت میں گزرتا ہوا ایک ایسی علت میں پہنچ جاتا ہے جس کے آگے اسے کوئی علت نظر نہیں آتی اور وہ مادہ کے متعلق کہہ اٹھتا ہے کہ یہ کسی کا معلول نہیں اور اسی سے خود بخود ساری دنیا پیدا ہوگئی ہے۔

اس ٹھوکر کی وجہ یہ ہے کہ وہ الہامی علم کو چھوڑ دیتا ہے کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ فیثا غورث، بقراط، افلاطون، ارسطو، ابن رشد، ابن ماجہ، کانٹ، مل، اسپنسر جو لکھ گئے اسے تو صحیح سمجھ لیا جائے اور جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم ﷺ فرما گئے، اسے باور نہ کیا جائے۔

جس طرح اول الذکر جماعت کے پیروؤں کی جماعتیں وقتاً فوقتاً قائم ہوتی رہیں، اسی طرح مؤخر الذکر جماعت کے پیرو بھی بتعداد کثیر دنیا میں پھیلے اور اس فراوانی کے ساتھ پھیلے کہ اول الذکر جماعت کے پیرو اس کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت نظر آتے ہیں بلکہ اس جماعت میں بڑی بڑی قابلیتوں، عظمتوں اور سطوتوں کے پیرو نظر آئے اور اب تک آ رہے ہیں۔

ہم تسلیم کئے لیتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں بلکہ ہر شخص مؤخر الذکر جماعت کی تعلیمات کو باور کرنے پر مجبور ہو مگر یہی چیز اول الذکر جماعت کے متعلق بھی کہی جا سکتی ہے۔ جس عقل سے وہ بہرہ مند تھی یہ بھی اس سے بیگانہ نہ تھی۔ تاہم مؤخر الذکر جماعت کی اتنی فضیلت تو بروئے عقل تسلیم ہی کرنی پڑے گی کہ اول الذکر جماعت سے بھی آگے بڑھی اور اس نے اول الذکر کی قائم کی ہوئی علت العلل مادہ کو بھی معلول قرار دے کر علت العلل خدا کو قرار دیا۔ سلسلہ ہائے علت کے سمجھنے کے لئے بھی علم کی ضرورت تھی اور اس علم میں قدیم فلسفیوں کے علم سے مدد لی گئی۔

اسی طرح تعلیماتِ نبوت کو بھی سامنے رکھا جانا ضروری تھا کیونکہ اس اعتبار سے وہ زیادہ اہم تھی کہ وہ فلاسفران قدیم سے آگے بڑھی ہوئی تھی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فلسفہ میں جو قدم بڑھتا ہے وہ تعلیماتِ نبوت کے متعلق بے سوچے سمجھے یہ رائے قائم کر کے بڑھتا ہے کہ اسے عقل سے کوئی تعلق نہیں۔

توحید کے عقلی دلائل

کم از کم اسلام کے متعلق تو حتمی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر قدم پر عقل کو مخاطب کرتا چلا جاتا ہے۔

ام خلقوا من غیر شئی ام ھم الخالقون ام خلقوا السمٰوات والارض بل لا یوقنون ۝

”کیا یہ لوگ جو خالقِ قدیر کی خلاقیت ووحدانیت سے منکر ہیں کسی کے پیدا کئے بغیر آپ ہی آپ پیدا ہو گئے یا اپنے خالق یہ آپ ہی ہیں یا ان آسمانوں اور زمین کو خود انہوں نے ہی پیدا کیا ہے“۔

یہ کوئی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ خود عمداً اللہ تعالیٰ پر یقین ہی نہیں کرنا چاہتے۔ کتنی رسا اور مدلل بات کہی گئی ہے اور وہ بھی استفہامی لہجہ میں تین سوالات کئے گئے ہیں جن میں سے ایک کا جواب بھی اثبات میں نہیں ہو سکتا۔ مشاہدہ تو یہی ہے کہ ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں اور جب اپنا پیدا ہونا مشاہدہ میں ہے تو زمین اور آسمانوں کے متعلق کون کہہ سکتا ہے کہ یہ آپ ہی آپ پیدا ہو گئے ہوں گے۔ تنہا توحید

کے لئے یقیناً یہی ایک آیت دفتر کے برابر ہے لیکن وہ اندھا دھند تسلیم نہیں کراتا، فرماتا ہے:

وایة لهم الیل نسلخ منه النهار فاذاهم مظلمون والشمس تجری لمستقر لها ذلک تقدیر العزیز العلیم

''بندوں کے سمجھنے کے لئے ہماری قدرت کی ایک دلیل ونشانی رات ہے کہ ہم اس میں سے دن کو کھینچ کر نکال لیتے ہیں اور یہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں پھر سورج کو دیکھو کہ وہ کس نظم وضبط کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں ہے۔ یہ سب نظام خدا ہی کا قائم کیا ہوا ہے''۔

چاند پر غور کرو کس طرح گھٹتا بڑھتا ہے۔ ایسا انتظام قائم کر دیا ہے کہ نہ آفتاب چاند سے ٹکرا سکتا ہے اور نہ دن کے پورا ہونے سے پیشتر رات ہی آسکتی ہے، سب اپنے اپنے دائرہ میں گھوم رہے ہیں۔ سورۂ لقمان کی ایک آیت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ اللہ ہی نے سورج اور چاند کو مطیع بنا رکھا ہے اور دونوں ایک مقررہ وقت تک اسی طرح مصروف پیکار رہیں گے۔

فرمایئے کون کہہ سکتا ہے کہ ایک بے حس مادہ نے سورج اور چاند کو پیدا بھی کیا اور اتنی مرتب صورت بھی دے دی۔ یہ سب دلائل ہیں اور قرآن قدم قدم پر دلائل پیش کر کے اللہ کے وجود کو ثابت کر رہا ہے۔ ادنیٰ خرد وعقل کا آدمی بھی ایک بڑے سے بڑے فلسفہ سے یہ سوال کر کے اسے ساکت کر سکتا ہے کہ جب ہم خود آپ ہی آپ پیدا نہیں ہوئے تو یہ کائنات کیوں کر آپ ہی آپ پیدا ہو سکتی ہے اور ایک بے جان مادہ جانداروں کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے۔

اشیائے عالم کی صنعت

دنیا کی ہر چیز، ہر درخت، ہر جانور، ایک نظم، خاص خصوصیت اور خاص صنعت کا پیکر ہے۔ مچھلیاں آبی جانور ہیں ان کے جسم تیرنے کے لئے موزوں بنائے گئے ہیں، شیر کو چیر پھاڑنے کے لئے دانت اور پنجے دے دیئے، پرندوں کے اُڑنے کے لئے پَر عطا کر دیئے، ہڈیاں سبک بنائیں، نباتات و جمادات میں بھی یہی صورت نمودار ہے۔ ہرن کھری مصفی خون ہے، لکرووند جرم کو مارتا ہے، اوندھا ہولی اورام وقروح کو نافع ہے، ہجودست بند کرتی ہے۔ یہ کیا بے حقیقت کوڑے میں پڑی ہوئی ہوں، پرانی دیواروں میں لگا ہوا کوئلہ اور تتلیوں کا چھتہ کبوتر اور مرغی کی بیٹ تک اپنے اپنے اندر وہ طبّی خواص رکھتی ہے جنہیں دیکھتے اور معلوم کرتے ہی انسان پر حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ عقل باور کر سکتی ہے کہ یہ تاثیرات اور یہ اسرار جداگانہ بے ادراک مادہ نے پیدا کر دیئے، ہرگز نہیں۔ قرآن اسے بھی بطور دلیل پیش کرتا ہے :

سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسویٰ والذی قدر فهدیٰ

''پروردگار اعلیٰ کی تسبیح بیان کرو جس نے سب کچھ پیدا کیا اور نہ صرف پیدا کیا بلکہ پیدا کرنے کے ساتھ ہی مخلوقات چرند، پرند وحیوانات کی پرورش وبقا کے الگ الگ طریق مقرر کئے اور انہیں بتا بھی دیا''۔

اس آیت پر اگر فلسفی نظر ڈالیں تو بلا سبہ سبحان اللہ کہہ اُٹھیں۔ شیر کو چیرنا پھاڑنا، مرغی کے چوزے کو انڈے سے نکلتے ہی چگنا، مچھلی کے بچے کو تیرنا، بندر کو وضع حمل کے ساتھ جر چٹا باندھنا، کتے کو زخم چاٹ چاٹ کو اچھا کرنا کس نے سکھایا، کس مادہ کس فلسفی اور کس سائنس نے سکھایا۔ یہ خیالات فطری طور پر پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب فطری مذہب کی فطری کتاب دیتی ہے۔ اللہ نے فرمایا :

ربناالذی اعطی کل شئی خلقه ثم هدی

یعنی مادہ نے نہیں پروردگار نے جس نے ہر مخلوق کو ایک خاص ساخت عطا کی اور اسے ان مقاصد خاص کے پورا کرنے کی راہ دکھائی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا۔

باری تعالیٰ کی صفات اور مذاہبِ غیر

اسلام نے تو خدا کی حقیقت وصنعت بیان کردی :

اللہ لا الہ الا ھو له الا سماء الحسنیٰ ھو اللہ الخالق الباری المصور له الا سماء الحسنیٰ

''وہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں سب اچھے نام اسی کے ہیں۔ وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا طرح طرح کی صورتیں بنانے والا ہے۔ اس کی اچھی اچھی صفات ہیں اور اچھے ہی اچھے نام ہیں ازلی ہے ابدی ہے، الہ واحد''۔

اب دیگر مذاہب کی سنئے :

عیسائیوں کا عقیدہ ہے باپ خدا، بیٹا عیسیٰ اور روح القدس تینوں غیر مخلوق ازلی وابدی اور قادر و مطلق ہیں۔ مسیح بندہ بھی ہے اور مالک بھی، آدمی بھی ہے اور خدا بھی، جو جنگل میں جلتے ہوئے درخت میں ظاہر ہوا، مسیح ہی تھا مسیح یسوع۔ مسیح کو محض خدا نہیں کہتے خدائے مجسم کہتے ہیں یعنی خدا جس میں ظاہر ہوا ہے عام طور سے عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے ان میں سے جو بات مطابق عقل ہو اس کا اندازہ خود کر لیجئے۔ پھر کوئی دلیل نہیں کوئی توجیہ نہیں اور ایک کے تین تین خدا بنا دیئے۔ عقل میں آسکتا ہے کہ

خدائے واحد وقہار کا بیٹا اور بندوں کے ہاتھوں میں پھانسی چڑھے اور وہ قدرت کے باوجود نہ بچا سکے۔ دنیا نے جسے حضرت مریم علیہا السلام کے بطنِ مبارک سے پیدا ہوتے دیکھا وہ آج خدا بن گیا۔ اسلام نے اس حقیقت پر بھی ما المسیح ابن مریم الا رسول کے الفاظ میں روشنی ڈال دی کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح مریم کے بیٹے ہیں اور رسول۔

مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا دو ہیں یزداں واہرمن۔ ایک خالقِ خیر ہے اور دوسرا خالقِ شر ہے۔ یہ بھی عقل کے خلاف ہے دنیا ہی کے اندر مشاہدہ ہے کہ کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے ملک میں بھی دو بادشاہ نہیں رہ سکتے۔ پھر اتنی بڑی سلطنت الٰہیہ میں دو خدا کیونکر قائم رہ سکتے ہیں بالخصوص جب کہ اس میں ایک خدا ہو ہی خیر کا :

لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا

''دو خدا ہوتے تو آسمان اور زمین برباد ہو کر رہ جاتے ''۔ کتنی لگتی ہوئی دلیل ہے۔ قرآن کی یہ خوبی مشاہدہ کیجئے کہ وہ توحید کے متعلق ہر قدم کے گمراہ کن عقیدہ کی بھی اس معقولیت اور اس خوبی کے ساتھ تردید کرتا چلا جاتا ہے کہ وہ تردید ہی خدا کی وحدانیت کی دلیل بن جاتی ہے۔

دونوں خدا ہیں تو ظاہر ہے کہ ان میں اپنے اپنے کام کے انجام کی پوری پوری قدرت بھی ہوگی۔ دونوں اپنے اپنے کام میں ایک دوسرے کے محتاج نہ ہونگے کہ محتاجی تسلیم کرنا تو خداوندی سے انکار کے مترادف بن جائے گی۔ اب دونوں اپنے اپنے کام پر پوری قدرت سے آمادہ ہوتے ہیں۔ خیر والا خدا بارش برسانی چاہتا ہے اور شر والا قحط ڈالنے کی خواہش رکھتا ہے۔ ایک امن چاہتا ہے اور دوسرا فساد کرانے پر آمادہ ہے۔ ایسی صورت میں جو نتیجہ مرتب ہو سکتا ہے وہ وہی ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے کہ کائنات کی بربادی اور بس !

بودھوں کا عقیدہ ہے کہ خدا سرے سے کوئی ہستی ہی نہیں رکھتا۔ آج ہر جگہ ان کے معابد میں بت ہی بت نظر آتے ہیں۔ جینیوں کی بھی یہی حالت ہے۔

یہودیوں کا عقیدہ توحید میں بڑی حد تک اسلام کے عین مطابق ہے۔ وہ وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ البتہ جزئیات اور صفات میں اختلاف ہے۔ دوسرے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق عقلی دلائل کا وہ ذخیرہ ہرگز نہیں جو ایک دہریے کو بھی اعتراف پر مجبور کر سکے۔

ہندو اور توحید بدھوں کی طرح ہندویت بھی بے شمار فرقوں پر مشتمل ہے جس کے اندر اصول اور بنیادی اختلافات موجود ہیں۔ تاہم جن فرقوں میں توحید پائی بھی جاتی ہے۔ مثلاً ایک آریہ سماجی اور

میں بھی اس کا تصور ناقص ہے۔ یجروید کے اکتیسویں ادھیا کے چھٹے منتر میں ہمیں یہ عبارت آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرستی کی اپنی کتاب کے اندر نظر آتی ہے کہ :

''یہ تمام موجودات اس ایشور کے سہارے سے اور نہایت خفیف حصہ میں جیو کے سہارے بھی قائم ہے''۔

اوّل تو موخر الذکر حصہ ہی توحید ہنود کے نقص کا شائد ہے۔ جب خدا خدا ہی ٹھہرا تو اسے کسی کے سہار کی کیا ضرورت ہے۔ خواہ وہ سہارا خفیف ہو۔ پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آریہ سماج والے توحید کا عقیدہ رکھتے اور خدا کو مانتے اور بت پرستی کو برا سمجھتے ہوئے بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ دنیا خدا کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کا منتظم ہے۔ جنت و دوزخ اور حشر و نشر کے بھی وہ مائل نہیں، اُن کے نزدیک یہ دنیا ہی جنت و دوزخ ہے۔ جو اچھے کام کرتا ہے وہ مرنے کے بعد کسی امیر گھرانے میں پیدا ہو جاتا ہے اور جو برے کام کرتا ہے وہ دکھ بھگتے اور اپنے کیئے کی سزا پانے کے لئے کسی جانور کی جون میں بھیج دیا جاتا ہے۔ اور کتے بلی وغیرہ کی شکل میں رہتا ہے۔

غور کیجئے کہ ان میں کون سی بات قرین عقل ہے خدا کا خدا ہو کر بھی کسی دوسرے کے سہارے کا محتاج ہونا موودات کا نہ بنا سکنا۔ سزائے اعمال کا نرالا اور خلاف عقل طریقہ اختیار کرنا اور حسن عمل پر دنیا ہی کے کسی امیر گھرانے میں پیدا کر دینا کہاں تک عقل سلیم کے مطابق ہے۔ بظاہر امراء کی زندگی درخشاں زندگی معلوم ہوئی ہے۔ اور اس لئے معلوم ہے کہ ہم اسے افلاس کی نشیبی سرزمین میں کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں ان کی زندگی بھی ایسی زندگی نہیں ہوتی جسے جنت کے لفظ سے معنون کیا جائے۔ ایک شخص اپنی زندگی دھیان گیان میں گزار دیتا ہے۔ لذت دنیاوی ترک کرتا ہے گناہوں اور برائیوں سے بچتا ہے اس کا صلہ اسے کیا ملا ہے کہ وہ ایک بڑے امیر گھرانے میں پیدا ہو جاتا ہے اور زیادہ سے زیادہ چالیس پچاس سال اسے آرام وعزت کے ساتھ بسر کرنے کو مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا امیروں کو دکھ نہیں ہوتا بیماریاں نہیں آتیں حوادث سے دوچار ہونا نہیں پڑتا فکر و غم کی نشتر کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں کیا نہیں ہوتا۔ یہی کوئی صلہ میں صلہ ہے۔ پھر امارت ایسی چیز ہے کہ گنہگار سے گنہگار میں اگر عزم اور حوصلہ کی قوت موجود ہے تو وہ اس بلندی پر فرش غربت سے اُٹھ کر پہنچ سکتا ہے جنت تو وہ ہے جہاں ہر قسم کا عیش بھی عیش ہو کلفت وغم اور فکر و تردد کا نام تک نہ ہو۔ پھر یہ عیش ہی عیش دوام ہو ہندوؤں کا خدا یہ نہیں کر سکتا اور اس کی قوت نہیں رکھتا تو ضرور اس کی الوہیت میں نقص باقی رہتا ہے حالانکہ اس کی ذات نقص سے بالاتر ہونی چاہئے۔

ذات باری سے اسلامیوں کی محبت

اسلام نے یہی نہیں کہ اس کی وحدانیت کو عام فہم دلائل سے ثابت کیا بلکہ اس کی تمام صفات بھی اس خوبی کے ساتھ ذہن نشین کرادیں کہ خود بخود بندوں کے قلوب میں اس کی محبت و شیفتگی کے جذبات پیدا ہوتے چلے جائیں۔

الم تعلم ان اللہ علی کل شئی قدیر الم تعلم ان اللہ له ملک السمٰوات والارض ومالکم عن دون اللہ من ولی ولا نصیر.

''کیا تمہیں معلوم نہیں کہ درحقیقت اللہ ہر چیز اور ہر کام کی پوری قدرت رکھتا ہے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں میں اور زمین میں اسی کی سلطنت ہے۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی سرپرست ہے اور نہ حامی ومددگار ہے۔یعنی وہ مالک الملک ہے کامل اقتدار والا ہے وہ کر سکتا ہے اور اس اقتدار وعظمت کے ساتھ وہ تمہارا مربی ومددگار بھی ہے''۔

بدیع السموات والارض انی یکون له ولد ولم تکن له صاحبه وخلق کل شئی وهو بکل شئی علیم ذلکم اللہ ربکم لااله الا هو خالق کل شئی فاعبدوه وهو علی کل شئی وکیل.

''اسی لئے ان آسمانوں اور زمین کو قدرت کے ساتھ پیدا کیا اس کے اولاد کیونکر ہو سکتی ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں وہ تنہا ذات ہے ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے ہر چیز کے حالات سے واقف ہے یہی اللہ ہے جو تمہیں پرورش کرتا ہے پالتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں تمام چیزوں کا خالق ہے پس اس کی عبادت کرو وہی ہر چیز کا نگہبان ہے''۔

اپنی قدرت وعظمت ظاہر کرنے کے بعد اپنی شان خلاقی پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی واضح کردیا کہ وہ پرودگار بھی ہے اور نگہبان بھی ہے۔

ام جعلوا اللہ شرکاء خلقوا کخلقه فتشابه الخلق علیهم قل اللہ خالق کل شئی وهو الواحد القهار.

''ان مشرکوں نے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں گویا کہ انھوں نے اسی کی طرح کوئی مخلوق بھی پیدا کر رکھی ہے اور اب انہیں اس کے متعلق شبہ واقع ہو گیا ہے کہ یہ کس کی پیدا کی ہوئی اس کی یا ان کی ؟ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا وہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں وہ سب پر غالب ہے''۔

کتنی صاف بات ہے واحد القہار خلاق اور نگہبان ہی نہیں ہے۔رحمٰن ورحیم بھی ہے یعنی بے مانگے اور بلا معاوضہ بھی اپنی طرف سے عطا کرتا ہے۔"وخشی الرحمٰن بالغیب" اور بندوں کی صحیح کوششوں اور سچی محنتوں کو بھی وہ ضائع نہیں ہونے دیتا اور انہیں بارآور کرتا ہے۔

ان اللہ بالناس لرؤف الرحیم

کوئی نیک ہو یا بد، یہودی ہو یا مجوسی جو محنت وکوشش کرتا ہے اپنی شان رحمیت سے اسے کامیاب کر دیتا ہے اور اپنی رحمانی شان سے بندوں کی راحت کے لئے بے طلب پہلے ہی سے ہوا، روشنی، پانی، پیڑ، چاند اور سورج پیدا کر دیئے ہیں وہ ظاہر و باطن اور اگلے اور پچھلے امور سے بخوبی واقف ہے۔

مریض ٹھیک ٹھیک علاج کراتا ہے وہ شفا دے دیتا ہے۔چلن سے چلتا ہے وہ مال دار کر دیتا ہے کھیت بوتا ہے غلہ کے انبار لگا دیتا ہے۔توبہ کرتا ہے تو معاف بھی کر دیتا ہے کہ رحیم ہے اور کبھی خوش ہو کر تخت وتاج بھی عطا کر دیتا ہے اور اس کے ہاتھ میں مٹی کو سونا بنا دیتا ہے کہ شہنشاہِ عالم ہے رحمٰن ہے۔شان ربوبیت کا بھی حامل کہ بتدریج ترقی دے کر کمال کو پہنچا دیتا ہے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کرنا اور والدین کے دل میں محبت ڈال دینا، بارش برسانا سب ربوبیت ہی کے مظہر ہیں کتنی پیاری اور کتنی کامل ومحبوب ذات ہے۔

ایک آریہ سماج ہیں کہ نہ اس کے مستقبل کے علم کے قائل ہیں اور نہ توبہ پر معاف کرنے کے نہ روح ومادہ کے پیدا کرنے کے،ظاہر ہے کہ جو ہستی ہر اعتبار اور ہر نوعیت سے ذات وصفات میں کامل ہو وہی سب کے لیے قابل پرستش ہوگی۔۔۔۔۔اور اسی سے سب محبت کریں گے اور اسی کو سب چاہیں گے اور یہ وہ ذات ہے جسے اللہ رحمٰن رحیم کہتے ہیں۔

حقیقت میں اسلام نے خدائے قدوس کو اس انداز حقیقی میں پیش کیا ہے جیسا کہ حقیقت میں وہ ہے اور اس کی محبوبیت وعظمت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے،اور سجدہ کے لئے سر خود بخود جھک جاتا ہے اور سجدہ کے قابل ہے بھی یہی ذات۔

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق
زبان اور دل کی شہادت کے لائق

رجوع الی اللہ

مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحبؒ

انسان اس دنیا میں آتا ہے تو سننے، دیکھنے، سوچنے، سمجھنے اور چلنے پھرنے اور انسانی مقدور کا ہر کام کرنے کی قوتیں، اس کے وجود میں سموئی ہوئی آتی ہیں۔ مگر وہ اس وقت ہر چیز سے خالی ہاتھ نظر آتا ہے۔ " اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئاً "۔ اللہ نے تمہیں شکم مادر سے ایسا نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے۔

پھر آہستہ آہستہ ان قوتوں کو ظہور ٹھیک اس کی ضرورتوں کے پیمانے پر ہوتا ہے۔ سب سے پہلا ہنر جو وہ سیکھتا ہے اس کا رونا ہے اسے بھوک لگتی ہے تو رو دیتا ہے اسے سردی گرمی ستاتی ہے تو رو دیتا ہے اسے کوئی دکھ درد پیش آتا ہے تو رونے لگتا ہے یہ رونا اس کا سرمایہ زندگی ہے اس کے ذریعہ اس کے سب کام نکلتے ہیں۔ قدرت سرمایہ زندگی ہے اس کے ذریعہ اس کے سب کام نکلتے ہیں۔ قدرت نے ماں اور باپ کے دلوں میں ایک غیر اختیاری تڑپ اس بے شعور کمزور بچے کی طرف ایسی لگا رکھی ہے کہ ان کے کان اس کی آواز پر لگے رہتے ہیں ان کی نگاہیں اس کے چہرے کی طرف متوجہ رہتی ہیں وہ اس کا رونا سن کر اپنی عقل اور تجربے سے اس کے رونے کا سبب دریافت کر کے اس کی بھوک، پیاس اور دکھ درد کا علاج کرتے ہیں وہ زبان سے نہیں کہتا کہ مجھے دودھ چاہئے یا سردی سے بچنے کے لئے گرم کپڑا چاہئے۔

آہستہ آہستہ وہ سننے، دیکھنے بولنے کا ہنر سیکھتا ہے پھر اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے کے بیشمار مراحل سے گزرتا ہوا اتنے ہنر سیکھ لیتا ہے جن سے اس کی موجودہ زندگی کی ضروریات وابستہ ہیں۔ اب روز بروز اس کی ضروریات بڑھتی ہیں اور اسی پیمانے پر اس کی ہوش وعقل اور شنوائی وگویائی اور میدان زندگی میں دوڑ دھوپ کی طاقتیں بڑھتی رہتی ہیں، وہ بچپن کے گہوارے سے گھر میں اور پھر کوچہ وبازار میں چلنے پھرنے لگتا ہے۔

اب اس کے ماں باپ اس کی جسمانی غذا اور نشو ونما کے سامان کے ساتھ روحانی غذا اور ذہنی نشو ونما کا سامان بھی مہیا کرتے ہیں جس کے لئے وہ تعلیم گاہوں اور استادوں کے سپرد ہوتا ہے۔

ابھی تک یہ اپنے بھلے برے کو نہیں جانتا اس کا ذہن اپنے ماضی و مستقبل سے بے نیاز ہے اس کی ساری ضرورتیں دوسروں کے کندھے پر ہیں۔

طفلی و آغوش مادر خوش بہارے بودہ است
تا بپائے خود رواں گشتیم سرگرداں شدیم

لیکن اب یہ دور ختم ہوتا ہے، ایک طرف جسمانی طاقتیں ترقی کر کے جوانی کی امنگوں میں تبدیل ہوتی ہیں، کھیل کھلونے کی جگہ زیب و زینت کی خواہش لے لیتی ہے۔ انما الحیواۃ الدنیا لھو ولعب و زینۃ۔ دنیا کی زندگی کھیل کود ہے اور زینت لیکن اس کے ساتھ عقل و ہوش کی توانائی تعلیم و تربیت کے سائے میں پروان چڑھتی ہے کچھ ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں جو اس کی آزاد خواہشات کے لئے زنجیر پا بن جاتی ہیں ؎

اسیر پنجہ عہد شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

اب یہ دیکھنے کے قابل جوان ہے، ہر علم و فن اور صنعت و ہنر کی قابلیت کا حامل ہے کھلونا اور گھروندوں کے بجائے اچھے مکان اچھے لباس، بلند سوسائٹی کی فکر ہے، پچھلے دور طفولیت میں جن چیزوں کو اپنی زندگی کا مایہ ناز سمجھتا اور اس کے حاصل ہونے پر بے حد مسرور بلکہ مغرور ہو جایا کرتا تھا اب ان چیزوں سے اس کو وحشت ہے، گھر آتا ہے ان میں مشغول ہونے والوں کی بے عقلی پر ہنستا ہے، اب اس کی مستور طاقتوں نے پَر پُرزے نکالے ہیں، اس کی دوڑ دھوپ کے لئے عرصہ زمین بھی تنگ ہو رہا ہے، وہ ہوا و فضا میں اڑتا ہے اس کو چاند اور مریخ پر پہنچنے کی فکر ہے۔

مال و دولت کی بہتات اور اقتدار کی ہوس نے وہ نشہ پلایا ہے کہ راحت و آرام جو قلبی سکون سے وابستہ ہے یہ مسکین اس کے مفہوم سے بھی نا آشنا ہو گیا ہے۔

منتشر رہنے میں پانے کے آرام حواس
شوق مجموعہ ہوش خرد افزا نہ رہا!

غرض دنیا میں پھیلا، چمکا، گرجا اور برسا، مگر جوں جوں اس میدان میں بڑھتا گیا تو اسے یہی نظر آتا گیا کہ ''ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں''۔ ہوس کا میدان بے حد و بے انتہا اور توانائی کامل مکمل ہو کر بھی محدود سارے سامان عیش و عشرت، کوٹھی، بنگلے مل اور کارخانے، بینک بیلنس اور مال و دولت کی

فراوانی سب کچھ حاصل ہے، مگر اس کے قلب کو سکون نہیں اس کی نگاہیں ھل من مزید کی فکر میں لگی ہوئی ہیں، ابھی اس مسکین کو یہ خبر نہیں کہ اس کی یہ بے پناہ پیاس کبھی بجھنے والی نہیں۔

کار دنیا کے تمام نہ کرو
انچہ گیرید مختصر گیرید

آخر اسی بھول بھلیاں میں دور شباب ختم ہونے لگتا ہے جوانی کی ترنگیں سرد ہونے لگتی ہیں۔ بیماریاں لگ جاتی ہیں، کھانا ہضم نہیں ہوتا، رات کو نیند نہیں آتی، انتہائی محبوب چیزیں اب نظروں میں مبغوض ہونے لگتی ہیں۔

ومن صحب الدنیاطو لا تقلبت علی عینه متی یری صد قها کذ با

جو شخص دنیا میں زیادہ رہا بسا تو دنیا اس کے آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے اچھے کو برا سمجھنے لگتا ہے لیکن اس کے باوجود ہوس اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی وہ عشرت کدوں کے قابل نہیں رہا مگر دل میں وہی ہوس چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔

تن پیر گشت وآرزوی دل جواں ہنوز

حکیم الحکماء ﷺ نے سچ فرمایا : **یشیب ابن آدم ویشب فیه خصلتان الحدیث**، یعنی ”انسان بوڑھا ہوجاتا ہے مگر اس کی دو خصلتیں جوان رہتی ہیں، ایک مال کی محبت دوسرے جاہ واقتدار کی خواہش“۔

اور پھر فرمایا : **ولا یملا جوف ابن آدم الا التراب** یعنی ”آدم کے بیٹے کا پیٹ قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی“۔

آں شنیدستی کہ درصحرائی غور رخت سالارے فتادہ از ستور
گفت چشم تنگ دنیا دار را یا قناعت پر کند یا خاک گور

بہرحال اب قوی کا انحطاط آگیا ہاتھ پاؤں کی طاقت جواب دے رہی ہے شنوائی اور بینائی گھٹ رہی ہے گویائی کے لئے زبان نہیں اٹھتی ؎

اگر چشم وگوش ست گر دست و پائے
زمن باز مانند یک یک بجائے

اب مال ودولت کا مصرف خلوت کدہ کا عشوہ ناز، لذیز غذائیں، رنگ برنگ کے کھانے اور ناشتے نہیں رہے بلکہ ڈاکٹر اور ان کی لیبارٹریاں رہ گئی ہیں۔

ہر عضو کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر موجود ہیں ایکسرے اور ایکسرے بین کی بہترین مشین موجود ہیں صبح شام ہر عضو کا جائزہ لیا جارہا ہے، مشرق ومغرب سے دوائیں اور غذائیں آرہی ہیں ہر ہر عضو کی سلامتی کی بے مثال تدبیریں کی جارہی ہیں۔

مگر سرکار کو چند تولے کلیجی کا پانی بھی اب ہضم نہیں ہوتا نیند نہ آنے کی شکایت ہے خواب آور گولیاں موجود ہیں مگر اب وہ کام نہیں کرتیں، احباب حشم اور خدم کا جھرمٹ بھی کھڑا ہے، ڈاکٹر بھی مشغول تدبیر ہیں مگر سرکار جس منزل کی طرف جارہے ہیں وہ قریب سے قریب تر ہوتی جارہی ہے وہ کسی مذہب مشرب سے تعلق رکھتے ہوں، کوئی نظریہ وفلسفہ رکھتے ہوں سائنس کی انتہائی معراج کو پہنچے ہوئے ہوں مگر جو منزل سامنے آرہی ہے اس سے کسی کو نہ انکار ہوسکتا ہے نہ اس سے فرار ممکن ہے آخر وقت آ گیا اور منزل بعید آ پہنچی۔

صد شکر کہ پہنچا ہے اب گور جنازہ
لو بحر محبت کا کنارہ نظر آیا

زندگی کا یہ دور بھی ختم ہوا اور اب ٹھیک اسی طرح کہ بچپن کی مرغوبات جوانی کے دور میں مضحکہ خیز نظر آتے تھے اس نئے دور میں پہنچ کر جوانی اور بڑھاپے کے سارے مرغوبات مبغوض ومتروک اور مضحکہ خیز بن گئے ہیں اور اب ایک بالکل نئے سفر کا آغاز ہے۔

ازل سے پھرتے پھرتے گور تک پہنچا ہوں مشکل سے
مسافر ہوں کہاں جانا ہے ناواقف ہوں منزل سے

یہ ہے غیر اختیاری رجوع الی اللہ!

جو ہر پیدا ہونے والے اور زمین پر چلنے والے کے لئے ناگزیر اور ناقابل انکار ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انسان سمجھے یا نہ سمجھے مانے یا نہ مانے مگر یہ حقیقت اس کے سامنے آکر رہتی ہے کہ وہ ایک دائم السفر مسافر ہے، دنیا کی ساری زندگی اسی سفر کے مراحل تھے وہ بچپن سے لے کر بڑھاپے اور موت تک ہر گھڑی اور ہر آن سفر میں تھا۔ وہ وطن میں اور اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا اس کا ہر سانس اس کے سفر کا ایک قدم تھا۔

ہے دم کی آمد رفتار اپنی سالک
طے کر رہے ہیں رستہ بیٹھے ہوئے فنا کا

وہ کھانے پینے، سونے جاگنے کے ہر حال میں اس منزل کی طرف چل رہا تھا جہاں پہنچ کر اب وہ بظاہر محوِ خواب نظر آتا ہے۔

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف
مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

ہر انسان کے لئے یہاں تک کا سفر آنکھوں سے نظر آتا ہے جس سے نہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب اقتدار بادشاہ و امیر مستثنیٰ ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا رسول پیغمبر اور یہ بھی ہر انسان کا آنکھوں دیکھا حال ہے کہ وہ جس طرح دنیا میں ہر چیز سے خالی آیا تھا اسی طرح تہی دست رخصت ہوتا ہے۔

و لقد جئتمونا فرادی کما خلقنا کم اول مرۃ و ترکتم ما خولنا کم وراء ظھورکم

''تم ہمارے پاس اکیلے ہی آئے جیسا کہ اول تمہیں اکیلا پیدا کیا تھا اور دنیا کی جو چیزیں تمہیں دی گئی تھیں وہ وہیں چھوڑ آئے''۔

اگلی منزل

واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ

''ڈرو اس دن سے جس میں تم اللہ کی طرف لوٹ کر جاؤ گے''۔

یہاں تک تو وہ ناقابلِ انکار سفر تھا جس پر دنیا کا ہر مذہب و مشرف اور ہر نظر اور فلسفہ متفق ہے مگر غور کرو تو انسان کا حال اپنے ہر دور میں یہ رہا ہے کہ وہ جس دور میں ہوتا ہے اس میں ایسا مگن رہتا ہے کہ وہ بعد میں آنے والے ہر دور سے جاہل یا بے خبر بلکہ عملاً منکر نظر آتا ہے۔ جس طرح شکم مادر میں وہ اسی جگہ کو اپنی جائے قرار اور اسی گندی غذا کو اپنی دائمی غذا سمجھ کر مطمئن اور مسرور تھا اگر وہاں اس کو بتایا جاتا کہ تجھے اتنے بڑے مکان اور زمین میں جانا ہے اور ایسی ایسی غذائیں اور ہوائیں ملنا ہے جو دنیا میں موجود ہیں تو ظاہر ہے کہ اس کے پاس ان سب چیزوں کے اقرار اور ناقابلِ تصور ہونے کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔

پھر بچپن کے دور میں جو چیزیں اس کے زیرِ استعمال رہیں اور جو اس کی ضروریاتِ زندگی تھیں اگر اس کو بتا دیا جاتا کہ آنے والے دور میں اس سے بڑا میدان اور اس سے بہتر غذائیں اور سامان

ملے گا تو وہ اس سے بھی ایسا ہی بے خبر اور منکر ہوگا جیسے شکم مادر میں اس موجودہ دور کی چیزوں سے جاہل و غافل تھا۔ اسی طرح جب وہ اس دور میں قدم رکھ کر ان تمام چیزوں سے آشنا ہوگا مگر ابھی جوانی کی خصوصیات سے بے خبر ہے اس وقت اس کو اگر کوئی اگلے دور میں ملنے والی عیش وعشرت اور حسن و جمال کے کرشمے اس کو پیش کرے تو وہ ان کو بھی سمجھنے اور ماننے سے ایسا ہی قاصر ہوگا جیسے پچھلے ہر دور میں اگلے دور کی چیزوں سے رہتا چلا آیا ہے لیکن جب وہ دور اپنے ساز وسامان کے ساتھ اپنے سامنے آ گیا تو سب چیزوں کا یقین آ جاتا ہے۔

اب زندگی کے یہ سارے دور ختم ہو کر بڑھاپے اور موت کے بعد کیا ہونا ہے۔ مٹی ہو کر معاملہ ختم ہو گیا یا آگے بھی کچھ اور ہے؟ اس وقت یہ سوال جس شخص کے سامنے ہے وہ کوئی شیر خوار بچہ نہیں کوئی کھیل کھلونوں میں بسر کرنے والا لڑکا نہیں وہ عقل و ہوش اور علم و فضل والا دانشمند ہے۔

مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جس طرح اس کے عقل و ہوش اور علم و معلومات اور ابتداء ولادت سے تدریجی ترقی ہو کر یہاں تک پہنچے ہیں اب بھی اس کے عقل و ہوش صرف اپنے موجودہ دور ہی کی معلومات تک محدود ہیں۔ موت کے بعد آنے والے دور سے وہ اب بھی ایسے ہی بے خبر ہیں جیسے تمام پچھلے ادوار زندگی میں آنے والے دور سے بے خبر تھے اور اس کے معاملے میں اس کے عقل و ہوش اب بھی بالغ نہیں ہوئے۔

خلق اطفال اند جز مرد خدا
نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

اور موت کے بعد کا یہ آخر دور پچھلے دور سے اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ پچھلے ہر دور میں آنے والے دور سے بے خبری یا اس کا انکار اس کو آنے والے دور کی نعمتوں اور راحتوں سے محروم کرنے والا نہ تھا وہ نعمتیں اس دور میں پہنچ کر بہر حال اس کو مل جاتی تھیں مگر یہ آخری دور ایسا نہیں۔ یہ انسانی سفر کی آخری منزل یہاں پہنچ کر یا ہمیشہ کا آرام و راحت ہے یا ہمیشہ کی تکلیف و مصیبت ہے۔ اس دور کی تمام راحتیں اس سے پہلے ادوار زندگی میں کچھ کرنے پر موقوف ہیں جو اس دور زندگی سے ناآشنا یا منکر ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس کے لئے کوئی کام بھی نہ کرے اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ آنے والے دور کی نعمتوں راحتوں سے محروم ہوگا بلکہ ناقابلِ برداشت مصائب اور آلام سے سابقہ پڑے گا۔

اس لئے انسان کے پیدا کرنے والے مالک اور پالنے والے رحیم و کریم نے اس آخری منزل کے حالات سے واقفیت کرنے اور اس منزل کے لئے مفید اور مضر چیزوں سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے انبیاء بھیجے اور اپنی کتابیں نازل فرمائیں جو عہدِ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ کے عہد تک مختلف خطوں، مختلف زبانون مختلف زمانوں میں ہونے کے باوجود یک زبان ہو کر اس کے داعی بنے کہ وہ انسان کو بتائیں کہ تیرا سفر موت پر ختم نہیں ہو جاتا یہ تیری آخری منزل نہیں موت کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم آنے والا ہے جس میں دنیا کی زندگی کے ہر اچھے برے کام کا حساب ہوگا اور اس پر جزاؤ سزا ہوگی۔

اچھے اور برے کاموں کی تشریح بھی انہیں حضرات انبیاء نے کھول کھول کر بیان کر دی اور پھر قدم قدم پر انسان کو اس پر متنبہ کیا کہ وہ دنیا کی چہل پہل میں لگ کر کہیں اس آخری منزل اور آخر دن کو نہ بھول جائے ؎

ہمہ اندر زامن ترازین ست کہ تو طفلی وخانہ رنگین ست

قرآن کریم نے اس مضمون کو بار بار دہرایا۔ کہیں ارشاد فرمایا:

واتقوا یوما ترجعون فیه الی الله ثم توفی کل نفس بما کسبت وهم لا یظلمون

''اور اس دن سے ڈرو جس میں تم اللہ کے پاس واپس جاؤ گے پھر ہر انسان کو پورا پورا دیا جائے گا وہ جو اس نے کیا تھا اور ان پر ظلم نہ ہوگا''۔

اور کہیں فرمایا :

یا ایها الناس اتقوا ربکم واخشوا یوما لایجزی والد عن ولده ولا مولود هو جاز عن والده شئیا

''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس میں باپ اپنے بیٹے کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کا بدلہ بن سکے گا''۔

اور فرمایا :

ولتنظر نفس ما قدمت لغد

''اور انسان دیکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے''۔

غرض سارا قرآن کریم اس تعلیم و تلقین اور وعظ و تنبیہ سے بھرا ہوا ہے اسی طرح رسول کریم ﷺ نے اپنے ہر قول و عمل سے اسی دن کی تیاری پر آمادہ فرمایا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے :

لا تزال قدما ابن آدم حتی یسال عن خمس عن عمره فیما افناء وعن شبابه فیما ابلاه وعن ماله من این اکتسبه واین انفقه وعن علمه ماذا عمل به

''ابن آدم کے قدم اس وقت تک زائل نہ ہوں گے جب تک اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہوجائے ایک اس کی عمر کا کہ کاہے میں فنا کی اور اس کی جوانی کا کہ اسے کس چیز میں بوڑھا کیا اور اس کے مال کا کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور اس کے علم کا کہ اس پر کیا عمل کیا؟''۔

اس حدیث میں آنے والی منزل میں جو امتحان ہونے والا ہے اس کا پرچہ سوالات خود (آؤٹ) ظاہر کردیا ہے۔ بڑا محروم و بدنصیب ہے وہ شخص جو اس امتحان کی تیاری نہ کرپائے۔

اختیاری رجوع الی اللہ!

رجوع الی اللہ جو اس مقالہ کا عنوان ہے اس کا ایک پہلو تو وہ ہے جو ابھی بیان ہوا کہ کوئی انسان جانے یا نہ جانے اور مانے یا نہ مانے وہ بہرحال ہر وقت ہر آن اللہ کی طرف لوٹنے اور سفر کرنے میں مشغول ہے اور اس کا یہ سفر موت پر نہیں بلکہ قیامت کے حساب و کتاب پر ختم ہوگا۔

اس کا دوسرا پہلو جو مقالہ کا مقصود الذکر ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے موجودہ ادوارِ زندگی میں اپنے اس غیر اختیاری رجوع کو جانے اور پہچانے اور صرف بدن سے نہیں بلکہ دل سے اللہ کی طرف رجوع ہو وہ اس کا یقین کرے کہ میں ہر وقت ہر حال میں اللہ کے سامنے ہوں وہ میرے تمام کھلے اور چھپے اعمال و افعال سے میرے دل میں آنے والے خیالات سے پورا پورا واقف ہے۔

اللہ معکم اینما کنتم ''اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو''۔

سعید ہیں وہ روحیں جو اپنے غیر اختیاری رجوع الی اللہ سے اللہ جل شانہٗ کی طرف رجوع ہوں اور کسی وقت اس کی یاد سے غافل نہ ہوں کہ درحقیقت دنیا و آخرت میں قلب و روح کا سکون صرف اسی سے حاصل ہوسکتا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

''خبردار! صرف اللہ کی یاد سے ہی دلوں کا اطمینان حاصل ہوسکتا ہے''۔

سکونِ قلبِ مضطر ہے تری یاد — دواءِ دردِ دل اے چارہ گرد

رسولِ مقبول ﷺ حقانیت پر کائناتِ علم کی شہادتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نہ من برآں گل عارض غزل سرایم ولبس
کہ عندلیب توازہر طرف ہزارانند

سرورِ کائنات فخر موجودات رسول مقبول ﷺ کی رسالت ونبوت اورفوق العادت، اخلاق واعمال، آپ ﷺ کا صدق واخلاص، امانت ودیانت، حقانیت وربانیت ان چیزوں میں ہیں جس کو عقل وبصیرت بلکہ بصارت کا کوئی حصہ ملا ہے وہ اس کے روشن آفتاب سے نظر نہیں چراسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے عقلاء وحکماعوام وخواص سب ہی نے آپ ﷺ کے قدموں میں پناہ لی ہے۔ ہرقوم وجماعت کے اعلیٰ طبقہ نے آپ ﷺ کی حقانیت کی شہادت واقرار اور اپنی غلامی کے اختیار کو مایہ افتخار سمجھا ہے جس سے تاریخی عالم کے صفحات لبریز ہیں لیکن ان میں ممکن ہے کہ شیرہ چشم مخالفین یہ کہہ دیں کہ یہ ان کی رائے کی غلطی ہے، ہم تسلیم نہیں کرتے مگر حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت اور حقانیت کی شہادتیں فقط انہیں عقلاء اور افرادانسانی پر منحصر نہیں رکھی بلکہ بہت سی ایسی چیزوں سے اس کی شہادتیں عالم انسان پر واضح فرمادی ہیں جن کو انسان غیر ذی شعور اور لایعقل کہتا ہے۔

یہ شہادات درحقیقت عالمِ غیب کی شہادات ہیں ان کو رائے کی غلطی کہہ کر بھی نہیں جھٹلایا جاسکتا۔ اس وقت اس مضمون میں انہی شہادات کے چند نمونے نقل کیے جاتے ہیں۔

تنبیہ

یہ واقعات تاریخ وسیر کی معتبر کتابوں سے منقول ہیں۔ اخباری افسانے نہیں ایسے ثقہ لوگوں کی روایات ہیں کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے تو گزشتہ زمانہ کی تاریخ اور واقعات ماضیہ کے صحیح ماننے کا پھر کوئی ذریعہ باقی نہیں رہتا۔

آلاتِ گمراہی (بتوں) کی زبانوں پر کلمۂ اسلام

شان ہے تیری کبریائی کی بت حمایت کریں سچائی کی

حضرت عباسؓ بن مُرداس کے اسلام کا عجیب واقعہ

حضرت عباسؓ بن مرداس رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، اسلام سے پہلے عرب کے عام لوگوں کی طرح یہ بھی بت پرستی میں مبتلا تھے، ان کا ایک مخصوص بت تھا جس کا نام ضِمار پکارا جاتا تھا اور یہ ان کا خاندانی اور جدی معبود تھا۔ ان کے والد مرداس جب مرنے لگے تو صاحبزادہ عباس کو وصیت کی کہ بیٹا ہمیشہ ضمار کی پرستش (پوجا) کرتے رہنا اس میں غفلت نہ ہو کیونکہ تمہارے نفع نقصان کا وہی مالک ہے۔

عباسؓ اپنے والد کی وصیت کے مطابق اس کی پوجا کرنے لگے۔ ایک روز حسب عادت اس کی پرستش میں مشغول تھے کہ یکایک ضمار کے اندر سے آواز سنائی دی کان لگایا تو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

مَنْ لِلْقَبائِلِ مِنْ سُلَيْمٍ كُلِّهَا   اَوْدَىٰ ضِمَارُ وَعَاشَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ

اب بنی سلیم کے قبائل کا کون مددگار ہوگا ضمار ہلاک ہو چکا اور اہل مسجد باقی رہے

اِنَّ الَّذِیْ وَرِثَ النُّبُوَّةَ وَالْهُدیٰ   بَعْدَ بْنِ مَرْيَمَ مِنْ قُرَيْشٍ مُهْتَدٖ

بیشک ہدایت پر وہی ذات مقدس ہے جو حضرت عیسٰی بن مریمؑ کے بعد نبوت و ہدایت کی وارث ہوتی ہے

اَوْدَىٰ ضِمَارُ وَكَانَ يُعْبَدُ مُدَّةً   قَبْلَ الْكِتَابِ اِلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٖ

ضمار کی حکومت ختم ہوئی حالانکہ نبی محمد ﷺ پر کتاب نازل ہونے سے پہلے ایک مدت تک اسکی پرستش ہوتی رہی

حضرت عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس حیرت انگیز واقعہ نے میرے دل میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کا ولولہ پیدا کر دیا۔ میں نے اپنی قوم بنی حارثہ کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مدینہ پہنچ کر جب ہم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے مجھے دور سے دیکھتے ہی تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عباس تم مسلمان ہونے کے لئے کیسے آ گئے۔ میں نے سارا قصہ سنایا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ صحیح کہتے ہو، اس کے بعد ہی میں اور میری ساری قوم مشرف با اسلام ہوگئی۔ (سیرت حلیہ ۱۹۳ جلد ۱)

مازنؓ بن غضوبہ کا اسلام اور اس کا حیرت انگیز قصہ

حضرت مازنؓ بن غضوبہ ایک بلند پایہ صحابی ہیں، وہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ عمان کے قریب ایک بستی سمائل کے نام سے مشہور تھی وہاں ایک مشہور بت تھا جس کو ''بادِر'' کہا جاتا تھا، میں بھی اس کی پوجا کے لئے جایا کرتا تھا اور اس کی نظر کے لئے بکرے وغیرہ ذبح کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں وہاں پہنچا اور اس کے پاس جا کر ایک بکرا بطور نذر کے ذبح کیا، میں ابھی اس سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ اچانک بت کے اندر سے آواز آئی سنا گیا تو یہ کلمہ کہہ رہا ہے۔

اسمع تسر ظهر خير و بطن شر بعث بنی من مضر بدین الله الکبر

فدع نحيتا من حجر تسلمه من حر سقر .

''سنو خوش ہو گے ایک خیر عظیم ظاہر ہو گئی اور شر چھپ گیا قبیلہ مضر میں سے ایک نبی اللہ تعالیٰ کے سچے دین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں سو اب پتھر کے تراشے ہوئے بت کو چھوڑ دو تا کہ جہنم کے عذاب سے محفوظ رہو''۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حیرت انگیز آواز سے میں تعجب میں ضرور پڑ گیا مگر میں نے اپنے آبائی دین کو ترک نہ کیا اور برابر اس بت کی پرستش کرتا رہا یہاں تک کہ پھر ایک روز میں نے اس کے نذرانہ کے لئے ایک بکرا ذبح کیا تو پھر اس کے اندر آواز پیدا ہوئی، سنا تو یہ رجز کے اشعار پڑھ رہا تھا ۔

اقبل الی اقبل تسمع مالا تجهل

هذا نبی مرسل جاء بحق منزل

میری طرف اچھی طرح متوجہ ہو جاؤ تا کہ وہ بات سنو جس کو تم جہل کی بات نہ کہہ سکو گے

یہ نبی مرسل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین حق لے کر آئے ہیں

امن به کے تعدل عن حر نار تشعل

و قو د ها با لجند ل

تم ان پر ایمان لے آؤ تا کہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ سے

نجات پاؤ جس کے انگارے پتھر کے ہیں

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اب تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے سمجھ لیا کہ حق تعالیٰ مجھے کسی صحیح راستہ کی طرف ہدایت کرنا چاہتا ہیں، اتفاقاً انہیں ایام میں ایک شخص اہلِ حجاز میں سے ہماری بستی میں پہنچ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اپنے اطراف کی خبریں سناؤ، اس نے نقل کیا کہ ہمارے بلاد میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو کوئی اس کے پاس جاتا ہے، اس سے کہتا ہے (اجیبوا داعی اللہ) یعنی خدا کے داعی کی بات مانو۔

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سمجھ لیا کہ جو کلمات کان میں خرقِ عادت کے طور پر ڈالے گئے تھے ان کا مصداق یہی شخص ہے، میں اٹھا اور پہلے اس بت کو توڑ ڈالا اور سواری کر کے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حق تعالیٰ نے اسلام کی حقانیت پر میرا شرح صدر اور اطمینان کامل کر دیا۔ میں مشرف با اسلام ہو گیا اور یہ اشعار اسی وقت کہے۔

کسرت بادرًا جذاذ ادکام لنا
ربًّا نطیف به ضلا بضلا ل

میں نے بادر نامی (بت) کے ٹکرے ٹکرے کر دیئے حالانکہ پہلے وہ
ہمارا معبود تھا ہم گمراہی در گمراہی سے طواف کیا کرتے تھے

بالهاشمی هدانا من ضلا لتنا
ولم یکن دینهه شیئا علی بال

حق تعالیٰ نے مجھے بنی ہاشمی کے ذریعہ میری گمراہی سے نجات دی
حالانکہ ان کا مذہب کبھی میرے خیال میں بھی نہ آیا تھا

صحبتِ رسول ﷺ کا کیمیاوی اثر حضرت مازن رضی اللہ عنہ کے اخلاق واعمال پر

حضرت مازن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرف با اسلام ہوتے ہی مجھے اپنے اعمال واخلاق کی اصلاح کی فکر ہوئی اور عُرفی حیا کو بالائے طاق رکھ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں تین سخت گناہوں کا عادی ہوں۔ ایک گانا بجانا، دوسرے شراب خوری، تیسرے فاحشہ عورتوں سے تعلق۔ آپ ﷺ حق تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ بری خصلتیں مجھ سے چھوٹ جائیں، مجھ میں سچی حیا اور عفت پیدا ہو جائے اور میرے کوئی لڑکا پیدا ہو جائے۔ رسول مقبول ﷺ نے دعا فرمائی کہ :

''یا اللہ ان کو گانے بجانے کے بجائے تلاوت قرآن کی اور حرام کے بجائے حلال کی اور شراب کے بجائے ایک شربت کی عادت ڈال دے جس میں کوئی گناہ نہ ہو اور ان کو زنا کے بجائے عفت کی توفیق دے اور اولاد صالح عطا فرما''۔

حضرت مازن ؓ فرماتے ہیں کہ اس دعا کی مقبولیت چند ہی روز میں، مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی کہ میں نے نصف قرآن حفظ کرلیا اور یہ تمام ناپاک عادتیں مجھ سے چھوٹ گئیں ہماری بستی قحط زدہ تھی، سرسبز ہوگئی اور میں نے چار عورتوں سے نکاح کیا اور حق تعالیٰ نے مجھے حیان (جیسا صالح) لڑکا عطا فرمایا۔ اس کی خوشی میں حضرت مازن ؓ نے ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

اِلَیکَ رَسُولَ اللہِ حَنَّتْ مَطِیَّتِی
تَجُرُبُ الفَیَانِی مِنْ عُمکٍ اِلی العرج

یارسول اللہ! میری سواری نے آپ ہی کی طرف اس طرح مشتاقانہ رخ کیا
کہ عمان سے عرج تک جنگلوں کو قطع کرتی ہوئی چلی آئی

لِتُشفَعَ لِی یَاخَیرَ مَن وَطِیَ الحَصَا
فَیُغفَرُلِیْ ذَنبِی وَارُجِعُ بِالفُلَج

اے سب زمین پر چلنے والوں میں بہترین ہستی تاکہ آپ میری شفاعت فرمائیں
تو میری گناہ معاف ہوجائیں گے اور میں کامیابی کے ساتھ واپس ہوں

اِلیٰ مَعشَرٍ خَالَفتُ فِی اللہِ دِیْنَهُمْ
وَلاَ رَأیُهُمْ رَأیِیْ وَلاَ شَرْ جُهُمْ شَرْجِیْ

ایک ایسی قوم کی طرف کہ میں نے محض اللہ کے لئے ان کے مذہب کی مخالفت اختیار کرلی ہے
اوراب نہ میری رائے ان کے موافق ہے اور نہ میرا طریقہ ان کے طریقہ کے مطابق

وَکُنْتُ اِمرَأ بِالعَهْدِ وَالخَمرِ مُوْلَعًا
شَبَابِیْ حَتیٰ اٰذَنَ الجِسْمِ بِالنَّهج

اور میں تمام زمانہ شباب میں زنا و شراب کا سخت عادی
اور حریص آدمی تھا یہاں تک کہ جسم بالکل لاغر اور ضعیف ہوگیا

فَبَدَّلَنِیُ بِالْخَمْرِ خَوُفًا وَّ خِشْیَةً
وَبِا لُعَهُرِ اِحْصَانًا نَحصَّنُ لِیَ فَرُجِیَ

مجھے اللہ تعالیٰ نے شراب کے بجائے خوف وخشیت
اور زنا کاری کے بجائے عفت فرج عطا فرمادے

فاصحبت همی فی الجهاد و نیتی
فللّٰهِ مَا صَوُمِیُ وَلِلّٰهِ مَا حَجّی

پس میں نے اپنے ارادہ اور نیت کو جہاد میں صرف کردیا
پس اللہ ہی کی طرف سے ہے میرا روزہ اور میرا حج

حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور آنحضرت ﷺ کی برکات عامہ کا عجیب مظہر ہے کہ بت ہدایت کا سبب بن رہے ہیں۔

مچھلیاں دشت میں پیدا ہوں ہرن دریا میں

قبیلہ خثعم کا ایک بُت

اسی قسم کا ایک واقعہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے قبیلہ خثعم کا منقول ہے کہ وہ اپنے بت کے پاس پرستش میں مشغول تھے اس کے اندر سے آواز سنی جس میں چند اشعار میں آنحضرت ﷺ اور اسلام کی طرف متوجہ کیا گیا تھا (یہ اشعار بوجہ اختصار کے اس جگہ نقل نہیں کئے)۔ یہ لوگ حیرت میں رہے کہ محمد کون ہیں اور اسلام کیا چیز ہے؟ یہاں تک کہ دو تین ہی روز کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات اور دعوتِ اسلام کی کیفیت کچھ آنے والوں سے پہنچی۔ یہ لوگ ابتداء اس واقعہ کو محض وہم وخیال سمجھتے رہے یہاں تک کہ پیہم اسی قسم کی آوازیں اپنے بتوں سے سنتے رہے بالآخر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کی حقیقت دریافت کی۔ حق تعالیٰ نے ان کا شرح صدر فرمادیا اور سارا قبیلہ بیک وقت داخلِ اسلام ہوگیا۔

بنی عذرہ کے بُت خمام کی زبان پر کلمۂ اسلام

قبیلہ بنی عذرہ ایک بت کی پرستش کرتے تھے جس کا نام خمام رکھا ہوا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا تو اس بت نے اپنے خاص پجاری طارق نامی کو خطاب کرکے بولنا شروع کیا اور کہا :

یا بنی ھند بن حرام ظھر الحق واودی خمام ودفع الشرک الاسلام
(حلبیہ ص ۱۹۵)

''اے قبیلہ بنی ہند بن حرام! حق ظاہر ہوگیا اور خمام ہلاک ہوگیا اور اسلام نے شرک کو مٹادیا''۔
اس حیرت انگیز آواز کو ابتداء ان لوگوں نے بھی محض وہم وخیال سمجھا مگر پھر ایک روز اس میں آواز پیدا ہوئی اور کہا:

یا طارق یا طارق بعث النبی الصادق بوحی ناطق صدءٍ صدعة بارض تهامة لنا صریه السلامة و لخاذلیه الندامة هٰذا الوداع منی الی یوم القیامة (حلبیہ ص ۱۹۵۔ جلد ۱)

''اے طارق، اے طارق! سچے نبی وحی ناطق کے ساتھ پیدا ہوگئے اور مکہ مکرمہ کی زمین میں ایک دعوت عام دے دی۔ اب انہیں کے مددگاروں کے لئے سلامتی ہے اور ان کے علیحدہ رہنے والوں کی رسوائی ہے اور بس اب قیامت تک کے لئے میں تم سے رخصت ہوتا ہوں''۔
وہ بت (خمام) یہ کلام کرتے ہی سر کے بل زمین پر گر پڑا۔

اس واقعہ عجیبہ نے بنی عذرا اور ان کے رئیس حضرت زمل بن عمر کو اس پر مجبور کر دیا کہ فوراً آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا اور پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے۔

نتائج

خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا تماشہ دیکھئے کہ وہ جو گمراہی کے ٹھیکہ دار اور عالمِ انسان کو کفر و شرک میں مبتلا کرنے کے لئے مخصوص آلات ہیں اور انھن اضللن کثیراً کے مصداق ہیں آج رحمۃ اللعالمین فخر الاولین والاخرین حبیب اللہ ﷺ کا کس شان سے استقبال کرتے ہیں کہ خود ہی لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کررہے ہیں۔

کنی آشنائے زبیگانہ خلیلے براری زبتخانہ

حق یہی ہے کہ مخلوقات کا ہر ذرہ تکوینی مشین کا ایک پرزہ ہے اس کی ہر حرکت وسکون مشین کے چلانے والے کے تابع ہے۔ وہ جس سے جس وقت چاہے جو چاہے کام لے سکتا ہے۔

ذرّہ ذرّہ دہر کا پابستۂ تقدیر ہے
زندگی کے خواب کی جامی یہی تعبیر ہے

یہ واقعہ عجیبہ جس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے عجیب ہونے اور آنحضرت ﷺ کی شانِ عالی کے مظاہر میں اسی طرح ان شیرہ چشم مخالفینِ اسلام کے لئے بھی آخری پیغامِ الٰہی اور اتمامِ حجت ہیں جو حقانیتِ اسلام پر پردہ ڈالنے کی فکر میں رہتے ہیں کہ اشاعتِ اسلام بزورِ تلوار کی گئی ہے، وہ آئیں اور عباس بن مرداس اور ان کے قبیلہ سے نیز قبیلہ مازن و خشعم سے اور قبیلہ بنی عذرہ کے عقلاء سے دریافت کریں کہ ان پر کس نے تلوار چلائی تھی کہ اپنے آبائی مذہب و ملت کو چھوڑ چھاڑ کر بلادِ بعیدہ سے جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کرتے ہوئے نبی امی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنے قبائل کی سیادت و ریاست کے مقابلہ میں حضور ﷺ کی غلامی کو اپنا تاجِ سلطنت سمجھا۔ حضور ﷺ کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی گردنیں کٹوانے کے لئے میدان میں کھڑے ہوئے نظر آنے لگے۔ اگر یہ لوگ سوال کرنے کی ہمت کر جائیں تو عجب نہیں کہ آج بھی ان بزرگوں کے مزارات سے بزبانِ حال یہ جواب ملے ؎

درونِ سینۂ من زخمِ بے نشان زدہ　　بحیرتم کہ عجب تیرِ بے کماں زدہ اور
خرابِ بادۂ لعلِ تو ہوشیار انند　　غلامِ نرگسِ مستِ تو تاجدار انند

ایک درخت کی آواز

حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے بعض لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا اسلام لانے سے پہلے آپ نے آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کی علامت مشاہدہ کیا تھا۔ فرمایا ہاں میں ایک روز ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کی ایک شاخ نیچے جھکی اور میرے سر سے مل گئی میں تعجب سے اس کو دیکھنے لگا تو اس میں سے ایک آواز آئی :

هذا النبی یخرج فی وقت کذا و کذا انکن انت من اسعد الناس به.

(حلبیه ص ۱۹۸. جلد ۱)

"یہ نبی کریم ﷺ فلاں وقت ظاہر ہوں گے آپ سب سے پہلے ان کی تصدیق کی سعادت حاصل کریں"۔

درختوں اور پتوں اور پھولوں پر کلمۂ شہادت

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب ہم ہندوستان پر جہاد کے لئے گئے تو اتفاقاً ایک بن میں گذر ہوا۔ وہاں عجائبِ قدرت کا ایک نیا تماشہ دیکھا کہ ایک درخت کے سب پتے نہایت سرخ رنگ کے تھے اور ہر پتے پر **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا۔

اسی طرح بعض دوسرے حضرات کا بیان ہے کہ ہم ایک جزیرہ میں پہنچے وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا جس کے ہر پتہ پر قلمِ قدرت نے نہایت واضح وخوشخط یہ کلمہ تین سطروں میں لکھا ہوا تھا۔ پہلی سطر میں **لا الہ الا اللہ** اور دوسری میں **محمد رسول اللہ** اور تیسری میں **ان الدین عند اللہ الا سلام**۔

اور بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم ہندوستان میں داخل ہوئے تو ایک گاؤں میں ایک گلاب کا درخت دیکھا جس کے پھول سیاہ رنگ مگر نہایت خوشبودار تھے۔ اس کے پھول کی ہر پنکھڑی پر سفید حرفوں میں لکھا ہوا تھا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر صدیق**۔
(حلبیہ ص ۱۲۔ جلد)

یہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے شبہ ہوا کہ یہ کلمہ کسی نے ان پھولوں میں لکھ دیا ہے میں نے بغرض تحقیق اس کے ایک غنچہ ناشگفتہ کو توڑا، دیکھا تو اس کے اندر سے بھی پھول کی ہر پتی پر یہی کلمہ صاف لکھا ہوا نکلا۔ پھر میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس قسم کے پھول بکثرت ہیں اور عبرت کی یہ چیز ہے کہ ساری بستی پتھروں کی پرستش میں مبتلا تھی۔

اور ابن مرزوقؒ نے شرح بُردہ میں اسی قسم کا واقعہ ایک درخت کے پھول کا نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ لکھے ہوئے تھے : **جائۃ من الرحمن الرحیم الیٰ جنات النعیم لا الہٰ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔

اسی طرح بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ ہم نے بلادِ ہندوستان میں ایک درخت دیکھا جس کا پھل بادام کے برابر تھا اور اس پر دو چھلکے تھے اوپر کا چھلکا اتارنے کے بعد اندر سے ایک سبز پتہ لپٹا ہوا نکلتا تھا جس پر سرخ رنگ میں نہایت خوشخط اور صاف طور پر کلمہ لکھا ہوا تھا۔ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور اس بستی کے لوگ اس درخت کو متبرک سمجھتے تھے اور قحط پڑتا تھا تو اس کے طفیل سے بارش طلب کرتے تھے۔

اور ۸۰۹ء میں ایک انگور کا دانہ پایا گیا جس کو بے شمار لوگوں نے دیکھا کہ اس پر قلمِ قدرت کے واضح لفظوں میں **محمد** لکھا ہوا تھا۔

اسی طرح ایک شخص نے ایک مچھلی پکڑی جس کے بازو پر **لا الہٰ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے تعظیماً اس کو قید کرنا پسند نہ کیا اور پھر دریا میں چھوڑ دیا۔

اسی طرح بحر مغرب سے بعض لوگوں نے ایسی ہی مچھلی شکار کی اور پھر تعظیماً دریا میں چھوڑ دیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک پرندہ جانور آیا جس کی چونچ میں ایک بادام تھا وہ اس نے مجلس میں ڈال دیا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو اٹھالیا اس میں ایک سبز رنگ کا کیڑا نکلا جس پر زرد رنگ سے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** لکھا ہوا تھا۔ (سیرت حلبیہ جلد اول)

طبرستان کے ایک بادل پر کلمۂ شہادت

بعض مؤرخین، نے نقل کیا ہے کہ طبرستان کے بعض گاؤں میں ایک قوم آباد تھی جو **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ** کی قائل تھی مگر آنحضرت ﷺ کی نبوت کی قائل نہ تھی۔ اتفاقاً ایک سخت گرمی کے دن میں یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ دفعۃً ایک گہرا بادل اٹھا اور تمام بستی اور اس کے اطراف میں چھا گیا۔ بادل نہایت سفید تھا یہ بادل صبح سے چھایا ہوا تھا جب ظہر کا وقت ہوا تو اس میں دفعۃً نہایت جلی حرفوں میں یہ کلمہ لکھا ہوا ہر خاص و عام نے دیکھا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور پھر قلمِ قدرت کا نوشتہ اس طرح برابر عصر کے وقت تک باقی رہا۔ یہ غیبی ہدایت نامہ پڑھ کر وہ لوگ سب مسلمان ہو گئے اور اکثر اس بستی کے رہنے والے یہود و نصاریٰ اور اہلِ علم تھے۔

ایک بچہ کے مونڈھوں پر کلمۂ شہادت

بعض مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بلادِ خراسان میں ایک بچہ دیکھا جس کی ایک کروٹ میں قدرتی طور پر **لا الہ الا اللہ** اور دوسرے پر **محمد رسول اللہ** لکھا ہوا اول ولادت سے دیکھا۔

اور ایک بزرگ بیان کرتے ہیں کہ ۷۲۶ھ ہجری میں میرے گھر میں ایک بکری کے بچہ ہوا جس کی پیشانی پر ایک دائرہ سفیدی کا تھا اور اس کے اندر نہایت خوشخط اور صاف (**محمد**) لکھا تھا۔

اسی طرح بعض حضرات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے افریقہ میں ایک شخص دیکھا جس کی آنکھ کی سفیدی میں نیچے کی طرف سرخ حرفوں میں نہایت خوشخط یہ کلمہ لکھا ہوا تھا (**محمد رسول اللہ**)

اور شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب لواقع الانوار باب قواعد السادۃ الصوفیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جس روز میں اس باب کی تحریر پر پہنچا ہوں تو علاماتِ نبوت میں سے ایک عجیب چیز کا

مشاہدہ کیا کہ ایک شخص میری پاس ایک بکری کے بچہ کا سر لے کر آیا جس کا گوشت بھون کر وہ کھا چکا تھا اور اس کی پیشانی پر قلمِ قدرت کا یہ نوشتہ موجود تھا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ بالھدی ودین الحق یھدی بہ من یشاء یھدی بہ من یشاء۔**

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ اس قصہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اس نوشتہ قدرت میں جو **یھدی بہ یھدی بہ** دو مرتبہ لکھا ہے یہ کسی خاص حکمت پر مبنی ہے کیونکہ یہاں سہو کا تو احتمال نہیں اور ممکن ہے کہ حکمت اس کی غایت تاکید ہو۔ اور امام المحدثین زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جانے کے لئے گھر سے نکلا جب بلقاء میں پہنچا تو ایک پتھر دیکھا جس پر عبرانی زبان میں کچھ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کو اٹھالیا اور ایک عبرانی جاننے والے بزرگ سے اس کے پڑھنے کے لئے عرض کیا۔ جب اس نے پڑھا تو ہنسنے لگا اور کہا کہ عجیب بات ہے اس پر لکھا ہوا ہے:

باسمک اللھم جاء الحق من ربک بلسان عربی مبین لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کتبہ موسیٰ بن عمران

''یا اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں حق آپ کے رب کی طرف سے عربی فصیح زبان میں آگیا، **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ**۔ (لکھا ہے کہ اس کو موسیٰ بن عمران نے)

فائدہ: یہ کائنات عالم کی ہر نوع حیوانات ونباتات و جمادات ہیں کہ اپنی زبان بے زبانی کے ساتھ حقانیت اسلام اور نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی شہادت دے رہی ہیں۔ افسوس کہ بہت سے بدبخت اور غافل انسان ان کو دیکھ کر اور سن کر بھی متنبہ نہیں ہوتے۔

گفتم ایں شرط آدمیت نیست
مُرغ تسبیح خواں وتو خاموش

بندہ
محمد شفیع عفا اللہ عنہٗ
مدرس دارالعلوم دیوبند
۱۵ ربیع الاول ۵۶ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ط

آنحضرت ﷺ کی تادیب وتربیت کا قدرتی انتظام

عموماً حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وتربیت کا حق تعالیٰ خود انتظام فرماتے ہیں۔ خصوصاً حضرت سید الانبیاء ﷺ کی تربیت وتادیب ایک امتیازی شان سے ہوئی کہ تربیت اور تادیب تعلیم وتہذیب کے جتنے ظاہری ذرائع تھے سب منقطع کر دیئے گئے۔ ایسے شہر میں پیدا ہوئے جہاں نہ کوئی علمی مشغلہ نہ کوئی مکتب ومدرسہ نہ کوئی عالم نہ علمی مجلسیں۔ والد ماجد کا سایہ پیدائش سے پہلے سر سے اٹھ گیا ایسے لوگوں میں پلے اور بڑھے جنہیں علم وتہذیب سے دور کا بھی علاقہ نہیں تھا پھر کسی دوسری جگہ بھی طلبِ علم کے لئے سفر نہیں کیا۔ یہاں رہتے ہوئے بھی معمولی لکھنا پڑھنا جو دوسرے لوگ سیکھ لیتے تھے آپ ﷺ نے وہ بھی نہ سیکھا۔ اُمّی محض (اَن پڑھ) رہے اپنا نام خود نہ لکھتے تھے۔

ان حالات میں حق تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ آپ ﷺ کی تربیت اور تہذیب کا وہ انتظام فرمایا کہ دنیا حیرت میں رہ گئی۔ آپ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ساری دنیا کے لئے علم وحکمت اور اخلاق وآداب، تہذیب وتادیب کا معیار ثابت ہوئی۔ تبارک اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ۔

اسی مضمون کو مولانا جامی ؒ نے اپنے دو شعروں میں بہت ہی بلیغ انداز سے بیان فرمایا ہے، وہ یہ ہیں ؎

نَقدِ یثربُ سُلالۂ بطحیٰ　　اُمّیٔ لَوح خوانِ مَا اَوحیٰ
فیضِ اُمُّ الکتاب پروردش　　لَقَبُ اُمّی خدا ازاں کردش

حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کا قلبِ مبارک بھی اول روز ہی سے ایسا بنایا تھا کہ ابتدا ہی سے آپ ﷺ کا نصب العین مکارمِ اخلاق کی تکمیل تھی آپ ﷺ کی دعا حق تعالیٰ سے یہ تھی:

''یا اللہ ہمیں نیک عمل اور اچھے اخلاق کی ہدایت کر کہ عمدہ اخلاق کی ہدایت آپ کے سوا کوئی نہیں کرسکتا اور برے اخلاق کو ہم سے دور کردے کہ برے اخلاق کو بھی آپ کے سوا کوئی زائل نہیں کرسکتا''۔

آنحضرت ﷺ کا خُلق خود قرآن ہے

حضرت سعد بن ہشام ؒ کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضرت ﷺ کے اخلاقِ کریمہ بیان کیجئے، تو فرمایا ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے''، میں نے عرض کیا کہ الحمدللہ قرآن تو روز پڑھتا ہوں، فرمایا کہ ''بس قرآن ہی آپ ﷺ کا خلق ہے''۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کے ہی کے ذریعے مکارمِ اخلاق سے آراستہ فرمایا ہے جس کی چند مثالیں یہ ہیں:

قرآن کریم میں ایک جگہ آپ کو خطاب کر کے ارشاد ہوتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاھِلِیْنَ (اعراف)

''عفو و درگذر کو اختیار کیجئے اور لوگوں کو نیک کاموں کی طرف بلائیے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے''۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ

''بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا اور بے حیائی کی باتوں سے اور برے کاموں سے اور ظلم سے بچنے کا حکم فرماتا ہے''۔

اور ایک جگہ ارشاد ہے:

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذَالِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

''لوگوں کی طرف سے جو آپ کو ایذا پہنچے اس پر صبر کیجئے کہ یہی پختہ کاموں میں سے ہے''۔

اور ایک جگہ نیک خصلت عفو و کرم فرمانے والے لوگوں کی مدح کر کے اس طرح ترغیب دی گئی۔

وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط

''جنت تیار کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو غصہ کو دبانے اور لوگوں کی خطائیں معاف کرنے والے ہیں''۔

اور

وَاجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَعْضُکُمْ بَعْضًا

''بچتے رہو بہت گمان قائم کرنے سے، بیشک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہ کہو''۔

غزوۂ اُحد میں جب آنحضرت ﷺ کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور آہنی ٹوپی کی چند کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں تو چہرۂ مبارک سے خون پونچھتے ہوئے زبان پر یہ کلمات آگئے کہ ''وہ قوم کس طرح فلاں پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کا چہرہ اس طرح خون آلودہ کر دیا جب کہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف سے دعوت دے رہا تھا''۔ بدنصیب قوم کی اس وحشیانہ حرکت پر یہ کلمات کچھ سخت نہ تھے لیکن شانِ رحمت للعالمین ﷺ اس سے بھی بلند تھی اس لئے خود آپ کی تادیب کے لئے یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ بددعا کرنا آپ ﷺ کی شان کے شایان نہیں۔

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْھِمْ اَوْ یُعَذِّبُھُمْ فَاِنَّھُمْ ظَالِمُوْنَ وَلِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَاءُ وَاللہُ غَفُوْرٌ رَحِیْمٌ (آل عمران)

''تیرا اختیار اس کام میں کچھ نہیں چاہے اللہ ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو سزا دے کیونکہ وہ ناحق پر ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ معاف کرے جسے چاہے اور سزا دے جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

قرآن مجید میں اس قسم کی تادیبات بے شمار ہیں جن کا مقصودِ اول سرورِ کائنات، سیدِ موجودات ﷺ کی ذاتِ اقدس کو اخلاقِ فاضلہ کے ساتھ آراستہ کرنا اور پھر اس آفتابِ رسالت کی روشنی سے کل عالم کو منور کرنا اور اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دینا ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کی تعلیم و

تربیت قرآن مجید سے کی گئی ہے اور تمام عالم کی تادیب وتہذیب آپ ﷺ کی ذات سے اور اسی لئے آنخضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

بعثت لا تمم مکارم اخلاق (رواہ احمد الحاکم والبھیقی من حدیث ابی ھریرہ، ۱۲ تخریج)

''میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں''۔

حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو خلق کی تعلیم دی اور رسول اللہ ﷺ نے تمام مخلوق کو بتادیا کہ :

اِنَّ اللہَ یُحِبُّ مکَارِمَ الاَخْلَاق وَیبْغُضُ سَفْسَافَھَا (بیہقی عن سہل بن سعد وطلحہ بن عبید)

''اللہ تعالیٰ عمدہ اخلاق کو پسند فرماتے ہیں اور خراب اخلاق سے ناراض ہوتے ہیں''۔

آنخضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ اور صلح وجنگ کے حالات اس کے شاہد ہیں کہ آپ ﷺ کی تمام تر کوششیں صرف اخلاقِ صالحہ کی تکمیل اور لوگوں کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرنا تھا۔

حاتم طائی [۱] جو عرب کا سخی اور شریف آدمی مشہور ہے، ایک جہاد میں اس کی لڑکی گرفتار ہوکر آئی جب آنخضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئی تو اس نے بیان کیا کہ:

''اے محمد میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں میرا باپ نہایت وفا شعار اور عہد کا پابند تھا، قیدیوں کو چھڑاتا اور بھوکے آدمیوں کو کھانا کھلاتا تھا، اس نے کبھی کسی طالبِ حاجت کا سوال رد نہیں کیا میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں اگر آپ ﷺ مناسب سمجھیں تو مجھے آزاد کردیں اور میرے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقعہ نہ دیں''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو ٹھیک مسلمانوں کے اخلاق ہیں، اگر تمہارے باپ مسلمان ہوتے تو ہم ان کے لئے دعا کرتے اور پھر حکم فرمادیا کہ اس کو آزاد کردیا جائے کیونکہ اس کا باپ اخلاق حسنہ کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بھی اخلاقِ حسنہ کو پسند فرماتا ہے۔

یہ سن کر ابو بردہ رضی اللہ عنہ ابن نیار کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا خدا تعالیٰ مکارمِ اخلاق کو محبوب رکھتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

والذی نفسی بیدہ لا یدخل الجنة الا من الاخلاق (حکیم ترمذی)

''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جنت میں اچھے اخلاق والے کے سوا کوئی نہ جا سکے گا''۔

---

[۱] یہ روایت حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں لکھی ہے جس کی اسناد میں کچھ ضعف ہے۔ ۱۲ تخریج احیاء

فتح مکہ[1] کے موقع پر جب حضرت ﷺ اور صحابہ کرام کی عظیم الشان جمعیت مکہ مکرمہ کی طرف بڑھی تو راستہ میں ایک شخص حاضرِ خدمت ہوا۔ آپ ﷺ کے ارادۂ جہاد کو بھی اس نے عام بادشاہوں کی جنگ پر قیاس کر کے عرض کیا کہ اگر آپ حسین عورتیں اور سرخ اونٹ چاہتے ہیں تو قبیلہ بنی مدلج پر چڑھائی کیجئے (کیونکہ ان میں ان کی کثرت ہے) لیکن اسے کیا معلوم تھا ؎

گریہ وخندۂ عشاق ز جائے دگر ست

می سرایم بشب و وقت سحر می مویم

یہاں صلح و جنگ کا مقصد ہی کچھ اور تھا اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ :

''مجھے حق تعالیٰ نے بنی مدلج پر حملہ کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے اقرباء کے حقوق پہنچانتے ہیں''۔ (کذا فی الاحیاء فی غیر ہذا الاموضع)

عین حالتِ جنگ میں بھی اس کی رعایت رکھی جاتی ہے کہ جو لوگ اخلاقِ حسنہ سے کچھ حصہ رکھتے ہیں ان کو ہر قسم کی تکلیف سے بچایا جائے۔ جس سے حدیث مذکور کی علمی شرح معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کی تمام مساعی صلح و جنگ کا مقصدِ اعلیٰ مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین چونکہ آنحضرت ﷺ کے اخلاق و اعمال کا نمونہ ہیں اس لئے ان کے تمام صلح و جنگ کے حالات بھی اسی طرز پر واقع ہوئے ہیں۔ مورخِ بلاذری[2] نقل کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت صدیقِ اکبر ؓ کے عہدِ خلافت میں اہلِ کندہ نے مرتد ہو کر عُمّالِ حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو اشعث بن قیس فریقِ مخالف کا قائد اور سردار تھا۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور دشمن بہت سے قتل و غارت کے بعد مغلوب ہو کر ایک قلعہ میں محصور ہو گئے لیکن جب محاصرہ طویل ہوا تو عاجز ہو کر اشعث ابن قیس نے قلعہ کا دروازہ کھولنے کا ارادہ کر لیا لیکن چونکہ اشعث مسلمانوں کی فیاضی اور دریا دلی سے واقف تھے، مناسب سمجھا کہ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔

یہ سوچ کر چند آدمیوں کے لئے امان طلب کی۔ مسلمانوں نے حسب عادت منظور کر لیا لیکن جس وقت معاہدہ امن ہو چکا اشعث کے ساتھیوں میں سے معدا بن اسعود نے اشعث کی کمر پکڑ لی اور اصرار کیا کہ مجھے بھی ان لوگوں میں داخل کر دے جن کو امن دیا گیا ہے لیکن ان لوگوں کی تعداد مقرر ہو چکی تھی۔ اب زیادتی مشکل تھی اشعث کو جب کوئی صورت اس کے داخل کرنے کی نظر نہ آئی تو ایک

---

[1] یہ واقعہ اور اس کے بعد کا واقعہ امام غزالی کے اصل رسالہ میں نہ تھے، احقر نے اضافہ کیا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع غفرلہ

[2] فتوح البلدان۔ ۱۲ش

عظیم الشان ایثار سے کام لیا کہ اپنی جگہ اس کا نام درج کر دیا اور خود ان سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو لشکر اسلام کے حوالے کر دیا۔ لشکر اسلام کے امیر زیاد بن ؓ لبید نے ان کو قید کر کے خلیفۂ وقت حضرت صدیق اکبر ؓ کی خدمت میں دار الخلافت بھیج دیا۔ حضرت صدیق اکبر ؓ کو جب اشعث کے ایثار اور حسن خلق کا حال معلوم ہوا تو ان کو آزاد کر دیا۔ اشعث کے دل میں اسلام پہلے سے گھر کر چکا تھا اس وقت مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا اور پھر مسلمانوں کے مبلغ بن کر شام و عراق میں اسلام کی نمایاں خدمت انجام دیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی حقیقی ہمشیرہ فروہ بنت ابی قحافہ سے ان کا نکاح کر دیا۔ الغرض حضرت صدیق اکبرؓ نے اشعث کو محض حسن اخلاق کی وجہ سے یہ اعزاز بخشا۔ (فتوح البلدان ۱۰۸۔ ۱۲ مترجم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ[۱] نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ مذہب اسلام محاسن اخلاق اور محاسن اعمال سے گھرا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ دوستوں، عزیزوں اور تمام ملنے والوں سے اچھا سلوک کرنا یعنی ان کو ہر قسم کی تکلیف سے محفوظ رکھنا

۲۔ نیک عمل کرنا۔

۳۔ سب سے نرمی کا برتاؤ کرنا۔

۴۔ سب پر احسان و بخشش کرنا۔

۵۔ لوگوں کو کھانا کھلانا اور سلام کو عام شائع کرنا یعنی جان پہچان ہو یا نہ ہو ہر مسلمان کو سلام کرنا۔

۶۔ بیمار کی عیادت کرنا خواہ نیک ہو یا بد (اپنا ہو یا بیگانہ)۔

۷۔ مسلمان کے جنازہ کے پیچھے چلنا خواہ اس سے جان پہچان کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو۔

۸۔ پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔

۹۔ ہر مسلمان بوڑھے آدمی کی تعظیم کرنا۔

۱۰۔ جو شخص کھانے کی دعوت کرے اس کو قبول کرنا اور دعوت کرنے والے کے لئے دعا کرنا۔

۱۱۔ لوگوں کی خطاؤں اور زیادتی کو معاف کرنا۔

۱۲۔ جن لوگوں میں اختلاف ہو ان میں صلح کرا دینا۔

---

[۱] قال فی تخریج الحدیث بطولہ ماطرف ولکنہ علی اصل یعنی عنہ حدیث الاتی بعدہ بحدیث اللعاقہ۔ ۱۲

۱۳۔ سخاوت اور شرافت اور ہمت کو اختیار کرنا۔

۱۴۔ سلام کرنے میں سبقت کرنا۔

۱۵۔ غصہ کو پی جانا، یعنی غصہ کے مقتضے پر عمل نہ کرنا (اور اس کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ اس جگہ سے علیحدہ ہو جائے اور کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جائے)۔

۱۶۔ لوگوں کی خطائیں معاف کرنا۔

اور اسلام انسان کو ان چیزوں سے روکتا ہے

۱۔ لہو ولعب سے۔

۲۔ تمام باطل کاموں سے۔

۳۔ گانے بجانے اور مزامیر سے۔

۴۔ کینہ ۔

۵۔ مکر وفساد سے۔

۶۔ جھوٹ اور غیبت سے۔

۷۔ بخل اور کنجوسی سے۔

۸۔ تیز مزاجی سے

۹۔ مکر اور دھوکہ بازی سے۔

۱۰۔ چغل خوری سے ۔

۱۱۔ آپس کی نااتفاقی سے۔

۱۲۔ قطع رحمی سے ۔

۱۳۔ بدخلقی سے۔

۱۴۔ تکبر اور فخر سے۔

۱۵۔ کسی کی مدح میں مبالغہ آمیز زبان درازی سے۔

۱۶۔ بے شرمی سے۔

۱۷۔ بغض اور حسد سے۔

۱۸۔ بری فال لینے سے۔

۱۹۔ بغاوت سے۔

۲۰۔ ظلم کرنے سے۔

۲۰۔ کسی کام میں حد سے تجاوز کرنے سے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ[1] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیک چیز نہیں چھوڑی جس کی طرف ہمیں دعوت نہیں دی اور ہمیں اس کی حقیقت نہیں بتلادی اور کوئی باطل (یا عیب) نہیں چھوڑا جس سے ہمیں ڈرایا نہ ہو اور اس سے منع نہ فرمایا ہو۔ (شک راوی ۱۲ عنہ)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ[2] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے معاذؓ میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی اور پڑوسی کی حفاظت کرنے کی

---

۱ لم اقف لهٗ علی اسناد وهو صحیح من حیث الواقع۔ ۱۲

۲ اخرجه ابو نعیم فی الحلیه والبیهقی فی المز۔ ۱۲ تخرج عراقی

اور یتیم پر رحم کرنے کی اور نرم کلام کرنے کی اور سلام کو عام کرنے کی اور نیک عمل کرنے کی اور (دنیا کی) تمنائیں کم کرنے کی۔ یعنی دور دراز تمنائیں اور خیالات نہ باندھے اور ایمان کو لازم پکڑنے کی اور قرآن مجید کو سمجھنے کی اور آخرت کی محبت اور حساب قیامت سے ڈرنے گھبرانے کی فروتنی اور عاجزی کرنے کی اور میں تم کو منع کرتا ہوں اس سے کہ تم کسی حکیم آدمی کو برا کہو یا کسی سچے آدمی کو جھٹلاؤ یا کسی گنہگار حاکم کی (گناہ میں) اطاعت کرو یا کسی حاکم عادل کی جائز کاموں میں نافرمانی کرو یا کسی زمین پر فساد مچاؤ۔

اور تمہیں وصیت کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ہر پتھر[1] اور درخت اور ڈھیلے کے سامنے اور اس بات کی کہ تم ہر گناہ سے توبہ کرو جو گناہ خفیہ کیا ہے اس کی توبہ بھی خفیہ کرو اور جو گناہ علانیہ کیا ہے اس کی توبہ بھی علانیہ کرو۔ اس طرح سرور عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ادب سکھلایا اور بہترین اخلاق، آداب کی طرف دعوت دی ہے۔ **علیہ و علیہم الف الف صلوٰۃ تحیتہ۔**

اخلاق نبوی ﷺ کے چند نمونے

جن کو بعض علماء نے روایات حدیث سے جمع کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حلیم[2] (بردبار) اور سب سے زیادہ شجاع تھے[3]، سب سے زیادہ انصاف[4] کرنے والے اور سب سے زیادہ معافی دینے والے تھے۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ عفیف تھے ساری[5] عمر آپ ﷺ کا مبارک ہاتھ کسی اجنبی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا جب تک کہ آپ اس کے مالک نہ ہوئے یا اس سے نکاح نہ کیا ہو یا وہ آپ کی محرم نہ ہو۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی[6] تھے کبھی کوئی درہم دینار آپ ﷺ کے پاس ایک رات نہ گزارتا تھا۔ تقسیم کرنے کے بعد اگر کچھ بچ جاتا اور (اس وقت) کوئی محتاج نہ ملتا تو رات آتے ہی تلاش کر کے کسی محتاج کو دے کر بے فکر ہو جاتے تھے جو کچھ مال آپ ﷺ کے پاس آتا تھا آپ اس میں سے صرف[7] سال بھر کے خرچ کی مقدار اپنے لئے رکھتے اور باقی کو تقسیم فرما دیتے تھے اور وہ بھی

---

[1] یعنی ہر جگہ اور ہر وقت اور مطلب یہ ہے کہ ڈھیلے پتھر جن کو تم بے جان کہتے ہو قیامت کے روز یہ بھی تمہارے اعمال کی گواہی دیں گے تو جس طرح آدمی کے سامنے گناہ کرنے سے ڈرتے ہو اسی طرح ان چیزوں کے سامنے بھی ڈرنا چاہئے۔ ۱۲ ش

[2] رواہ الشیخ فی کتاب اخلاق ۱۲ [3] اخرجہ البخاری و مسلم ۱۲ [4] اخرجہ الترمذی فی الشمائل ۱۲

[5] بخاری و مسلم ۱۲ [6] الطبرانی فی الاوسط ورجالہ ثقات ۱۲ [7] بخاری و مسلم ۱۲

محض معمولی ادنی درجہ کی چیزوں میں سے جیسے کھجوریں اور جو وغیرہ۔ اور پھر اس میں بھی آپ ﷺ سے کسی چیز[۱] کا سوال کیا جاتا تو کبھی رد نہ فرماتے تھے اور اس سال بھر کے خرچ میں سے بھی ایثار فرما کر لوگوں کو دیتے تھے۔ اسی وجہ سے سال تمام ہونے سے پہلے ہی آپ کا سامان[۲] ختم ہو جاتا تھا۔

اور نبی کریم ﷺ اپنا جوتہ[۳] خود گانٹھ لیتے تھے۔ اور کپڑے میں پیوند لگا لیتے تھے اور اپنے اہل وعیال کے کاروبار اور خدمت کرتے تھے ان کے ساتھ بیٹھ کر گوشت کاٹتے تھے۔

نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ حیادار[۴] ہے کسی کے چہرے پر (بوجہ شدۃ حیا) آپ کی نظر مبارک نہ جمتی تھی۔ آزاد اور غلام[۵] سب کی دعوت قبول فرما لیتے تھے اور ہدیہ[۶] کو قبول فرماتے اگر چہ وہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران ہو۔

اور پھر ہدیہ[۷] کا بدلہ دیتے تھے اور ہدیہ[۷] کی چیز کو تناول فرماتے اور صدقہ کا مال نہ کھاتے تھے۔ معمولی کنیز[۸] اور مسکین آدمیوں کی دعوت سے انکار نہ فرماتے تھے۔

خدا[۹] کے لئے یعنی حدود اللہ اور شریعت کے خلاف کرنے پر ناراض ہوتے اور اپنے نفس کے لئے غصہ نہ فرماتے تھے۔ حق[۱۰] بات بولتے تھے اگر چہ اس کا نقصان آپ ﷺ ہی کی ذات اقدس پر عائد ہوتا ہو۔ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین کے مقابلہ میں دوسرے مشرکین سے مدد لے لیجئے تو انکار فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ہم مشرکین سے مدد[۱۱] نہیں لیتے حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ آپ کے ساتھی بہت کم تھے اور آپ (بظاہر) ایک انسان کے محتاج تھے۔

آپ ﷺ کے صحابہ[۱۲] کرام میں سے ایک نہایت بزرگ صحابی کی لاش یہود کے محلہ سے برآمد ہوئی مگر آپ ﷺ نے ان سے کوئی زیادتی نہیں فرمائی بلکہ قاعدہ شریعہ کے موافق صرف سو اونٹ سے ان کی دیت دلوادی اور بس۔ حالانکہ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک ایک اونٹ کی شدید ضرورت تھی اور یہودی مالدار تھے۔ ان سے جس قدر بھی حکم کیا جاتا خوشی سے برداشت کر لیتے۔

---

۱ طیالسی والدارمی والبخاری من غیر لفظه ۲ مستفاد من روایة الترمذی والنسائی ۱۲

۳ رواه احمد عن حدیث عائشه و رجاله رجال الصحیح ۱۲، و کل ذلک منقل عن تخریج العراقی علی الاحیاء ص۳۱۴۔ جلد۲ ۴ رواہ البخاری ومسلم عن ابی سعید الخدری ۱۲ عراقی

۵ الترمذی والحاکم عن حدیث انس رضی اللہ عنہ ۱۲ عراقی ۶ مستفاء عن حدیث ام الفضل وانس رضی اللہ عنہ عند البخاری و مسلم و عن حدیث عائشه رضی اللہ عنہا ۱۲ عراقی ۷ البخاری ومسلم ۱۲ ۸ النسائی والحاکم عن حدیث عبداللہ ابن اوفی ۱۲ عراقی۔ ۹ الترمذی ۱۲ ۱۰ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا عند مسلم ۱۲ منہ ۱۱ بخاری ومسلم اور عراقی ۱۲

۱۲ مشرکین سے جنگ میں مدد لینا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے یہاں وہ شرائط موجود نہ تھیں۔

(بعض اوقات) نبی کریم ﷺ بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک [۱] پر پتھر باندھ لیتے تھے اور جب کچھ ملتا تو جو کچھ مل جاتا خوشی سے کھا لیتے اور کسی حلال کھانے سے احتراز نہ فرماتے تھے۔

اگر فقط چھوارے مل جاتے تو انہیں پر اکتفا فرماتے اور اگر گوشت بھنا ہوا مل جاتا یا روٹی گیہوں یا جو کی مل جاتی یا کوئی شیریں چیز یا شہد مل جاتا تو تناول فرماتے۔

اور اگر کبھی روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اسی پر اکتفا فرماتے۔ اور اگر خربوزہ یا کھجوریں مل جاتیں تو وہی تناول فرما لیتے تھے۔

نبی کریم ﷺ تکیہ لگا کر یا میز یا چوکی وغیرہ پر کھانا رکھ کر کبھی نہ کھاتے تھے۔ آپ کا رومال تو ہاتھ پونچھنے کے لئے پاؤں کا تلوہ تھا۔ (یعنی بوجہ بے تکلفی کے اس کا اہتمام نہ تھا کہ کوئی تولیہ یا رومال ہی رکھا جائے بلکہ ہاتھ دھونے کے بعد ہاتھوں یا پاؤں سے مل کر خشک فرما لیا جاتا)۔

آپ ﷺ نے گیہوں کی روٹی تین دن متواتر پیٹ بھر کر کبھی نہیں کھائی اور آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل فقر و احتیاج یا بخل کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لئے کہ اپنے اوپر دوسرے فقراء اور مساکین کو ترجیح دیتے اور ایثار کرتے تھے۔

اور نبی کریم ﷺ ولیمہ کی دعوت [۲] قبول فرماتے اور مریضوں [۳] کی مزاج پرسی کرتے اور جنازوں میں شریک ہوتے تھے [۴]۔

اپنے دشمنوں کے جتھ میں تنہا بلا کسی پاسبان (ساتھی کے چلتے پھرتے تھے۔ آپ ﷺ [۵] سب سے زیادہ تواضع اور عاجزی کرنے والے اور سب سے زیادہ خموش رہنے والے تھے مگر یہ خموشی تکبر کی وجہ سے نہیں تھی۔

آپ ﷺ سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھے مگر کلام زیادہ طویل نہ فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

آپ ﷺ ظاہری شکل و صورت میں بھی سب سے زیادہ حسین و خوب صورت تھے۔ (شمائل ترمذی)

دنیا کی کسی خوفناک چیز سے نہ ڈرتے تھے۔ (ہند احمد عن عائشہؓ)

جو کچھ مل جاتا پہن لیتے، کبھی سادہ چادر اور کبھی یمن کی منقش چادر اور کبھی اونی جبہ۔ غرض حلال مال سے جو کچھ مل جاتا زیبِ تن فرما لیا جاتا تھا۔ (بخاری عن سہل بن سعد)

---

۱ مستفاد عن حدیث الترمذی عن ام ہانی۔ ۱۲ محمد شفیع

۲ فی الاوسط طبرانی عن حدیث ابن عباسؓ۔

۳ رواہ الترمذی وضعفہ واخرجہ الحاکم صححہ ۱۲ عراقی۔

۴ اخرجہ الترمذی والحاکم عن حدیث عائشہؓ ۔۱۲ عراقی

۵ مستفاد عن حدیث النسائی عن ابی اوفی۔ ۱۲

آپ ﷺ کی انگشتری چاندی کی تھی جس کو اکثر داہنے ہاتھ کی اور کبھی بائیں ہاتھ کی کن انگلی میں پہنتے تھے۔ (سم بروایت انسؓ)

اپنے ساتھ کبھی اپنے غلام کو اور کبھی کسی دوسرے کوسواری پر ردیف بنا کر سوار فرمالیتے تھے۔ امراوسلاطین کی طرح اس سے عار نہ تھا۔ (بخاری ومسلم)

(سواری کے متعلق کوئی تکلف نہ تھا) کبھی گھوڑے پر کبھی اونٹ پر کبھی خچر پر کبھی حمار پر (جیسا موقع ہوتا) سوار ہو جاتے تھے۔ اور بعض اوقات پیادہ ننگے پاؤں بغیر چادر اور بغیر عمامہ اور ٹوپی کے چلتے پھرتے تھے اور مدینہ کے دور محلوں میں جا کر مریضوں کی عیادت (مزاج پرسی) فرماتے تھے اور بدبو سے نفرت رکھتے تھے۔ فقراء و مساکین کے ساتھ مجالست (ہم نشینی) کی عادت تھی۔ (ابوداؤدعن ابی سعید)

مساکین کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے۔ (بخاری عن ابی ہریرہؓ)

اہلِ فضل و کمال کا احترام واکرام ان کے اخلاق کی وجہ سے فرماتے تھے اور (ہر قوم کے) شریف لوگوں کو احسان وانعام کے ساتھ مانوس کیا جاتا تھا۔ (ترمذی فی شمائل) اپنے عزیز واقرباء کے حقوق صلہ ادا فرماتے مگر جو لوگ ان سے افضل ہوں ان پر اقرباء کو ترجیح نہ دیتے تھے۔
(حاکم فی المستدرک عن ابن عباسؓ)

کسی کے ساتھ بدمزاجی اور درشتی کا معاملہ نہ فرماتے۔
(ابوداؤد وترمذی فی الشمائل ونسائی فی الیوم واللیلہ عن انسؓ)

فائدہ : حدودِ شرعیہ کے خلاف کرنے صورت میں کسی پر غصہ کرنا یا سزا دینا بدمزاجی میں داخل نہیں بلکہ درستیٔ اخلاق کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔

جو شخص آپ ﷺ کے سامنے معذرت پیش کرتا تو آپ ﷺ اس کا عذر قبول فرماتے تھے۔ (بخاری و مسلم عن کعب بن مالکؓ)

آپ ﷺ مزاح (ہنسی خوش طبعی) کی باتیں بھی کرتے تھے مگر اس میں بھی کوئی خلاف واقعہ بات زبانِ مبارک سے نہ نکلتی تھی۔ (ترمذی ومسند احمد عن ابی ہریرہؓ)

آپ ﷺ ہنستے تھے مگر قہقہہ نہ لگاتے بلکہ آپ ﷺ کا ہنسنا محض تبسم ہوتا تھا۔ (بخاری ومسلم عن عائشہؓ)

آپ ﷺ مباح (جائز) کھیل کود دیکھتے تو منع نہ فرماتے۔ (بخاری ومسلم عن عائشہؓ)

فائدہ : مباح کھیل وہ ہیں جو بدن کی چستی و مضبوطی کے لئے یا جہاد کی تیاری کے لئے یا طبیعت کی تکان دور کرنے کے لئے کھیلے جائیں اور ان میں کوئی ناجائز چیز مثل قمار (ہار جیت) یا مشابہت کفار یا

ستر کھولنا وغیرہ نہ ہوں۔ حدیث میں نشانہ سیکھنے اور تیرنے، کشتی لڑنے اور گدکہ وغیرہ کھلنے کو پسند کیا گیا ہے اور فقہا نے گیند وغیرہ کے کھیل کو بھی اس میں داخل قرار دیا ہے (شامی، عالمگیری وغیرہ) مگر شرط یہ ہے کہ گدکہ کا کھیل تعزیہ داری میں اور کشتی کا کھیل گھٹنے کھول کر اور گیند کا کھیل کفار و فساق کے مخصوص طریقہ پر نہ ہو ورنہ ان چیزوں کی شمولیت سے یہ کھیل بھی ممنوع ہو جائیں گے۔ (مترجم)

آنحضرت ﷺ اپنی بیبیوں کے ساتھ (بعض اوقات سفر میں جب کہ بے پردگی کا خطرہ نہ ہو) دوڑتے بھی تھے۔ (ونسائی عن عائشہؓ)

بعض اوقات آنحضرت ﷺ کے سامنے لوگوں کی آوازیں بلند ہو جاتی تھیں تو آپ ﷺ صبر فرماتے تھے۔ (بخاری عن عبداللہ بن الزبیرؓ)

فائدہ : یہ آنحضرت ﷺ کا تو کمالِ اخلاق تھا کہ اس پر صبر فرمایا مگر حضرات صحابہؓ کے لئے ایسا کرنا مناسب نہ تھا اسی لئے اس کی ممانعت قرآن کریم میں نازل ہوئی، **یا ایھا الذین ا منوا لاتقدموا بین یدی اللہ و رسو لہٗ** ، (بخاری)

آنحضرت ﷺ کے گھر میں چند اونٹنیاں اور بکریاں تھیں جن کے دودھ سے آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا گذارہ تھا۔ (طبقات ابن سعد عن ام سلمہؓ)

آنحضرت ﷺ کے پاس چند غلام اور باندیاں بھی تھیں جن کو کھانے پہننے میں اپنے سے کم نہ رکھتے تھے (بلکہ ہر چیز میں ان کو برابر رکھا جاتا تھا)۔ (طبقات ابن سعد عن ام سلمہؓ)

فائدہ : بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے تھے (ابوبکر بن ضحاک فی الشمائل عن ابن سعید الخدری باسناد ضعیف) اور حدیث میں ہے کہ غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم پہنتے ہو۔ (صحیح مسلم من حدیث ابی الیسرؓ)

لیکن یہ سب تواضع اور حسنِ اخلاق کی تعلیم بدرجۂ مستحب ہے اور ایسا کرنا واجب نہیں بشرطیکہ ان کو کھانے پہننے کی تکلیف نہ ہو کیونکہ ضرورت کے موافق کھانا کپڑا وغیرہ دینا واجب ہے اور اس کے خلاف کرنے والا گنہگار ہے۔

تنبیہ آنحضرت ﷺ کا یہ معاملہ ان غلاموں کے ساتھ ہے جو آپ ﷺ کی ملک تھے اور جن پر ہر طرح آپ کو اختیار حاصل تھا۔ افسوس ہے کہ آج کل مسلمان اپنے ملازم اور نوکروں کے ساتھ بھی وہ معاملہ نہیں کرتے۔ باورچی سے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے جاتے ہیں لیکن اس بیچارے کا حصہ اس میں بجز آگ اور دھوئیں کے کچھ نہیں ہوتا تیار ہونے کے بعد اس کی خوشبو بھی اس کے پاس نہیں جاتی۔

اخلاق کی بات یہ ہے کہ تھوڑا بہت ہر کھانے میں سے اس کو بھی دیا جائے جو کام کسی نوکر کے سپرد کیا جائے اس میں اس کی راحت وطاقت کا خیال رکھا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا کوئی وقت بیکاری میں نہ گذرتا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اور دین کے کام میں اور یا اپنی دنیوی ضرورتوں میں۔
(شمائل ترمذی عن علیؓ)

(کبھی کبھی) اپنے اصحاب کے باغات میں تشریف لے جاتے تھے۔ (تخریج عراقی)

آپ ﷺ نہ کسی مسکین یا اپاہج کو اس کے فقر و محتاجی کی وجہ سے حقیر سمجھتے تھے اور نہ بادشاہ وامیر سے اس کی دولت وسلطنت کے سبب مرعوب ہوتے تھے بلکہ دونوں کو یکساں طریق پر حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے۔ (مستفاد من حدیث مسلم عن انسؓ وحدیث البخاری عن سہل بن سعد)

حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ میں اخلاقِ فاضلہ اور سیاست کاملہ جمع فرمادی تھی حالانکہ آپ ﷺ اُمّی (اَن پڑھ) تھے اور لکھنا بھی نہیں جانتے تھے آپ ﷺ ایسے شہر میں پیدا ہوئے جہاں کوئی علم کی جگہ (مدرسہ ویونیورسٹی) نہ تھی بلکہ جہالت عام تھی پھر آپ ﷺ کی نشو ونما، فقر وفاقہ اور بکریاں چرانے میں ہوئی۔ وہ بھی اسی حالت میں کہ آپ ﷺ بے ماں اور بے باپ کے یتیم بچے تھے مگر حق تعالیٰ نے آپ کو محاسنِ اخلاق اور خصائلِ حمیدہ کی تعلیم دی اور اولین وآخرین کے علوم عطا فرمائے اور ان چیزوں کی تعلیم دی جن سے آخرت میں نجات اور فلاح نصیب ہو اور دنیا میں پریشانیوں سے خلاصی اور لوگوں کے لئے غبطہ (رشک) کا سبب ہو اور آپ کو مفید وضروری کاموں میں مشغولی اور بے فائدہ وفضول کاموں سے اجتناب عطا فرمایا۔

حق تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ کی سنت اور آپ کے اخلاق وعادات کا اتباع نصیب فرمائے۔

آمین یا رب العالمین۔

اتباعِ رسول ﷺ

دنیا کی چندروزہ اور ناقص زندگی میں بھی حقیقی راحت وسرور اور آرام وعیش تو صرف آنحضرت ﷺ کی تعلیمات کے اتباع ہی میں منحصر ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ کے کامل متبعین کے لئے جس طرح آخرت کی دائمی زندگی میں فلاح وصلاح اور ہر طرح کی راحت کا وعدہ ہے۔ اسی طرح دنیا میں بھی حقیقی راحت وسکون صرف انہی کا حصہ ہے اور جنت میں جانے سے پہلے دنیا میں ہی ایک طرح کی جنت ان کو دے دی جاتی ہے کہ قناعت اور تقدیر الٰہی پر رضا کے سبب وہ کسی حال میں پریشان ومتشوش نہیں ہوتے۔ دنیا کے مصائب وآفات اور پریشانیوں کی صورتیں ان پر ضرور آتی ہیں اور بسا اوقات دوسروں سے زیادہ آتی ہیں لیکن ان کے قلوب اس وقت بھی اپنی جگہ پر مطمئن اور مسرور ہوتے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے حوادث ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ مرنے میں بھی جیتے ہیں اور بگڑنے میں بھی بنتے ہیں۔

نہ شوخی چل سکی بادِ صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

راحت وعیش جس کا تعین قلب واطمینان وسکون سے ہے۔ بلا شبہ سارے عالم سے زیادہ انہیں حضرات کو حاصل ہے۔ یہی وہ نشہ ہے جس کے سرور سے وہ شاہانہ سامان کو ذرا نظر میں نہیں لاتے۔

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب
من ملک نیم روز بدانگے نمی خرم

ان کی بے سروسامانی کے باوجود ساز وسامان والے ان کی راحت کو نہیں پاسکتے۔

خوش فرش بوریا وگدائی خواب من
کیں عیش نیست درخور اورنگ خسروی

ان کا رشتہ نیاز ایک ایسی بارگاہ عالی سے جڑ جاتا ہے کہ وہ ان کو سارے عالم سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فقر میں بھی سر بسر کبر و غرور ناز ہوں
کس کا نیاز مند ہوں سب سے جو بے نیاز ہوں

یہی وہ نقد جنت ہے جو اللہ والوں کو دنیا میں ہی مل جاتی ہے اسی کو بعض ائمہ تفسیر نے آیت ذیل کی تفسیر میں لیا جاتا ہے۔

ولمن خاف مقام ربہٖ جنّتٰن

''جو شخص ڈرے اللہ سے اس کے لئے دو جنتیں ہیں''۔

یعنی ایک جنت آخرت میں اور ایک اسی دنیا میں اور بعض روایات حدیث میں جو دنیا کو مومن کے لئے (سجن) یعنی قید خانہ فرمایا یہ جنت اس کے منافی نہیں ظاہری اسباب و سامان اور صورت کے اعتبار سے دنیا ان کے لئے قید خانہ ہے لیکن باطنی سکون و راحت کے اعتبار سے یہ قید خانہ بھی ان کے لئے جنت ہے۔

بسور لهٗ باب ٗ باطنهٗ فيه الرحمة وظاهرهٗ من قبله العذاب

''اس کا ایک دروازہ ہے کہ اس کے اندر تو رحمت ہی رحمت ہے اور باہر کی جانب عذاب ہے''۔

الغرض دنیا کی ظاہری زندگی میں بھی راحت و سکون صرف ان ہی حضرات کا حصہ ہے جو وحی الٰہی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کے پیرو ہوں۔ البتہ اس دینی زندگی میں اتنا فرق ضروری ہے کہ تعلیماتِ نبوی ﷺ سے اعتراض کرنے والے اگر بالکل کافر اور خدا کے باغی ہیں تو ان کو استدلال (ڈھیل) کے طور پر بنیادی اور ظاہری سامانِ راحت، عزت و دولت سے محروم نہیں کیا جاتا اور اگر وہ اہلِ ایمان ہیں تو فوری تنبیہ کے لئے اکثر ان کو اس زندگی میں عزت و دولت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے سوا دوسری قومیں خدا تعالیٰ کی مرضی و نامرضی اور حلال و حرام سے بے نیاز ہو کر دنیوی ترقی کے لئے کوئی اسکیم بنا دیں تو دنیا کی ظاہری حیات میں اس کا کامیاب ہو جانا ممکن ہے گو حقیقی راحت حاصل نہ ہو مگر ظاہری سامان راحت اور عزت اور راحت ان کو اپنی اختراعی تسام نازی ازم اور کمیونزم اور شوشلزم وغیرہ کے ذریعے ہو جائے تو بعید نہیں۔

غرض جن لوگوں نے متاعِ حیات دنیا اور اس کے چند روزہ اور ظاہری ساز و سامان ہی کو اپنا محبوب حقیقی اور قبلۂ مقصود بنا لیا ہے اور جن کی حالت قرآن کریم نے یہ بیان کی ہے کہ

الذين رضوا بالحيوٰة الدنيا واطمأنوا بها ط

''وہ لوگ جو (صرف) حیات دنیا ہی پر راضی ہو گئے''۔

حقیقت شناس، صاحبِ بصیرت تو ان کو یہی کہیں گے کہ :

آنانکہ بجز روئے تو جائے نگرانند   کوتہ نظرانند چہ کوتہ نظرانند

لیکن بہرحال اس کا یہ مقصود برلن اور امریکہ کی منڈیوں میں، چین و جاپان کے بازاروں میں، اسٹالن اور مارکس کی چوکھٹ پر جبہ سائی کرنے میں حاصل ہوجانا ممکن ہے۔ لیکن مسلمان جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھنے والا ہے وہ ان بے دینویوں کی نقل اتار کر کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے دینوی عزت و دولت کے حصول میں بھی بجز سبز گنبد میں آرام فرمانے والے تاجدارِ مدینہ سید الانبیاء والمرسلین سرورِ عالم ﷺ کی بارگاہ کے کہیں پناہ نہیں۔

ہمارے خواجہ صاحب مرحوم نے خواب فرمایا ہے :

بنیں ہم نہ ہندی، نہ روسی، نہ نازی   بنالیں بس اپنے کو سچا حجازی
ہمیں پھر بہرحال لے جائیں بازی   مریں تو شہید اور ماریں تو غازی

تاریخِ اسلام کا روشن باب اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمان قوم نے جب کبھی اسوۂ حسنہ نبویہ ﷺ سے منہ موڑا تو دنیا کی عزت و دولت نے بھی اس سے منہ موڑلیا۔ جس وقت وہ تعلیمات نبوت ﷺ کے حامل اور ان پر پورے حامل تھے تو ان کے عروج و اقبال کا یہ عالم تھا کہ جنگل میں سر کے نیچے اینٹ رکھ کر سو جانے والے امیر المؤمنین کے نام سے کسریٰ اور قیصر کے محلات میں زلزلہ پڑ جاتا تھا۔

قباؤں میں پیوند پیٹوں پر پتھر   قدم کے تلے تاج و کسریٰ و قیصر

اور جب انہوں نے اس میں غفلت و کوتاہی شروع کی تو چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ان کی سلطنت و حکومت خود بخود سمٹنا شروع ہوگئی نہ اندلس کے قصر حمرا و زہراان کو بچا سکے اور نہ مصر و قاہرہ کی قوت ان کے کام آسکی پھر جب کبھی سنبھلے تو حکومت سنبھل گئی اور بہکے تو سلطنت و حکومت میں بھی زوال آگیا۔

غرض مسلمانوں کی دینوی مصائب و آفات اور عزت و دولت اور حکومت وغیرہ سے محرومی بھی ان کے برے اعمال کے نتائج اور تعلیماتِ قرآن و حدیث سے غفلت اور اعتراض کے ثمرات ہیں۔

اگر ماضی کا تجربہ مستقبل کے لئے مشعلِ ہدایت اور درس عبرت ہوسکتا ہے تو مسلمانوں کے عہدِ ماضی کا طویل و عریض زمانہ اور اس کی تاریخ کا ہر موقع ان کو ہر صلاح و فلاح کے لئے صرف ایک سبق دیتا ہے جو بالکل واضح اور جلی ہے جس کو امام مدینہ حضرت مالک بن انسؒ کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔

لن یصلح آخر ھذہ الامۃ الا ما صلح بہٖ اولھا

''اس امت کے آخری دور کی اصلاح کوئی چیز بجز اس طریق کار سے نہیں کر سکتی جس کے ذریعے اس امت کے دورِ اول کی اصلاح ہوئی تھی''۔

اور ظاہر ہے کہ وہ طریق کار جس نے عرب کے بدوؤں کو تہذیب انسانی کا معلم، وحشیوں کو سیاست مدن کا مجدد، گمراہوں کو دنیا کا رہبر، بداخلاقوں کو خوش اخلاقی کا پیکر، مریضوں کو مسیحا بنا دیا، وہ کیا تھا؟ صرف قرآنی نظام اور سید الانبیاء ﷺ کی تعلیمات و ارشادات کا اتباع۔ حق تعالیٰ ہمیں آنحضرت ﷺ کی اتباع نصیب فرمائیں۔ آمین

(الرشید ، لاہور)

ختمِ نبوت صلّی اللہ علیہ وسلّم

آنحضرت ﷺ پر ہر قسم کی نبوت اور وحی کا اختتام ہوگیا۔ آپ ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں۔

اسلام کے بدیہی عقائد سے مسلمان ہی نہیں غیر مسلم بھی ہمیشہ واقف رہے ہیں اور چودہ سو برس کی تاریخ میں یہ بحث بھی نہیں پیدا ہوئی کہ نبوت کی کچھ قسمیں ہوتی ہیں اور ان میں سے کوئی خاص قسم نبی آخر الزماں ﷺ کے بعد بھی باقی ہے۔ نبوت کی تشریعی و غیر تشریعی ظلّی و بروزی یا مجازی اور لغوی اقسام کا نہ قرآن و حدیث میں کوئی اشارہ تک ملتا ہے نہ علمائے امت ان سے واقف تھے البتہ اس دور میں تعلیماتِ اسلامی سے عام غفلت اور جہالت نے اور فتنوں کی طرح اس فتنہ کا در بھی وا کیا۔ سب سے پہلے باب اور بہا کے فرقے نے اس مسئلہ میں اجماعِ امت سے اختلاف کیا مگر وہ بھی اس کو علمی رنگ نہ دے سکا۔

اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی نے بحث کا دروازہ کھولا مگر اس بحث میں بھی اس قدر الجھاؤ اور تضاد کی کارفرمائی ہے کہ خود ان کے ماننے والے بھی تین فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک فرقہ ان کو صاحبِ شریعت نبی اور رسول مانتا ہے یہ ظہیر الدین اروپی کا فرقہ ہے۔ دوسرا ان کو غیر تشریعی کہتا ہے یہ قادیانی پارٹی ہے جس کا مرکز اب ربوہ میں ہے تیسرا فرقہ مرزا صاحب کو رسول نہیں بلکہ مسیح موجود یا مہدی موعود قرار دیتا ہے، یہ لاہوری پارٹی ہے۔

قادیانی مغالطے

حقیقت میں مرزا صاحب کے دعوائے نبوت میں ایک تدریجی ارتقاء ہے۔ ابتداء میں ان کا عقیدہ جمہور اہلِ سنت کے مطابق تھا۔ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو انہوں نے جامع مسجد دہلی کے ایک جلسۂ عام میں ایک تحریری بیان دیا جس میں کہا گیا :

> ”اب میں مفصلہ ذیل امور کا مسلمانوں کے سامنے صاف صاف اقرار کرتا ہوں کہ جناب خاتم الانبیا کی ختمِ نبوت کا قائل ہوں اور جو شخص ختمِ نبوت کا منکر ہو اس کو بے دین اور دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں“۔ (تبلیغ رسالت حصہ دوم۔ ص ۲۳)

پھر ۱۸۹۹ء کے بعد مرزا صاحب نے اپنی تقریروں میں نبی اور خاتم النبیین کی انوکھی تعریف پیش کرنا شروع کردی، مثلاً :

''اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ کو صاحب خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لئے مہر دی جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہیاور آپ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے اور یہ قوتِ قدسیہ کسی اور نبی کو نہیں ملی''۔ (حقیقۃ الوحی ص ۹۷ حاشیہ۔ از مباحثہ راولپنڈی ص ۱۴۱)

اس عبارت میں انہوں نے اپنے نبی ہونے کے لئے گویا دلیل بیان کی ہے بالآخر بیسویں صدی کے اوائل میں انہوں نے کھلے طور پر رسالت اور وحی اور نبوت کا دعویٰ کردیا مثلاً :

''سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا''۔ (دافع البلاء۔ ص ۱۱۰)

''حق یہ ہے کہ خدا کی وہ پاک وحی جو میرے اوپر نازل ہوتی ہے اس میں ایسے لفظ رسول اور مرسل اور نبی کے موجود ہیں نہ ایک دفعہ بلکہ ہزار دفعہ''۔ (براہین احمدیہ۔ ص ۲۹۸)

اور اسکے بعد تو انہوں نے تو تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر نہ صرف صاحبِ شریعت رسول ہونے کا دعویٰ کیا بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ہمسری بلکہ ان سے افضلیت کا دعویٰ کیا ان کی توہین میں متعدد عبارتیں لکھیں حتیٰ کہ خود سرورِ کونین ﷺ سے اپنے آپ کو بڑھانے کی جسارت سے بھی باز نہ آئے۔

''محمد میں اور ہمارے میں بڑا فرق ہے کیوں کہ مجھے تو ہر ایک وقت خدا کی تائید اور مدد مل رہی ہے !'' (نزول المسیح۔ ص ۹۶)

اس منزل پر پہنچ گئے تو مرزا صاحب نے عامۃ المسلمین سے علیحدہ ایک امت کی بنیاد ڈالی اور یہ اعلان کردیا کہ:

''ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے''۔ (حقیقۃ الوحی ص ۱۶۳۔ از خاتمۂ بحث ص ۲۶)

اُن کی تحریروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کو جب نبی بننے کا شوق دامن گیر ہوا تو خاتم النبیین اور مسئلہ نبوت کو اپنی راہ میں حائل پا کر انہوں نے اس کی تحریف وتاویل شروع کردی۔ کبھی خاتم النبیین ہی کے معنی بدل کر مہرِ نبوت قرار دیا کبھی ختم نبوت کے معنی اپنے مشہور ومعروف معنی میں رکھ کر ظلّی بُروزی قسم کی نبوتیں ایجاد کیں اور ظلِّ نبی کو (معاذ اللہ) عین محمد واحمد بتا کر ختمِ نبوت کی

زد سے باہر آنے کی سعی فرمائی اور کہیں ختم نبوت میں یہ شرط بڑھا کر اس سے گلوخلاصی کی کوشش کی کہ ختم ہونے والی نبوت تو وہ ہے جس کے ساتھ شریعت بھی ہو۔ مطلقِ نبوت کا اختتام مراد نہیں!

ایک منصف مزاج اور سلیم الفہم آدمی کے لئے تو خود مرزا صاحب کی متضاد اور بے تکی باتیں ہی ان کے دعاوی اور عقائد کو یکسر مسترد کر دینے کو کافی ہیں تاہم عام مسلمانوں کے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے مسئلۂ ختم نبوت کے تمام پہلوؤں کو قرآن ، حدیث آثارِ صحابہ اور سلف صالحین وعلمائے دین کے اقوال کے ذریعے واضح کرنا ضروری ہے۔

ختم النبوۃ فی القرآن

قرآن کریم سے کسی مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے علمائے اصولِ استدلال نے چار طریقے طے کئے ہیں۔ اول عبارت النص اور دوسرے اشارۃ النص ، تیسرے دلالۃ النص اور چوتھے **اقتضاء النص**۔ کلام پاک میں ننانوے آیات ایسی موجود ہیں جو ان چاروں میں سے کسی نہ کسی طریق سے ختمِ نبوت کا ثبوت مہیا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس باب میں پہلی اور صریح ترین آیت یہ ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ط (الاحزاب ۴۰)

''نہیں ہیں محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا''۔

اس آیت کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ چندروز پہلے ہی وحی کے ذریعے عرب کے اس رواج کو مسترد کیا گیا تھا جس کے تحت لے پالک اولاد کو حقیقی اولاد کا درجہ دیا جاتا تھا۔ اس رواج کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنے کی غرض سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنّیٰ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کی مطلقہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حکمِ خداوندی کے مطابق نکاح فرمالیا ہے اس پر کفار نے شور مچایا کہ یہ کیسا نبی ہے جو اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرتا ہے اسی طعنے کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں اس لئے آپ پر یہ الزام بے محل ہے۔ اس امر واقعہ کے بیان کر دینے کے بعد اسی سے پیدا ہونے والے ممکنہ شبہات کے ازالے کے لئے فرمایا گیا :

''لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخر الانبیاء ہیں''۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ کے کوئی صلبی فرزند نہیں اور آپ ﷺ اس اعتبار سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن آپ خدا کے برگزیدہ رسول ہیں اور رسول اپنی امت کا باپ ہوتا ہے جو لوگ حضور کو ابتر اور

مقطوع النسل ہونے کا طعنہ دیتے تھے انہیں بھی اسی آیت میں جواب دے دیا گیا کہ رسول تو اپنی پوری امت کا باپ ہوتا ہے اور محمد ﷺ چوں کہ قیامت تک کے لئے نبی ہیں لہٰذا آپ ﷺ کی روحانی اولاد کا بھی کوئی شمار نہیں۔

اس جگہ لفظ ''خاتم النبیین'' کے اضافے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس طرح اقوال عالم کو خبردار کیا گیا یہ ہمارا آخری رسول ہے اس کے بعد کوئی پیغامبر نہ بھیجا جائے گا اس لئے دین و دنیا کی اصلاح چاہتے ہو تو اس کی تصدیق کرو۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ "ما کان محمد ابا احد" میں نفیِ ابوّت سے وہم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ میں شفقتِ پدری بھی نہ ہوگی اس وہم کو رفع کرنے کے لئے ''ولکن رسول اللہ'' کے الفاظ بڑھائے گئے یعنی اگرچہ آپ ﷺ کسی مرد کے نسبی باپ نہیں لیکن رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے نسبی باپ سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ پھر ارشاد فرمایا، ''وخاتم النبیین'' یعنی جب ہر رسول اپنی امت کا شفیق باپ ہوتا ہے تو خاتم النبیین تو تمام انبیاء سے زیادہ شفیق اور مہربان ہوں گے۔

جن انبیاء کو اپنے بعد اور رسولوں کے آنے توقع ہوتی تھی ان سے اگر کوئی چیز رہ جاتی تو بعد میں آنے والے اس کی تکمیل کر دیتے تھے لیکن تمام انبیاء کے خاتم کو یہ فکر تھی کہ آگے کا راستہ اتنا صاف کر دیا جائے کہ قیامت تک آنے والے انسان گمراہ نہ ہوں۔ چنانچہ ہمارے آقائے نامدار سرورِ کائنات ﷺ نے شریعت کی صراطِ مستقیم کو ایسا ہموار چھوڑا ہے جس میں رات اور دن برابر ہے اب نہ ہمیں کسی شریعتِ سابقہ کی حاجت ہے نہ لاحقہ کی نہ کسی جدید نبی کی ضرورت ہے نہ جدید شریعت کی۔

تکمیلِ شریعت

قرآن مجید کی جس آیت میں محمد رسول اللہ کی لائی ہوئی شریعت کی ابدی تکمیل کا اعلان کیا گیا وہی ختمِ نبوت کے ثبوت میں دوسری واضح دلیل ہے۔ ارشاد ہوا :

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ ۳)

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے دینِ اسلام ہی پسند کیا''۔

آیتِ مذکورہ میں کمالِ دین کی جس زاویۓ سے بھی تفسیر کی جائے ماحصل یہ ہے کہ اس دین کے بعد کوئی دین اور آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی تا قیامت پیدا نہ ہوگا۔

حضرت ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے بعد نہ کوئی حلال کرنے والا حکم نازل ہوا اور نہ حرام کرنے والا اور نہ کوئی چیز فرائض وسنن میں اور نہ حدود اور دوسرے احکام میں سے۔

(تفسیر مظہری ص ۸۔سورۂ مائدہ)

اور حدیث میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو فاروقِ اعظم ؓ رونے لگے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ فاروقِ اعظم نے عرض کیا: ''ہم اپنے دین میں زیادتی اور ترقی میں تھے لیکن جب وہ کامل ہو گیا اور (عادتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ) جب کوئی شے کامل ہو جاتی ہے تو پھر وہ ناقص ہو جاتی ہے''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم نے سچ کہا اور یہی آیت آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سمجھی گئی۔ آپ ﷺ اس کے بعد صرف اکیاسی روز اس عالم میں زندہ رہے۔

فاروقِ اعظم ؓ کا یہ واقعہ مذکورۃ الصدر تفسیر کی روشن اور کھلی شہادت ہے کیوں کہ اگر کمالِ دین اور اتمام نعمت سے نزولِ احکام دین کا اختتام اور وحی و نبوت کا انقطاع اور خاتم الانبیاء کی وفات مراد نہ تھی تو فاروقِ اعظم کا اس موقع پر رونا بے محل اور بے معنی ہو جائے گا۔

افادیت ختمِ نبوت

جس طرح قرآن پاک کی ننانوے آیات ختمِ نبوت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں اسی طرح دوسو دس صحیح احادیث میں اس امر کی صراحت کر دی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، ان میں ایک سو سے زیادہ احادیث متواتر ہیں۔ امام ابن حزم نے لکھا ہے:

''جن حضرات نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور معجزات اور قرآن مجید کو نقل کیا ہے ان میں کثیر التعداد حضرات کی نقل سے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں''۔ (الملل والنحل، جلد ۱۔ص ۷۷)

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث لا نبی بعدی نہ صرف متواتر ہے بلکہ اس کا تواتر بھی اسی درجے کا ہے جس درجے کا آپ ﷺ کی نبوت، معجزات اور قرآن مجید کا تواتر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ آنحضرت ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری مثال مجھ سے پہلے انبیاء کے ساتھ ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت عمدہ اور آراستہ و پیراستہ بنایا مگر اس کے ایک گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ تعمیر سے چھوڑ دی، پس لوگ اس کے دیکھنے کو جوق در جوق آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ مکان کی تعمیر مکمل ہو جاتی) چنانچہ میں نے اس جگہ کو پُر کیا اور مجھ سے ہی قصرِ نبوت مکمل ہوا اور میں ہی خاتم النبیین ہوں (یا) مجھ پر تمام رُسل ختم کر دیئے گئے''۔ (بخاری، مسلم، احمد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا)

حضرت ابو حازم ؒ فرماتے ہیں کہ میں پانچ سال حضرت ابو ہریرہ ؓ کے ساتھ رہا میں نے خود سنا کہ وہ یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی سیاست خود ان کے انبیاء کیا کرتے تھے جب کسی نبی کی وفات ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے نبی کو ان کا خلیفہ بنا دیتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے''۔ صحابہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ان خلفاء کے متعلق آپ کیا حکم دیتے ہیں''؟ فرمایا، ''ہر ایک کے بعد دوسرے کی بیعت کرو اور ان کے حقِ اطاعت کو پورا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی رعیت کے متعلق ان سے سوال کرے گا''۔

(بخاری، مسلم، احمد، ابن ماجہ، ابن جریر اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا)

حضرت جُبیر بن مطعم روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں یعنی میرے بعد ہی قیامت آئے گی اور حشر برپا ہوگا (یعنی کوئی نبی میرے اور قیامت کے درمیان نہ آئے گا) اور میں عاقب ہوں اور عاقب اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو''۔ (بخاری، مسلم اور ابو نعیم نے روایت کیا)

حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا: ''تم میرے ساتھ ایسے ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ ؑ کے ساتھ تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا''۔ بخاری اور مسلم نے غزوۂ تبوک کے باب میں یہ حدیث روایت کی۔ مسلم کی روایت میں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جہاد میں حضرت علی ؓ کو ساتھ نہیں لیا بلکہ گھر پر چھوڑ دیا، حضرت علی ؓ نے (بطور نیاز مندانہ شکایت) عرض کیا، آپ نے مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ دیا! آپ ﷺ نے (ان کی تسلی کے لئے) ارشاد فرمایا: ''کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم میرے ساتھ ایسے ہو جاؤ جیسے ہارون ؑ

موسیٰؑ کے ساتھ؟ (یعنی جس طرح حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر تشریف لے جاتے وقت ہارونؑ کو بنی اسرائیل میں اپنا نائب بنا کر چھوڑ گئے تھے اسی طرح تم اس وقت میرے نائب تھے) لیکن میرے بعد نبوت نہیں''۔ (اس لئے تمہارا مرتبہ اگرچہ ہارون کا سا ہے مگر تم کو نبوت حاصل نہیں) اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : الا انک لست نبیًّا (مگر تم نبی نہیں ہو)

حضرت ابوہریرہؓ روای ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ دو جماعتوں میں جنگِ عظیم رونما نہ ہو حالانکہ دونوں کا دعویٰ ایک ہی ہو اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک تقریباً تیس دجال کاذب دنیا میں نہ آ چکیں جن میں سے ہر ایک یہ کہتا ہوگا کہ میں اللہ کا رسول ہوں''۔ (بخاری، مسلم اور احمد نے روایت کیا)

حضرت ثوبانؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

''قریب ہے کہ میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ میں نبی ہوں حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا''۔
(مسلم نے روایت کیا)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا :

''مجھے تمام انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت دی گئی اول یہ کہ مجھے جوامع الکلم دیئے گئے، دوسرے یہ کہ رعب سے میری مدد کی گئی (یعنی مخالفین پر میرا رعب پڑ کر انہیں مغلوب کر دیتا ہے)، تیسرے میرے لئے غنیمت کا مال حلال کر دیا گیا (بخلاف انبیائے سابقین کے کہ مالِ غنیمت ان کے لئے حلال نہ تھا بلکہ آسمان سے ایک آگ نازل ہوتی تھی جو تمام مالِ غنیمت کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی تھی اور یہی جہاد کی مقبولیت کی علامت سمجھی جاتی تھی) چوتھے میرے لئے تمام زمین نماز پڑھنے کی جگہ بنا دی گئی (بخلاف امم سابقہ کے کہ ان کی نماز صرف مسجدوں ہی میں ہوسکتی تھی) اور زمین کی مٹی میرے لئے پاک کرنے والی چیز بنا دی گئی (یعنی بہ وقتِ ضرورت تیمّم جائز کیا گیا جو پہلی امتوں کے لئے جائز نہ تھا)۔ پانچویں میں تمام مخلوق کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں (بخلاف انبیائے سابقین کے کہ وہ خاص قوموں کی طرف کسی خاص اقلیم میں ایک محدود زمانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے)، چھٹے مجھ پر تمام انبیاء ختم کر دیئے گئے''۔ (مسلم نے روایت کیا)

حضرت عباس ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض وفات میں دروازے کا پردہ کھولا آپ ﷺ کا سرِ مبارک مرض کی وجہ سے بندھا ہوا تھا، اُدھر لوگ صدیقِ اکبر ؓ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نبوت میں کوئی جزو باقی نہیں رہا مگر وہ اچھا خواب جو مسلمان دیکھتا ہے یا اس کے لئے کوئی اور دیکھے''۔ (مسلم اور نسائی نے روایت کیا)

عجیب تاویلات

ختمِ نبوت کے منکرین قرآن پاک اور احادیثِ صحیحہ کی ان صراحتوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے عجیب وغریب تاویلات کا سہارا لیتے ہیں اور قرآن وحدیث میں تحریف کرتے ہیں۔ مثلاً مرزا غلام احمد نے نبی بننے کے شوق میں آیت خاتم النبیین کے معنی یہ بیان کئے ہیں، ''آپ ﷺ کی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ ﷺ کی توجہ روحانی نبی تراش ہے''، اور یہ کہ ''ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت مل سکتی ہے''۔

یہ مفہوم نہ صرف عربی زبان اور محاورے کی رو سے سراسر غلط ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی کو نبی بنانا آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے جس پر چاہیں نبوت کی مہر لگادیں حالانکہ رسول اور نبی کا تقرر صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے علاوہ ازیں اس تحریف کے نتیجے میں نبوت ایک اکتسابی چیز بن جاتی ہے۔ قرآن کی رُو سے یہ بھی غلط ہے کیوں کہ نبوت حاصل کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔

اگر اس نو ایجاد تفسیر کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس امت میں جتنے زیادہ نبی آئیں اتنا ہی حضور ﷺ کا کمال ظاہر ہوگا لیکن تحریف کرنے والے کو بھی تیرہ سو برس میں اپنے سوا اور کوئی اس طریقے سے نبی بنتا نظر نہیں آیا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس ہستی کو بقول مرزا صاحب، اللہ نے ''نبی تراش'' بنایا اس کی روحانی توجہ ایک لاکھ سے زائد صحابہ میں سے تو کسی کو نبی نہ بنا سکی، ان کے بعد خیر القرون میں بھی کسی کو یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی اور نعوذ باللہ چودھویں صدی میں آکر بس ایک مرزا صاحب پیدا ہوئے تو اس اعزاز کے اہل ٹھہرے۔ قرآن پاک کی تحریف اور رسول کریم کی توہین اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتی ہے! **نعوذ باللہ من ذٰلک۔**

آیت خاتم النبیین کی قادیانی تحریف کا ایک اور رُخ مرزا غلام احمد کے اشتہار ''ایک غلطی کا ازالہ'' میں یوں بیان ہوا ہے: ''لیکن اگر کوئی شخص اس خاتم النبیین میں ایسا گم ہو کہ یہ باعث نہایت اتحاد اور نفیِ غیریت کے اسی کا نام پالیا ہو اور صاف آئینہ کی طرح محمدی چہرے پر اس کا انعکاس ہو گیا ہو تو وہ بغیر

مہر توڑنے کے نبی کہلائے گا کیونکہ وہ محمد ہے، گو ظلی طور پر باوجود اس شخص کے دعوائے نبوت کے جس کا نام ظلی طور پر محمد اور احمد رکھا گیا ہے پھر بھی سیدنا محمد ﷺ کی تصویر اور اسی کا نام ہے۔

ظِل و بروز کی یہ کہانی شاید ہندوؤں کے عقیدۂ تناسخ وحلول سے اخذ کی گئی ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی کہیں شہادت نہیں ملتی اور اگر یہ صحیح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کامل اتباع سے کوئی شخص عین محمد مصطفیٰ بن جاتا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ابتدائے اسلام سے مرزا غلام احمد کی پیدائش تک کسی اور کو یہ کامل اتباع کیوں نصیب نہیں ہوا؟ صدیقِ اکبر ؓ، فاروقِ اعظم ؓ، عثمان غنی ؓ، علی مرتضیٰ ؓ، خیر الخلائق بعد الانبیاء کے مصداق ہیں اور حدیث میں لو کان بعدی نبی لکان عُمَر وغیرہ کے الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں تو کیا یہ حضرات بھی ظلّی طور پر محمد مصطفیٰ بن گئے تھے؟

نبوت کا چھبیسواں حصّہ

صرف یہی نہیں کہ قرآن میں بروز اور بروزی نبی کے پیدا ہونے کی کوئی شہادت موجود نہیں۔ بہت سی احادیث بھی اس عقیدے کا صاف صاف بُطلان کرتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ حدیث ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اے لوگو! نبوت کا کوئی جُزو سوائے اچھے خوابوں کے باقی نہیں رہا''۔ (بخاری اور مسلم نے روایت کیا)

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ نبوت بالکلّیہ ختم ہو چکی ہے۔ سلسلۂ وحی منقطع ہو گیا۔ البتہ اجزائے نبوت میں سے ایک جزو، مبشرات باقی ہے۔ یعنی جو سچے خواب مسلمان دیکھتے ہیں یہ بھی نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ اس کی تشریح بخاری ہی کی دوسری حدیث میں اس طرح آتی ہے کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اب ذرا قادیانی عقل کج مزاج کی دلیری ملاحظہ کیجئے کہ اسی حدیث سے بقائے نبوت ثابت کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ نبوت کا ایک جزو باقی ہے۔ اسی سے نفس نبوت کا بقا ثابت ہوتا ہے۔ جیسے پانی کا ایک قطرہ بھی باقی ہو تو پانی کو باقی کہا جا سکتا ہے اسی طرح نبوت کے جزو کا باقی ہونا، خود نبوت کا باقی ہونا ہے۔ اگر یہ منطق مان لی جائے کہ کسی شے کے ایک جزو کے وجود کو کُل کا وجود قرار دیا جا سکتا ہے تو پھر ایک اینٹ کو پورا مکان کہنا بھی درست ہو گا! کھانے کے بیس اجزا میں سے ایک جزو نمک ہے تو نمک کو کھانا کہنا بھی روا ہو گا! اور پھر شاید ایک دھاگے کو کپڑا کہنا بھی جائز ہو گا! اور

ایک انگلی کے ناخن کو انسان اور ایک رسی کو چارپائی بھی کہا جائے اور ایک میخ کو کواڑ بھی! یہ محض لچر اور ناقابل ذکر بات ہے کہ نبوت کا ایک جزو باقی ہونے سے نبوت کا بقا ثابت کر ڈالا۔

اس حدیث میں قابل لحاظ بات تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انقطاعِ نبوت کے ذکر کے ساتھ صرف رُویائے صالحہ کے بقاء کا ذکر فرمایا ہے۔ اور کسی قسم کی نبوت کا نام نہیں لیا۔ گویا نبوت کی کوئی قسم کی آپ ﷺ بعد باقی نہیں رہی، ورنہ ضروری تھا کہ نبوت کی جو قسم باقی رہنے والی ہے، بجائے سچے خواب کے اُس کا ذکر فرمایا جاتا۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ نبوت کے تمام اجزا اور اقسام کے بالکلیہ انقطاع کی خبر دے کر صرف ایک جزو یعنی رویائے صالحہ کا استثناء فرمایا گیا ہے اب انصاف کیجئے کہ اگر سوائے رویائے صالحہ کے اور بھی کوئی جزو یا کوئی نوع، یا کوئی قسم نبوت کی باقی رہنے والی تھی، تو اس کا استثناء کیوں نہیں فرمایا گیا۔

مرزا صاحب نے اپنی اسلام دشمنی پر پردہ ڈالنے کے لئے کبھی فرمایا کہ ختم نبوت کا مسئلہ تو میرا ایمان ہے، مگر صرف تشریعی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت غیر تشریعی ہے۔ اور کبھی کہا کہ کلی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت جزئی ہے۔ اور کبھی ارشاد ہوا کہ حقیقی نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت ظلی وبروزی ہے۔ اور کہیں لکھا ہے کہ مستقل نبوت ختم ہوئی ہے اور میری نبوت غیر مستقل ہے۔ غرض ان متعارض اور متضاد اقوال کو اختیار کر کے وہ سمجھے کہ ہماری نبوت بھی سیدھی ہوگئی اور مسلمانوں کے سامنے یہ کہنے کی گنجائش بھی باقی رہ گئی کہ ہم قرآن وحدیث کے صریح حکم یا اُمت کے اجماعی عقیدۂ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں۔ لیکن اس حدیث نے مرزا صاحب کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے۔

ختم نبوت اور نزول مسیح

آیت خاتم النبین کی روشن دلیل کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی غرض سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے بعد اور کوئی نبی نہیں آسکتا تو آخر زمانے میں عیسیٰؑ، جو متفق علیہ نبی ہیں، کیسے آسکتے ہیں؟ حالانکہ ان کا قیامت کے قریب آنا مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور قرآن وحدیث سے بھی ثابت ہے۔ غرض یا ختم نبوت سے انکار کیجئے، یا نزول مسیح سے ہاتھ اٹھایئے۔ یہ شبہ خلط مبحث کا شاہکار ہے حقیقت مین ان دونوں عقیدوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے اور اس کے دلائل یہ ہیں:

عربی لغت اور محاورے کی رُو سے خاتم النبین اور آخر الانبیاء کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ وصفِ نبوت کے ساتھ (اس عالم میں سب سے آخر میں متصف ہوئے۔ یعنی آپ ﷺ کے بعد کسی کو نبوت نہ

دی جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء وفات پا گئے ہوں۔ اہل عرب جب خاتم الاولاد یا آخر الاولاد بولتے ہیں تو مُراد یہی ہوتی ہے کہ یہ بچہ سب سے آخر میں پیدا ہوا، نہ یہ کہ پہلی تمام اولاد کا صفایا ہو چکا۔ حدیث میں اسی مفہوم کی صراحت یوں ہے کہ حضرت سہلؓ بن سعد الساعدی راوی ہیں کہ حضرت عباسؓ نے آنحضرت ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے چچا! اپنی جگہ ٹھیرے رہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ہجرت ختم کردی ہے۔ جیسا کہ مجھ پر انبیا کو ختم کردیا ہے''۔ (طبرانی، ابونعیم، ابویعلی، ابن عساکر اور ابن النجار نے روایت کیا)

دیکھئے خود حضرت رسالت پناہ ﷺ نے ختم نبوت کو ختم ہجرت کی تمثیل میں پیش فرما کر بحث کا خاتمہ فرمادیا۔ کسی ادنیٰ سمجھ بوجھ والے آدمی پر بھی یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ حضرت عباسؓ کے خاتم المہاجرین ہونے کو اُن سے پہلے مہاجرین کے دنیا میں باقی رہنے کا مخالف یا معارض سمجھے یا حضرت عباسؓ پر ختم ہجرت کا یہ مطلب قرار دے کہ اُن سے پہلے کے سب مہاجرین مرچکے۔

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے آیت کریمہ : واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح۔ (الاحزاب:۷) کی تفسیر میں فرمایا : '' میں خلقت میں سب انبیاء سے پہلے اور بعثت میں سب کے آخر میں ہوں''۔ اس حدیث نے بھی خاتم النبین کے معنی کو بالکل صاف کردیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت دنیا میں سب سے آخر میں ہوئی نہ یہ کہ آپ ﷺ سے پہلے سارے انبیائے کرام وفات پاچکے تھے۔ علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ کے نزول سے متعلق احادیث میں اس اَمر کی تصریح موجود ہے کہ آپ اس دنیا میں جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ امام کی حیثیت سے تشریف لائیں گے اور شریعتِ محمدی ﷺ کی پیروی کریں گے۔

انکارِ ختم نبوت کی سزا

قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ اور اقوال آئمہ ومفسرینِ ختم نبوت کے اس اجماعی عقیدے پر نہ صرف کلی طور پر متفق ہیں بلکہ اس سے انکار کرنے اور آیت خاتم النبین کی خلاف اجماع تاویل کرنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیتے ہیں۔ سید محمد آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور و مستند تفسیر رُوح المعانی میں حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے خلاف شبے کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''اور آنحضرت ﷺ کے خاتم النبین ہونے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس عالم میں وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہونے کے بعد وصف نبوت کا پیدا ہونا بالکل منقطع ہوگیا۔ جن واِنس میں سے

کسی میں اب یہ وصف پیدا نہیں ہوسکتا اور یہ مسئلہ ختم نبوت اس عقیدے سے ہرگز معارض نہیں، جس پر امت نے اجماع کیا ہے، اور جس میں احادیث شہرت کو پہنچی ہوئی ہیں، اور شاید درجۂ تواترِ معنوی کو پہنچ جائیں، اور جس پر قرآن نے تصریح کی ہے، اور جس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے منکر مثلاً فلاسفہ کو کافر سمجھا گیا ہے، یعنی آخر زمانے میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ کے اس عالم میں نبوت ملنے سے پہلے وصفِ نبوت کے ساتھ متصف ہوچکے تھے"۔

اسی آیت کی شرح کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ مزید فرماتے ہیں :

"اور آنحضرت ﷺ کا آخر النبیین ہونا ان مسائل میں سے ہے جن پر قرآن بول اٹھا، اور جس پر احادیث نے صاف صاف تقریر کی اور جس پر امت نے اجماع کیا اس لئے اس کے برخلاف دعوی کرنے والے کو کافر سمجھا جائے گا، اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا"۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرّہ، جو علوم ظاہرہ و باطنہ کے مسلم امام ہیں، آیت خاتم النبیین کی تفسیر میں ایک ایسا مضمون تحریر فرماتے ہیں کہ گویا قادیانی فتنہ ان پر منکشف ہوگیا تھا۔ اسی کی رد کیلئے یہ الفاظ لکھے ہیں :

"خوب سمجھ لو کہ تمام امت نے خاتم النبیین کے الفاظ سے یہی سمجھا ہے کہ یہ آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ اور اس پر بھی اجماع و اتفاق ہے کہ نہ اس آیت میں کوئی تاویل ہے، اور نہ تخصیص اور جس شخص نے اس آیت میں کسی قسم کی تخصیص کے ساتھ کوئی تاویل کی اس کا کلام ایک بکواس و ہذیان ہے، اور یہ تاویل اس کے اوپر کفر کا حکم کرنے سے روک نہیں سکتی کیونکہ وہ اس نص صریح کی تکذیب کرتا ہے جس کے متعلق امت محمد ﷺ کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں"۔

امام حدیث علامہ شاطبیؒ جو آٹھویں صدی ہجری کے مشہور و معروف امام ہیں، اپنی کتاب "اعتصام" میں ان لوگوں کی ایک مختصر فہرست شمار کرتے ہیں جنھوں نے نبوت یا وحی یا عصمت کا دعوی کیا اور امت کے اجماع نے ان کو واجب القتل سمجھا۔ اسی سلسلہ میں امام موصوف نے فازازی نام کے ایک شخص کا واقعہ لکھا ہے کہ اس نے نبوت کا دعوی کیا۔

اس نے بہت سے ایسے شعبدے بھی دکھائے جو کرامت یا خارق عادت سمجھے جاتے ہیں۔ عوام ہر زمانے میں عجائب پرست ہوتے ہیں چنانچہ اس وقت بھی ایک گروہ اس کے ساتھ ہوگیا۔ یہ شخص بھی مرزا غلام احمد کی طرح اتباع قرآن کا مدعی تھا اس لئے اس نے آیت خاتم النبیین کی ایسی تاویلات شروع

کیں جن کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کی گنجائش نکل آئے مگر علمائے وقت نے اس کے دعوے اور تاویلات کو اتفاق رائے سے کفر و الحاد قرار دیا چنانچہ اس زمانے کے امام مقتدر شیخ المشائخ ابو جعفر ابن زبیر کے فتوے پر اس کو قتل کر دیا گیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کو اپنی اولاد پر مطلع فرمایا آدم ان میں دیکھ رہے تھے کہ بعض بعض پر فضلیت رکھتے ہیں پس ان سب سے نیچے کی جانب میں ایک نور دیکھا عرض کیا، اے پروردگار یہ کون ہے؟ ارشاد ہوا یہ آپ کے بیٹے احمد ہیں۔ وہی سب سے پہلے نبی ہیں، اور وہی سب سے آخری ہیں، اور قیامت کے روز سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور مقبول الشفاعت ہوں گے۔ (کنزالعمال)

(ماخوذ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر لاہور)

درود شریف کے فضائل ومسائل

درود شریف کے فضائل اور اس سے متعلقہ احکام پر بڑے بڑے علماء ومتقدمین ومتاخرین نے مفصل کتابیں لکھی ہیں۔ اس رسالہ میں انہی کا ایک حصہ عام مسلمانوں کے فائدہ کے لئے آسان زبان میں لکھا جاتا ہے۔

درود شریف کے معاملہ میں سب اہم قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت اور عظمت شان کا خاص مظہر ہے۔ جس میں اول یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رسول کریم ﷺ پر ہمیشہ درود بھیجتے رہتے ہیں اور پھر عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں۔

اس میں صلوٰۃ (درود) کی نسبت جو حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کے معنی رحمت وشفقت کے ساتھ اعزاز واکرام ہے اور فرشتوں کے درود کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کے لئے مزید رحمت وبرکت کی دعا کرتے ہیں اور مسلمانوں کو دینے کے ارشاد کا بھی یہی مفہوم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مزید رحمت واعزاز کی دعا کرتے رہیں۔

اس دعا کا طریقہ صحابہ کرامؓ نے خود رسول اللہ ﷺ تعالیٰ سے دیافت کرلیا تھا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دو چیزوں کا حکم دیا ہے، ایک صلوٰۃ دوسرے سلام۔ سلام کا طریقہ تو التحیات (نماز) میں ہمیں بتلادیا ہے ؛ السلام علیک ایها النبی ورحمته الله وبرکاته ۔لیکن صلوٰۃ کا طریقہ ہمیں معلوم نہیں، وہ بتلادیجئے۔ آنحضرت ﷺ تعالیٰ نے فرمایا کہ صلوٰۃ کے لئے یہ الفاظ پڑھا کرو :

الهم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی ال ابراهیم انک حمید مجید، الهم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابرهیم وعلی ال ابراهیم انک حمید مَجید ؐ

اس لئے التحیات کے بعد نماز میں اسی درود شریف کا پڑھنا سنت قرار دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مسلمانوں پر رسول کریم ﷺ کے احسانات عظیمہ کا تقاضہ یہ تھا کہ مسلمان اپنی طرف سے اس احسان عظیم کا کوئی بدلہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ لیکن اس درود شریف میں جو الفاظ مسلمانوں کو تلقین کئے گئے ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان اپنی طرف سے حضور ﷺ کو کوئی تحفہ پیش کرنے کے بجائے اللہ جل شانہ سے یہی درخواست کریں کہ وہی اپنے رسول ﷺ پر مزید رحمت نازل فرمائیں۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کا مقام اتنا بلند ہے کہ تمام امت مل کر بھی آپ ﷺ کے شایان شان کوئی تحفہ پیش کرنے کی قدرت نہیں رکھتی جو آپ ﷺ کے احسانات کا کچھ بدل ہو سکے۔ بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست اور دعا کریں کہ وہی اپنی شان کے مطابق مزید رحمت ولطف وکرم کا معاملہ ہمارے محسن اعظم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فرمائیں۔

یہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری اس درخواست ودعا کی حاجت نہیں، بلکہ اس کا سارا فائدہ بھی ہمیں ہی پہنچتا ہے جس کا ذکر روایت حدیث میں آگے آنے والا ہے۔

درود شریف رسول کریم ﷺ کا خصوصی اعزاز ہے

رسول کریم ﷺ پر درود وسلام کا تاکیدی حکم اور اس کے فضائل وبرکات جس طرح قرآن اور شریعت اسلام میں آئے ہیں، یہ پچھلی کسی امت وشریعت میں نہیں ہیں، یہ حکم ہمارے رسول کریم ﷺ کی ان خصوصیات میں سے ہے جن میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انبیاء میں امتیاز خاص عطا فرمایا ہے۔

درود شریف کس وقت فرض واجب ہو جاتا ہے؟

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس طرح کلمۂ توحید کا کم از کم ایک مرتبہ زبان سے ادا کرنا فرض ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر درود شریف بھی فرض ہے۔ اور جس وقت رسول اللہ ﷺ کا نام مبارک لیا جائے تو بولنے والے اور سننے والے ہر شخص پر درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

حدیث : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

''ذلیل وخوار ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے''۔

(ترمذی وقال حدیث حسن)

حدیث :

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے“۔

(ترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

اور نماز میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے۔

وہ خاص اوقات جن میں درود شریف مستحب ہے

- ☆ جب انسان کسی مجلس میں بیٹھے تو درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (حصن حصین)
- ☆ ہر دعا کے اول و آخر میں بھی درود شریف پڑھنا مستحب اور دعا کی مقبولیت کے لئے مؤثر ہے۔ (حصن حصین)
- ☆ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت بھی درود شریف مستحب ہے۔
- ☆ اذان کے بعد بھی درود شریف پڑھنا چاہئے۔ (مسلم و ترمذی)
- ☆ وضو کے وقت بھی درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔
- ☆ ہر کتاب اور تحریر کے شروع میں بسم اللہ اور الحمد کے بعد درود شریف سنت ہے۔
- ☆ تہجد کے لئے نیند سے اٹھنے کے وقت بھی درود شریف سنت ہے۔
- ☆ مصائب اور آفات کے وقت بھی درود شریف مسنون اور سب مشکلات کا حل ہے۔ (زاد اسعید)

درود شریف کے الفاظ

اوپر حدیث گزر چکی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو درود شریف کا حکم دیا گیا تو صحابۂ کرامؓ نے خود اپنی رائے سے اس کے کلمات تجویز نہیں کئے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کئے اور آپ ﷺ نے مخصوص کلمات کی تلقین فرمائی۔

اس کے علاوہ دوسری احادیث میں کچھ دوسرے الفاظ بھی حضور ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو الفاظ خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمائے ہیں ان کی خاص اہمیت ہے اس لئے بہتر اور افضل یہی ہے کہ خارج نماز بھی جو درود شریف پڑھا جائے اس میں رسول اللہ ﷺ ہی کے بتلائے ہوئے الفاظ کو اختیار کیا جائے لیکن اپنی طرف سے بھی اگر ان الفاظ کے ساتھ رسول مقبول ﷺ کی کچھ صفات

وغیرہ کا اضافہ کر دیا جائے تو اس میں بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ سلف صالحین اور اولیاء امت سے بہت سے کلمات منقول ہیں۔ لیکن اتنی بات بہر حال ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ پر درود و سلام کے معاملہ میں خاص احتیاط لازم ہے۔ اپنی طرف سے ایسے طریقے اور ایسے الفاظ اختیار کرنا جو نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں نہ صحابہ کرام سے ایک غلط طریقہ ہے جس میں بسا اوقات نیکی برباد گناہ لازم ہو جاتا ہے۔

فضائل درود شریف

حدیث : صحیح مسلم و ابوداؤد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

''جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائیں گے''۔

حدیث : عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

'' جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ کم بھیجو یا زیادہ''۔ (علامہ سخاوی)

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہوں میں یا دنیوی آفتوں میں مبتلا ہو اور کوئی تدبیر و علاج کار گر نہ ہو اس کو چاہیے کہ درود شریف کا ورد کثرت سے کرے کیونکہ حدیث مذکور کے وعدہ کے مطابق ایک درود پر اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں نازل ہوں گی۔ تو جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے گا اس پر اسی کثرت سے اللہ تعالی کی رحمتیں متوجہ ہوں گی، ناممکن ہے کہ اتنی رحمتوں کے سایہ میں اس کی مشکلات دور نہ ہوں۔

حدیث : حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

'' جس شخص کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہیے کہ مجھ پر دورد بھیجے۔ اور جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالی اس پر دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف فرمائے گا اور اس کے دس درجے بلند فرمائے گا''۔

(مسند احمد نسائی از ترغیب)

حدیث : حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

"قیامت کے دن سب سے زیادہ وہ میرے قریب شخص ہوگا جو سب سے زیادہ مجھ پر درود بھیجنے والا ہے"۔ (ترمذی ابن حبان من القول البدیع للسخاوی)

علامہ سخاوی نے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ تین آدمی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے، جس دن اس کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا۔ ایک وہ شخص جو کسی مصیبت زدہ کی مصیبت ہٹادے دوسرے وہ جو میری سنت کو زندہ کرے تیسرے وہ جو میرے اوپر کثرت سے درود بھیجے۔

علامہ سخاوی رحؒ نے "قوت القلوب" سے نقل کیا ہے کہ کثرت کی کم مقدار تین سو مرتبہ ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب رحؒ دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "فضائل درود شریف" میں نقل کیا ہے کہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ بھی اپنے مریدین کو تین سو مرتبہ درود شریف بتایا کرتے تھے۔

علامہ نے حدیث مذکور کی بناء پر فرمایا ہے کہ قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ سے نزدیک تر حضرات محدثین ہوں گے کیونکہ ان کا دن رات کا شغل ہی حدیثِ رسول بیان کرنا اور لکھنا ہے جس میں بار بار حضور ﷺ کا نامِ مبارک آتا ہے اور ہر مرتبہ نامِ مبارک کے ساتھ درود شریف پڑھتے اور لکھتے ہیں۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے "زاد السعید" میں بروایت طبرانی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ :

"جو شخص مجھ پر درود بھیجے کسی کتاب میں (یعنی لکھے) ہمیشہ فرشتے اس پر درود شریف بھیجتے رہیں گے جب تک میرا نام اس کتاب میں رہے گا"۔

حدیث : حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ :

"اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین میں پھرتے رہتے ہیں درود میری اُمت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں"۔ (نسائی، ابن حبان، احمد، حاکم وقال الحاکم صحیح الاسناد)

حضرت حسن رضؓ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :

"تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھتے رہا کرو۔ بے شک تمہارا اور میرے پاس پہنچتا رہتا ہے اور میں اس کے بدلہ میں تم پر درود بھیجتا ہوں اور اس کے علاوہ اس کے لئے دس نیکیاں بھی لکھی جاتی ہیں"۔

حدیث : علامہ سخاوی ؒ نے ''القول البدیع'' میں بروایت شعب الایمان، بیہقی یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے میں خود اس کا درود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے''۔

بعض روایات میں ہے کہ درود بھیجنے والے کا نام مع ولدیت آپ ﷺ کے پاس پہنچایا جاتا ہے کہ فلاں بن فلاں آپ ﷺ پر درود بھیج رہا ہے۔

اور دوسری روایات حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر ایک کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ کون سی عزت وعظمت ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے سلام کا جواب دیں۔ بعض بزرگوں کے واقعات میں تو یہ بھی منقول ہے کہ اپنے سلام کا جواب انہوں نے خود اپنے کانوں سے سن لیا۔

علاقہ کابل کے ایک مشہور بزرگ بناء پاکستان کی ابتدا میں کراچی تشریف لے آئے تھے، مجھ پر بڑا کرم فرماتے تھے انہوں نے ذکر کیا کہ ایک مرتبہ میں مسجدِ نبوی ﷺ میں معتکف تھا میں نے دیکھا کہ نصف شب کے بعد ایک شخص تکرونی آئے اور روضۂ اقدس ﷺ کے سامنے پہنچ کر سلام عرض کیا تو روضۂ اقدس ﷺ کے اندر سے جوابِ سلام کی آواز آئی جس کو میں نے اپنے کانوں سے سنا اور ہر رات یہی سلسلہ مَیں دیکھتا رہا۔

حدیث : حضرت ابی ابن کعب ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ :

''رسول للہ! میں آپ پر کثرت سے درود شریف بھیجنا چاہتا ہوں تو اس کی مقدار اپنے اوقاتِ دعا میں سے کتنی مقرر کردوں''، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''جتنا تم چاہو کرسکتے ہو''۔ میں نے عرض کیا کہ ''اوقاتِ دعا میں سے ایک چوتھائی درود شریف کے لئے مقرر کرلوں تو کیسا ہے؟''، فرمایا کہ ''چوتھائی بھی کافی ہے اور زیادہ کرلو تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے''، تو میں نے عرض کیا کہ، ''نصف؟''، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اختیار ہے مگر زیادہ کرلو تو زیادہ بہتر ہے''، تو میں نے عرض کیا کہ، ''دو تہائی وقت درود شریف میں صَرف کردوں''، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تمہیں اختیار ہے اور اگر زیادہ کرلو تو زیادہ بہتر ہے''، میں نے عرض کیا، ''تو اب میں اپنی دعا اور وظیفہ کا پورا وقت درود شریف میں صَرف کروں گا''۔ حضور ﷺ نے

فرمایا، ''اگر تم نے ایسا کرلیا تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کا کفیل ہو جائے گا اور تمہارے گناہوں کا کفارہ کردیا جائے گا''۔ (ترمذی)

حدیث : حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ :
''جو شخص صبح کو دس مرتبہ اور شام کو دس مرتبہ مجھ پر درود بھیجے گا وہ قیامت کے روز میری شفاعت پائے گا''۔ (طبرانی باسناد وحید از القول البدیع)

حدیث : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:
''جس شخص کے پاس صدقہ خیرات کرنے کے لئے مال نہ ہو اس کو چاہئے کہ اپنی دعا میں یہ درود شریف پڑھا کرے :

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ ط

''یا اللہ! رحمت بھیجئے اپنے بندے اور رسول محمد (ﷺ) پر اور رحمت بھیجئے تمام ایمان والے مردوں اور عورتوں پر اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر''۔

ارشاد فرمایا کہ ''یہ درود شریف اس کے لئے صدقہ وخیرات کے قائم مقام ہو جائے گا''۔
(ابن حبان فی صحیحہ از القول البدیع)

درود شریف کے بعض خواص

سیدی حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے اپنی کتاب ''زاد السعید'' میں درود شریف کی بعض خصوصیات اور دینی ودنیوی مقاصد کے حصول میں اس کی برکات مستند روایات سے نقل فرمائی ہیں جو یہ ہیں :

قبولیتِ دعا

(۱) حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں کہ تمام دعائیں رکی رہتی ہیں جب تک محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر درود نہ پڑھو۔ (معجم اوسط طبرانی)

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے ہیں کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان معلق رہتی ہے اوپر نہیں جاتی جب تک اپنے نبی ﷺ پر درود نہ پڑھو۔ (ترمذی)

مال میں برکت وزیادتی

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ جس شخص کو یہ منظور ہو کہ میرا مال بڑھ جائے تو اس کو چاہئے کہ ان الفاظ کے ساتھ درود پڑھا کرے۔

اللھم صلی علیٰ محمد عبدک ورسولک وصلّی علی المئومنین والمئومنات والمسلمین والمسلمات ؁

پاؤں سوجانے کا علاج

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اس کا پاؤں سوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص تجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اس کا نام لے لو۔ اُس نے کہا "محمد ﷺ" اُسی وقت سُن اُتر گئی۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا پاؤں سوگیا۔ انھوں نے بھی یہی عمل کیا فوراً سُن اُتر گئی۔ (حاشیہ حصن حصین)

بھولی ہوئی چیز یاد آنا

ابوموسیٰ مدینی نے بسند ضعیف روایت کیا ہے کہ ارشاد فرمایا رسول کریم ﷺ نے کہ جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ مجھ پر درود بھیجو، وہ چیز یاد آجائے گی۔ انشااللہ تعالیٰ۔ (فضائل درود وسلام)

خواب میں حضور ﷺ کی زیارت

درود شریف کی سب سے زیادہ لذیذ اور شیریں تر خاصیت یہ ہے کہ اس کی بدولت رسول ﷺ کی زیارت خواب میں نصیب ہوتی ہے۔ درود شریف کی کثرت سے عموماً یہ دولت نصیب ہوجاتی ہے اور بعض درودوں کو بالخصوص بزرگوں نے آزمایا ہے۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ نے کتاب "ترغیب اہل السعادات" میں لکھا ہے کہ شب جمعہ میں دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں گیارہ بار آیۃ الکرسی اور گیارہ مرتبہ قل ہواللہ اور بعد سلام سو بار یہ درود شریف پڑھے، انشااللہ تعالیٰ تین جمعے نہ گزرنے پائیں گے کہ زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود شریف یہ ہے :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ ؕ

نیز شیخ موصوف نے لکھا ہے کہ جو شخص دو رکعت نماز پڑھے۔ ہر رکعت میں بعد الحمد کے ۲۵ بار قل ھو اللہ اور بعد سلام ایک ہزار مرتبہ یہ درود شریف پڑھے، دولتِ زیارت نصیب ہوگی۔ وہ درود یہ ہے:

صَلَّی اللّٰهُ عَلیٰ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ؕ

تنبیہ ضروری

مگر اس دولت کے حاصل ہونے کی بڑی شرط قلب کا شوق سے پُر ہونا اور ظاہری و باطنی گناہوں سے بچنا ہے۔ (فضائل درود و سلام)

اہل علم کے لئے دعوت فکر وعمل

زیرنظر مضمون میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وہ عبارات جمع کی گئی ہیں جن میں انہوں نے اہل علم حضرات سے ان کی شرعی مسئولیت کے تحت ہمدردانہ گزارشات کی ہیں۔ جو اہل علم کو دعوت فکر وعمل دے رہی ہیں۔

اجتہادی مسائل اور ہماری ذمہ داری

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اجتہادی مسائل اور ان کے اختلاف جن میں ہم اور عام اہل علم الجھتے رہتے ہیں اور علم کا پورا زور اس پر خرچ کرتے ہیں۔ ان میں صحیح اور غلط کا فیصلہ دنیا میں تو کیا ہوتا میرا گمان تو یہ ہے کہ محشر میں بھی اس کا اعلان نہیں ہوگا۔ کیونکہ رب کریم نے جب دنیا میں کسی امام مجتہد کو باوجود خطا ہونے کے ایک اجر وثواب سے نوازا ہے اور ان کی خطا پر پردہ ڈالا ہے۔ تو اس کریم الکرماء کی رحمت سے بہت بعید ہے کہ وہ محشر میں اپنے مقبولان بارگاہ میں سے کسی کی خطا کا اعلان کر کے اس کو رسوا کریں۔

امام حدیث حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا کہ جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین کا اختلاف ہوگیا وہ اختلاف قیامت تک مٹایا نہیں جاسکتا۔ (وحدت امت ص ۲۱)

اہل اجتہاد اور جدید مجتہدین

امام شافعیؒ کے کلام میں اس کی دلیل موجود ہے کہ کوئی مجتہد دوسرے مجتہد کو خطاوار نہ قرار دے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے وہ فرض ادا کر دیا جو اس کے ذمہ تھا۔ یعنی اس کے اجتہاد اور قیاس کے شرائط موجود ہوں اور اہل اجتہاد کے نزدیک اس کو اجتہاد کا حق حاصل ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو مختلف آراء کا یہ احترام کہ ان میں سے کسی کو منکر نہ کہا جائے اور اس کے کہنے ماننے والوں کو خطاوار نہ کہا جائے۔ یہ صرف اس صورت میں ہے کہ اجتہاد صحیح اس کی شرائط کے مطابق ہو۔

آج کل کا سا جاہلانہ اجتہاد نہ ہو کہ جس کو عربی زبان بھی پوری نہیں آتی اور قرآن وحدیث سے اس کا رابطہ کبھی نہیں رہا۔ اردو انگریزی ترجموں کے سارے قرآن وحدیث پر مشق شروع کردی ایسا اجتہاد خود ایک گناہ عظیم ہے۔ اور اس سے پیدا ہونے والی رائے دوسرا گناہ اور گمراہی اور خلاف ومشاق ہے جس پر نکیر واجب ہے۔ (وحدت امت ص ۲۴)

تجاوز عن الحدود

اجتہادی مسائل میں اختلاف کے حدود کو توڑ کر تفرق وتشتت اور جنگ وجدل اور ایک دوسرے کے ساتھ تمسخر واستہزا تک پہنچ جانا جو کسی شریعت وملت میں روا نہیں اور افسوس ہے کہ یہ سب کچھ خدمت علم دین کے نام پر کیا جاتا ہے۔ اور جب یہ معاملہ ان علماء کے متبعین عوام تک پہنچتا ہے تو وہ اس لڑائی کو جہاد قرار دیکر لڑتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کا جہاد خود اپنے ہی دست بازو سے ہونے لگے اس کو کسی غنیم کی مدافعت اور کفر والحاد کے ساتھ جنگ کی فرصت کہاں؟

قرآن وحدیث میں اسی تجاوز عن الحدود کا نام تفرق ہے جو جائز اختلاف رائے سے الگ ایک چیز ہے۔ (وحدت امت ص ۳۰)

اہل علم کے لئے لمحہ فکریہ

ہمارا معاشرہ سماجی برائیوں سے پر ہے۔ اعمال واخلاق برباد ہیں، معاہدات میں فریب ہے، سود قمار بازی، شراب، خنزیر بے حیائی بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھا گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ انبیاء کے جائز وارث اور ملک وملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے۔ اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا، اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا ظہور ہوتا ہے، وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا۔

ہمارا زور زبان اور زور قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصول ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل، ہم سب بنیان مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریقہ اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کئے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔ (وحدت امت ص ۴۳)

دین ومذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ جدل بنا ہوا ہے جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افترا و بہتان تمسخر واستہزا جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال وقتال اور لڑائیاں ہیں، نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوتی ہے۔

ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزا کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت کھانے والوں سے وہ نفرت نہیں، جو ان مسائل میں اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔ (وحدت امت ص ۵۳)

اہل علم کے لئے راہ عمل

۱۔ حضرات علماء سے میری ہمدردانہ گزارش یہ ہے کہ سب سے پہلے تو اپنے دلوں میں اس کا عہد کریں کہ اپنی علمی وعملی صلاحیت اور زبان وقلم کے زور کو زیادہ سے زیادہ اس محاذ پر لگائیں گے جس کی حفاظت کے لئے قرآن وحدیث آپ کو بلا رہے ہیں اور اس کام کے لئے اپنے موجودہ مشاغل میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نکالیں گے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ آپس کے نظریاتی اور اجتہادی اختلاف کو صرف اپنے اپنے حلقہ درس اور تصنیف وتالیف اور فتوی تک محدود رکھیں گے۔ عوامی مجلسوں، اخباروں، اشتہاروں، باہمی مناظروں اور جھگڑوں کے ذریعہ ان کو نہ اچھالیں گے۔ ان حلقوں میں بھی پیغمبرانہ اصول ودعوت وتبلیغ کے تابع دل خراش عنوان اور طعن وتشنیع، استہزا تمسخر اور صحافیانہ فقرہ بازی سے گریز کریں گے۔

۳۔ تیسرے یہ کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی بیماریوں کی اصلاح کے لئے دلنشین عنوان اور مشفقانہ لب ولہجہ کے ساتھ کام شروع کر دیں گے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ الحاد و بے دینی اور تحریف قرآن وسنت کے مقابلہ کے لئے پیغمبرانہ اصول ودعوت کے تحت حکیمانہ تدبیروں، مشفقانہ وناصحانہ بیانوں اور دلنشین دلائل کے ذریعہ مجادلہ بالتی ھی احسن کے ساتھ اپنے زور بیان اور زور قلم کو وقف کر دیں گے۔ (وحدت امت ص ۴۴)

دورِ حاضر کے اہل علم کی اہم ذمہ داری

ائمہ مجتہدین نے اپنی مقدور بھر کوششیں اور عمریں قرآن کریم وحدیث نبوی ﷺ کے سمجھنے اور ان ہر دو ماخذوں سے احکام اور ان کی علل وغایات استنباط کرنے میں اور غیر منصوص مسائل کے احکام ان سے اخذ کرنے میں صرف کیں، بالاخران برگزیدہ نفوس کی سعی وکوشش سے ایک عظیم ذخیرہ احکام وقوانین ظہور پذیر ہوگیا۔ جس کو فقہ اسلامی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی میں ہمارے اس زمانہ کی پیشتر ضروریات کا حل موجود ہے لیکن جدید تمدن اور صنعتی انقلاب نے اس زمانہ میں نت نئے مسائل پیدا کردیئے ہیں۔ معاملات، معاشیات، اور اقتصادیات کے سلسلے میں سینکڑوں ایسے مسائل پیدا ہوگئے ہیں جو حل طلب ہیں اور علماء امت کو دعوت فکر دے رہے ہیں کہ وہ، فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کا حل پیش کریں۔ (بیمہ زندگی ص ۴۸)

فقہی مسائل میں اجتماعی غور فکر کا سلسلہ قرن اولیٰ سے چلا آتا ہے۔ جن مسائل میں قرآن وسنت کے اندر کوئی نص صریح نہیں ہے ان میں قرآن وسنت ہی کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق احکام شریعہ معلوم کرنے کے لئے خود رسول اللہ ﷺ نے ایک زرین ہدایت نامہ دیا ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ :

> ''میں نے عرض کیا، ''یارسول اللہ ﷺ اگر ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حکم قرآن وسنت میں مذکور نہیں تو اس میں ہمارے لئے کیا ارشاد ہے؟''، آپ ﷺ نے فرمایا، ''اس میں فقہاء اور عابدین سے مشورہ کر کے کوئی رائے قائم کرو، انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو''۔

اسی حدیث کے مقتضیات پر عمل کرتے ہوئے مختلف زمانہ میں علماء امت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ نئے پیش آنے والے احکامِ دینیہ خصوصاً اجتماعی نوعیت کے مسائل میں باہمی غور وفکر مشورہ اور بحث وتمحیص کے بعد کوئی فتویٰ دیتے تھے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا عمل بھی اسی پر تھا۔

فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے نہوں نے ماہر ''فقہا عابدین'' کی جو مجلس بنائی ہوئی تھی اس کا مقصد بھی یہی تھا۔ مغلیہ حکومت کے دور میں ''فتاویٰ عالمگیریہ'' جیسی عظیم الشان کتاب بھی اسی طرح مرتب ہوئی۔

مشین کی ایجاد کے بعد حالات نے جو پلٹا کھایا ہے اس سے زندگی کا کوئی گوشہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اس سے انسانی زندگی کے ہر شعبے میں انقلابی تبدیلی پیدا کی ہیں اور ہر علم وفن میں نئے مسائل پیدا کر کے تحقیق وتفتیش کے نئے میدان کھولے ہیں۔ اسی ضمن میں ایسے بے شمار فقہی مسائل بھی پیدا ہوگئے ہیں جن کا صریح حکم قرآن وسنت یا فقہا امت کے کلام میں موجود نہیں اور ان کا حل تلاش کرنے کے لئے فقہ اور اصولِ فقہ کی روشنی میں تحقیق ونظر کی ضرورت ہے۔ (انسانی اعضاء کی پیوندکاری ص۴)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کو اس اہم ذمہ داری سے عہدہ براہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں مقبول خدماتِ دینیہ میں صَرف کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔ آمین

(البلاغ ، کراچی)

رسُوم ورواج کی حیثیت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع قدس سرہٗ

قدیم زمانہ سے دستور ہے کہ ہر ملک ہر شہر بلکہ ہر گاؤں میں ہر قسم کی تجارت کے لئے خاص خاص بازار (پینٹھ) قائم کئے جاتے ہیں۔ میلے اور نمائشیں منعقد کی جاتی ہیں جس کی غرض تجارت کی ترقی اور عام لوگوں کے حوائج کا بآسانی پورا ہونا ہے۔ تجارت پیشہ حضرات ان ایام ومواسم کو اہتمام کے ساتھ یاد رکھتے ہیں ان کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے ہیں اور انہیں ایام کو تجارت کی ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں۔

پھر یہ بازار کہیں روزانہ صبح وشام کھلتے ہیں اور کہی ہفتہ وار یا ماہوار اور زیادہ مہتمم بالشان نمائشیں سالانہ ہوتی ہیں اسی طرح سمجھئے کہ ہر انسان شریعت کی نظر میں ایک تاجر ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

کلّ یغدُوْ فبائع نفسه فَمعتقها او مو بقها

''ہر شخص صبح کو اٹھتا ہے تو اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے پھر کوئی اس کو آزاد کرالیتا ہے اور کوئی ہلاک کرڈالتا ہے''۔

دنیوی تجارت گاہیں اگر بازار ہیں جن کو حدیث میں ابغض البقاع (سب سے زیادہ مبغوض اور بری جگہ) فرمایا گیا ہے۔ تو اس دینی تجارت کی جگہ مسجدیں ہیں جن کو احب البقاع (سب سے زیادہ محبوب جگہ ۱۲) کا خطاب دیا گیا ہے۔ صبح شام جب کہ ہر شخص اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے تو اس منڈی کے ہوشیار تاجر اپنی دکانیں احب البقاع میں جالگاتے ہیں۔

علی الصباح چو مردم بکاروبار روند
بلاکشان محبت بکوئے یار روند

اس غیر محسوس تجارت کے لئے بھی ہفتہ وار، ماہوار اور سالانہ نمائشیں مقرر ہیں جن پر اس تجارت کا جزرومد اور ترقی وتنزلی موقوف ہے۔

سب سے بڑی سالانہ نمائشیں رمضان المبارک میں ہوتی ہے جو تمام مہینہ رہتی ہے اور جس میں لیل ونہار بازار گرم رہتا ہے مال کی نکاسی زیادہ اور ہر چیز کی قیمت ستّر گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ اٹھتی ہے۔ بازاروں کو صاف وآراستہ رکھا جاتا ہے اس بازار کے تمام خس وخاشاک (یعنی شیاطین کو ایک طرف کردیا جاتا ہے اور چھوٹی نمائش ہفتہ وار ہوتی ہے جس کو جمعہ کہا جاتا ہے (بخاری ومسلم ۱۲) اور شاید حدیث ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اذا سلمت الجمعة سلمت الایّام واذا سلم رمضان سلمت السنة. (از تفسیر در منشور)

''جب جمعہ کا دن سلامتی سے گذر جائے تو سمجھو کہ ہفتہ کے باقی کے دن بھی سالم رہیں گے اور جب ماہِ رمضان سلامتی سے گذر جائے تو سمجھ لو کہ سارا سال سلامتی سے گذرے گا''۔

لیلۃ البرأت یا شبِ برأت

ان دونوں (جمعہ ورمضان) کے علاوہ وسطِ سال میں مختلف مہینوں میں چھوٹی بڑی نمائشیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک لیلۃ البراءۃ بھی ہے۔ برأت کے معنی لغت میں بَری ہونے کے ہیں اس رات میں چونکہ گنہگاروں کی مغفرت اور مجرموں کی برأت ہوتی ہے اس لئے شبِ برأت کہتے ہیں اور پھر کثرت استعمال سے شبِ برأت زبان زد ہوگیا اور یہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جو چودہ تاریخ کی شام سے شروع ہوتی ہے۔ اس مبارک رات میں بھی اخروی تجارت کی ایک بڑی نمائش ہوتی ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ اس کے فضائل وبرکات کی شاہد ہیں۔

حدیث (۱): نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نصف شعبان کو رات میں اپنی تمام مخلوق کی طرف ایک خاص توجہ فرماتے ہیں اور مشرک اور کینہ ور آدمی کے سوا سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور اس مضمون کو امام احمدؒ نے مسند میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ (ترغیب وترہیب ص ۲۱۰)

حدیث (۲): حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتی ہیں کہ:

۱؎ یہ حدیث طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی کتاب صحیح میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے نقل کی ہے۔

"ایک رات آنحضرت ﷺ تہجد کے لئے کھڑے ہوئے، نماز شروع کی اور سجدے میں پہنچے تو اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے یہ خطرہ ہو گیا کہ خدانخواستہ آپ ﷺ کی روح قبض ہو گئی ہے یہاں تک کہ میں پریشان ہو کر اُٹھی اور پاس جا کر آپ ﷺ کے انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ ﷺ نے کچھ حرکت فرمائی جس سے مجھے اطمینان ہو گیا اور میں اپنی جگہ لوٹ آئی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو (تھوڑے کلام کے بعد) فرمایا تم جانتی ہو کہ یہ کون سی رات ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی خوب جانتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ نصف شعبان کی رات ہے۔ خداوند عالم اس رات خاص طور سے اہلِ عالم کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور مغفرت مانگنے والوں کی مغفرت اور رحم کی دعا کرنے والوں پر رحم فرماتے ہیں مگر آپس میں کینہ رکھنے والوں کو (اس وقت بھی) اپنے ہی حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ (از ترغیب وترہیب)

حدیث (۳) : ابن ماجہ نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ :

"جب نصف شعبان کی رات آئے تو رات کو جاگو اور نماز پڑھو اور دن کو روزہ رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس رات کو غروبِ آفتاب کے وقت سے ہی نیچے آسمان پر تجلّی فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ ہم اس کی مغفرت کر دیں، ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ ہم اسے رزق دیں۔ یہ صلائے عام اسی طرح برابر جاری رہتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جائے"۔ (کذا فی الترغیب ص ۲۱۰)

احادیث مذکورہ کا خلاصہ اور شبِ برأت کے مسنون اعمال

ان احادیث سے جس طرح اس مبارک رات کے بیش بہا فضائل و برکات معلوم ہوئے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے اس رات میں اعمال ذیل مسنون ہیں:

۱۔ رات کو جاگ کر نماز پڑھنا اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور عاقبت اور اپنے مقاصد دارین کی دعا مانگنا۔

۳۔ اس کی صبح کو یعنی پندرھویں تاریخ کو روزہ رکھنا۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین سے اس رات میں جاگنا اور اعمالِ مسنونہ پر عمل کرنا قابلِ اعتماد روایات سے ثابت ہوا ہے جیسا کہ مواہب اللدنیہ کے آخر میں لکھا ہے اور ابن حاج مکی مدخل ص ۲۴۸ میں تحریر فرماتے ہیں کہ سلف صالحین اس رات کی تعظیم کرتے اور اس کے لئے پہلے سے تیاریاں کرتے تھے۔

نیز ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مندرجہ ذیل گناہ اس قدر سخت ہیں کہ ان کی نحوست اس مبارک رات کی برکات سے محروم کردیتی ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

۱۔ خدا کے ساتھ کسی کو اس کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا۔

۲۔ کسی مسلمان بھائی سے کینہ رکھنا۔

۳۔ عزیزوں، قریبوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان کو ادا نہ کرنا ان سے بدسلوکی کرنا۔

۴۔ پائجامہ یا تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔

۵۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔

۶۔ شرابی ہونا۔

۷۔ ظلم سے محصول یا رشوت لینا۔

۸۔ جادو کرنا۔

۹۔ غیب کی خبریں بتانا، فال نکالنا وغیرہ۔

۱۰۔ ہاتھ کے خطوط دیکھ کر غیب کی چیزیں بتانا۔

۱۱۔ طبل یا طنبور بجانا۔

۱۲۔ چوسر کھیلنا۔

شبِ برأت کی بدعات اور ان کی دینی و دنیوی تباہی

اس مبارک رات کے فضائل و برکات لکھنے کے بعد بڑے افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہماری غفلت و جہالت نے اس کے ثواب کو عذاب سے اور برکات کو دینی و دنیوی نقصانات سے بدل دیا ہے۔ کبھی مسلمان وہ لوگ تھے کہ ہر شر میں سے کوئی خیر اور ہر برائی میں سے کوئی بھلائی اور نقصان و مضرت کی جگہ سے بھی نفع کما لاتے تھے۔ اور آج ہماری شامت اعمال نے اس طرح کایا پلٹ دی ہے کہ ہر بھلائی کی جگہ سے برائی اور نفع کی جگہ سے بھی نقصان ہمارے حصہ میں آتا ہے ۔

از قضا سرکنگبیں صفر افزود روغنِ بادام خشکی نے نمود

ابوالعتاہیہؒ نے کیا خوب فرمایا ہے :

اذا کان غیر اللہ فی عین الفتیٰ

اتتہ الرایا من وجوہ الفوائد

یعنی جب آدمی کا بھروسہ خدا کے سوا کسی اور پر ہوتا ہے تو فوائد کی جگہ سے بھی اس کو مصائب سامنے آتے ہیں۔ غرض اپنی شومیٔ اعمال کسی برکت کا حصہ نہیں لینے دیتی بلکہ طرح طرح کی بدعتیں اور قبیح رسمیں ایجاد کر کے ہر ایک برکت کو اپنے لئے مصیبت بنا دیتی ہے۔

شبِ برأت بھی ان خرافات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ چھوڑ کر قسم قسم کی لغو رسمیں ایجاد کر لی گئیں ہیں جن کو فرائض کی طرح التزام سے ادا کیا جاتا ہے یعنی جن میں سے بعض یہ ہیں۔

رسمِ آتشبازی اور لاکھوں روپیہ اور بہت سی جانوں کا نقصان

یہ رسم نہ صرف ایک بے لذت گناہ ہے بلکہ اس کی دنیوی تباہیاں بھی ہمیشہ آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔

(۱) ایک تو اپنے مال کا ضائع کرنا اور بے جا اسراف ہے جو دنیا میں بھی علاوہ مذموم ہونے کے ہر قسم کی بربادی ہے اور قرآن کریم ایسے شخص کو شیطان کا بھائی فرماتا ہے آتشبازی پر ہمارے ایک ایک شہر میں قوم کا لاکھوں روپیہ سالانہ ضائع ہوتا ہے۔

افسوس جس قوم کی اقتصادی حالت اس قدر نازک اور خطرناک ہوا اور جس کو افلاس نے دوسری قوموں کا غلام بنا کر رکھا ہو اس کا اتنا روپیہ اس طرح فضول اور بیہودہ رسوم میں ضائع ہو تو اس کی قومی زندگی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

(۲) اپنی جان کو اور اپنے بچوں کو اور پاس پڑوس کو خطرہ میں ڈالنا ہے ہر سال صدہا واقعات اس قسم کے پیش آتے ہین کہ گھر کے گھر آتشبازی سے تباہ ہو گئے۔

(۳) شب برات میں بچوں کو آتشبازی کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں۔ جو بچپن ہی سے انہیں احکام الٰہیہ کی نافرمانی کی تعلیم اور بیہودہ رسوم کا خوگر بنانا ہے جن کے لئے شرعی حکم تھا کہ ابتداء سے بچوں کو علم وعمل کی تعلیم دو۔ اچھی عادتوں کا خوگر بناؤ، گویا (نعوذ باللہ) شرعی حکم کا پورا مقابلہ ہے۔

(۴) یہ خرافات تو ہر جگہ اور ہر وقت بُری ہیں لیکن شب برات میں جبکہ رحمت خداوندی ہر شخص کو توبہ استغفار کی طرف بلا رہی ہے۔ واہیات کاموں میں مبتلا ہونا درحقیقت اس کی نعمت کا ٹھکرانا ہے (والعیاذ باللہ) اور اسی لئے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ متبرک مقامات اور مبارک اوقات میں جس طرح نیک عمل کا ثواب بڑھتا ہے اسی طرح گناہ کا عذاب بھی زیادہ ہوتا ہے۔

رسم حلوہ

۱۔ اس کو بھی لازم کرلیا گیا ہے کہ اس کے بغیر سمجھتے ہیں کہ شب برات ہی نہیں ہوئی فرائض وواجبات کے ترک پر اتنی ندامت وافسوس نہیں ہوتا جتنا اس کے ترک پر اور جو شخص نہیں کرتا اس کو کنجوس بخیل وغیرہ کے القاب دے کر شرمایا جاتا ہے جس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ایک غیر ضروری چیز کا فرض وواجب کی طرح التزام کرنا۔

۲۔ فضول خرچی وغیرہ وغیرہ اور اس نو ایجاد شریعت کے لئے طرح طرح کی لغو ضرورتیں تراشی جاتی ہیں کوئی کہتا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا جب دندان مبارک شہید ہوا تو آپ نے حلوہ نوش فرمایا تھا۔ یہ اس کی یادگار ہے اور کوئی کہتا ہے کہ حضرت امیر حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے تھے ان کی فاتحہ ہے اول سرے سے یہی غلط ہے کہ دندان مبارک ان دنوں میں شہید ہوا ہو یا حضرت حمزہ اس تاریخ میں شہید ہوئے ہیں۔ کیونکہ دونوں حادثے ماہ شوال میں واقع ہوئے ہیں اور پھر بالفرض اگر ہوں بھی تو اس قسم کی یادگاریں بغیر کسی شرعی امر کے قائم کرنا خود بدعت اور ناجائز ہے، اس کے علاوہ یہ عجیب طرح کی فاتحہ ہے کہ خود ہی پکایا اور خود ہی کھا گئے یا دو چار اپنے احباب کو کھلا دیا۔فقراء، مساکین جو اس کے اصلی مستحق ہیں وہ یہاں بھی دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ واجبات کی طرح التزام ہونے لگے تو ایسی صورت میں مباح بلکہ مستحب بھی فقہا کے نزدیک قابل ترک ہو جاتے ہیں۔

چراغاں کی رسم

بعض شہروں میں دستور ہے کہ اس تاریخ میں مسجدوں میں اور مکانات پر بہت زیادہ روشنی کی جاتی ہے۔اور بہت زیادہ چراغ جلائے جاتے ہیں یہ بالکل کفار کے ساتھ مشابہت اور ہندوؤں کی دیوالی کی نقل ہے جو سخت ناجائز اور حرام ہے۔قرآن کریم کفار کے ساتھ مشابہت پیدا کرنے والوں کو انہیں کی مانند فرماتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت کرلے وہ انہیں میں سے ہے۔

علی ابن ابراہیم فرماتے ہیں کہ اس رات میں زیادہ روشنی کرنا برامکہ سے شروع ہوا ہے۔ یہ لوگ اصل میں آتش پرست تھے، جب اسلام لائے تو انہوں نے یہ رسم اسلام میں داخل کی تاکہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے وقت آگ کو سجدہ کریں پھر آٹھویں صدی ،ہجری میں ان منکرات

کا ائمہ ہدی نے خوب قلع قمع فرمایا اور بلاد مصر وشام سے ان رسوم کو مٹا دیا گیا۔ بعض اکابر نے اس کی وجہ سے مسجد میں اس رات کو جانا چھوڑ دیا (مدخل) عجب نہیں کہ ہمارے زمانہ کی آتشبازی اسی کا شعبہ ہو۔ (ماثبت بالسنۃ)

مسجدوں میں اجتماع اور شوروشغب

رات کو جاگنے کے لئے اگر اتفاقاً دو چار آدمی مسجد میں جمع ہو گئے اور اپنی نماز وتلاوت میں مشغول رہے تو اس میں مضائقہ نہیں لیکن بعض شہروں میں اس کو بھی اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اس کو روکنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً بُلا بُلا کر اہتمام سے لوگوں کو جمع کرنا اور پھر شوروشغب اور لہو ولعب میں رات گذارنا۔ اس طرح اہتمام کے ساتھ مسجدوں میں اجتماع بھی نو ایجاد بدعت ہے۔ صحابہ کرامؓ جن سے زیادہ کوئی عبادت کا شوقین نہیں ہو سکتا کبھی اس طرح جمع نہیں ہوتے تھے اور پھر اس اجتماع کی وجہ سے جو شوروشغب مسجدوں میں ہوتا ہے وہ دوسرا گناہ ہے فرشتے ایسے لوگوں کے لئے بددعا کرتے ہیں جو مسجدوں میں دنیا کی باتیں کریں یا شور مچائیں۔ اس کے علاوہ عالمگیر غفلت اور جہالت کی وجہ سے اور بہت سی باتیں آداب مساجد کے خلاف اور ملائکۃ اللہ کی ایذاء کا باعث ہو کر بجائے نفع کے نقصان وخسران کا سبب بن جاتی ہیں۔ (نعوذ باللہ عنہ)

الغرض اس رت کے اعمال مسنونہ صرف وہ ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان کے علاوہ جو کچھ لوگوں نے ایجاد کیا ہے وہ سب بدعات ومحرمات اور دینی ودنیوی خسران وبربادی کا باعث ہیں ان کے کرنے سے بدر جہا بہتر ہے کہ آدمی پوری رات سوئے اور کچھ نہ کرے۔

تنبیہ : اس ساری گذارش کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان ان اُخروی نمائشوں کو غنیمت سمجھ کر ان سے نفع اٹھائیں اور اس مبارک رات میں اعمال مسنونہ کے ساتھ جاگ کر قبر میں آرام سے سونے کا سامان کرلیں۔ (صائب) ؎

باش بیدار دردل شبہا　　　درلحد چشم خواب اگر داری

اور سمجھ لیں کہ یہ راتیں ہمیشہ میسر نہ ہوں گی ؎

جاگنا ہے جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
حشر تک سونا پڑے گا خاک کے سایہ تلے

اور اگر یہ کچھ نہ ہو سکے تو کم از کم اپنے آپ اور اپنے اہل وعیال کو ان گناہوں سے تو بچالیں جو اس مبارک رات میں ثواب سمجھ کر کئے جاتے ہیں۔

اللّٰھُمَّ لا تجعلنا من الذین حبطت اعمالھم فی الحیوة الدنیا ویحسبون انھم یحسنو ن صنعاً . وللہ الحمدُ من قبل ومن بعد ۰

فضائل واحکام
رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے جو اس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہگار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت

نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے، روزہ کے لئے نیت شرط ہے اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ : رمضان کے روزے کی نیت رات سے کرلینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹے پہلے تک کرسکتا ہے بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

(۱) کان اور ناک میں دَوا ڈالنا۔

(۲) قصداً منہ بھر کے قے کرنا۔

(۳) کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔

(۴) عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہوجانا۔

(۵) کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔

(۶) لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہیں۔

(۷) بھول کر کھاپی لیا اور خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھاپی لیا۔

(۸) رات سمجھ کر صبح صادق کے وقت سحری کھالی۔

(۹) دن باقی تھا مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا۔ (تنبیہ) ان سب چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

(۱۰) جان بوجھ کر بدون بھولنے کے بیوی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے بیچ میں ناغہ نہ ہوں ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنا پڑیں گے اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے ۔آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے اس لئے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں مگر مکروہ ہو جاتا ہے

(۱) بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا، نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ یا منجن یا کوئلہ سے دانت صاف کرنا بھی روزہ میں مکروہ ہیں۔

(۲) تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کئے رہنا۔

(۳) فصد کرنا کسی مریض کے لئے خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے یہ بھی اس میں داخل ہے۔

(۴) غیبت یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یہ ہر حال میں حرام ہے روزہ میں اس کا گناہ اور بڑھ جاتا ہے۔

(۵) روزہ میں لڑنا جھگڑنا گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز یا جاندار کو ان سے بھی روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا

(۱) مسواک کرنا۔

(۲) سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔

(۳) آنکھ میں دوا یا سرمہ ڈالنا۔

(۴) خوشبو سونگھنا۔

(۵) گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔

(۶) کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔

(۷) بھول کر کھانا پینا۔

(۸) حلق میں بلا اختیار دھواں یا گرد و غبار یا مکھی وغیرہ کا چلا جانا۔

(۹) کان میں پانی ڈالنا یا بلا قصد چلے جانا۔

(۱۰) خود بخود قے آجانا۔

(۱۱) سوتے ہوئے احتلام (غسل کی حاجت) ہو جانا۔

(۱۲) دانتوں میں سے خون نکلے مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

(۱۳) اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں نیت کرلی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے

(۱) بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔

(۲) جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔

(۳) جو عورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہں ملتا تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے۔

(۴) مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کے لئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے پھر اگر کچھ تکلیف و دقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔

(۵) بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آگیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آگیا جبکہ روزہ کی نیت ہو سکتی ہے یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہیکہ روزہ کی نیت کرلے۔

(۶) کسی کو قتل کی دھمکی دیکر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔

(۷) کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضاء لازم ہوگی۔

(۸) عورت کے لئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے (یعنی نفاس) اس کے دوران میں روزہ رکھنا جائز نہیں ان ایام میں روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے۔ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کے لئے رمضان میں روزہ نہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا

(۱) کسی سے روزہ قضا ہو گیا تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہیئے زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے۔

(۲) اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں، سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں اتنے ہی دن کی قضا لازم ہوگی۔

سحری

روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا، مسنون اور باعث برکت وثواب ہے۔ نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے سحری سے فارغ ہو کر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

افطاری

آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے ہاں جب ابر وغیرہ ہو تو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیے۔

کھجور اور خرمہ سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں، افطار کے وقت یہ دعا مسنون ہے۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ

اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْشَآءَ اللّٰہُ

تراویح

(۱) رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے۔

(۲) تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہواور کوئی شخص علیحدہ گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہوگئی اگرچہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہااور اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سنت کے گناہ گار ہوں گے۔

(۳) تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے کسی جگہ حافظ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے مگر سنانے پر اجرت و معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں اجرت دے کر قرآن نہ سنیں کیونکہ قرآن سنانے پر اجرت لینااور دینا حرام ہے۔

(۴) اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت تراویح پڑھ چکا ہے اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھانا درست نہیں۔

(۵) جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہوں تو جب امام وتر کی جماعت کرادے اس کو بھی جماعت میں شامل ہوجانا چاہئے اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔

(۶) قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدی کو۔

(۷) جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اعتکاف

اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہوسکیں (جیسے پیشاب پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

(۱) رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنتِ موکدہ علی الکفایہ ہے یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے

ذمہ ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی بھی ایک محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔

(۲) بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں بلکہ مکروہ ہے البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہئے۔

(۳) اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں۔ نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا جو دل چاہے کرتا رہے۔

(۵) جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا تو نمازِ جمعہ کے لئے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

۵) اگر بلا ضرورت طبعی وشرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا خواہ عمداً نکلے یا یا بھول کر، اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہئے۔

(۶) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

(۷) غسلِ جمعہ یا محض ٹھنڈک کے لئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر

چونکہ اس امت کی عمریں بہ نسبت پہلے امتوں کی چھوٹی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے لیکن اس کو پوشیدہ رکھا تا کہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔

رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ ویں، ۲۳ ویں، ۲۵ ویں، ۲۷ ویں اور ۲۹ ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے ان راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور توبہ واستغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہئے۔ اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر وتسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔

حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں آ جاتا ہے ان راتوں کو صرف جلسوں، تقریروں میں صرف کر کے سو جانا بڑی محرومی ہے۔ تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہیں آئے گا البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو درست ہے۔

مسائلِ زکوٰۃ

مسئلہ : اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے (نسائی) اور سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ : کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن اس میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ ہے۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ : سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زیور، برتن حتیٰ کہ سچا گوٹہ، ٹھپہ، اصلی زری سونے چاندی کے بٹن۔ ان سب پر زکوٰۃ فرض ہے اگر چہ ٹھپہ، گوٹہ اور زری کپڑے میں لگے ہوئے ہوں۔ کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے لیکن علیحٰدہ علیحٰدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعے کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ)

مسئلہ : ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئر ہولڈر مالِ نصاب بن جاتا ہو۔ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے اس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ : پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اس پر ابھی زکوٰۃ فرض نہیں ہے لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی بشرطیکہ یہ رقم بقدر نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو۔ وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ : صاحبِ نصاب اگر سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار و شامی)

مسئلہ : جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ (۱/۴۰) دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے چاندی اور مالِ تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا ۱/۴۰ ادے اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے مگر قیمتِ خرید نہ لگے گی۔ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا ۱/۴۰ دینا ہوگا۔ (درمختار ج۲)

مسئلہ : ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ جلد ۱)

مسئلہ : زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ : ادائیگی زکوٰۃ کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے اس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ : مسجد، مدرسہ، خانقاہ، شفاخانہ، کنواں، پُل اور کسی رفاعی ادارہ کی تعمیر میں رقم خرچ کرنا جائز نہیں اگر اس میں خرچ کر دی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کیونکہ اس میں مالِ زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر نہیں دیا گیا۔

مسئلہ : زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے نیت ادائے زکوٰۃ بھی ضروری ہے۔ جس وقت زکوٰۃ کا روپیہ وغیرہ کسی مستحق کو دیں اس وقت دل میں یہ نیت ضرور کرلیں کہ میں زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ اور اگر یوں کیا کہ زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر کے رکھی کہ مستحق آجائیں گے تو دیتا جاؤں گا تو یہ نیت کافی ہو جائے گی پھر چاہے دیتے وقت نیت نہ کرے۔

مسئلہ : جس کو زکوٰۃ دے اس کا مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری ہے البتہ یہ ضروری نہیں کہ اسے یہ بتائیں کہ زکوٰۃ کی رقم ہے اگر قرض بتا کر یا ہدیہ جتا کر زکوٰۃ دے دیں اور خود زکوٰۃ کی نیت کرلی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

مسئلہ : اگر کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مال دیتے وقت ادائے زکوٰۃ کی نیت نہیں کی تو جب تک وہ مال اس غریب کے پاس موجود ہے اس وقت تک بھی نیت کر لینا درست ہے۔ اب نیت کرنے سے بھی وہ زکوٰۃ ہو جائے گا البتہ فقیر کے پاس اس مال کے خرچ ہو جانے کے بعد نیت کی تو اس نیت کا اعتبار نہیں اب دوبارہ زکوٰۃ دینا پڑے گی۔ (درمختار جلد۲)

کسی غریب آدمی پر آپ کے مثلاً دس روپے قرض ہیں اور آپ کے مال کی زکوٰۃ بھی دس روپے یا اس سے زائد ہے تو اگر آپ نے اپنا قرض اس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی البتہ اگر اس کو دس روپے زکوٰۃ کی نیت سے دیدے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ اب یہی روپے اگر آپ اپنے قرض میں سے اس سے وصول کرلیں تو درست ہے۔ (درمختار۔ جلد۲)

مسئلہ : پہلی بار اور ہر سال چاند کے حساب سے ۱۲ ماہ گزر جانے پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس میں انگریزی کے حساب سے سال لگانا درست نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ

(ماہنامہ البلاغ کراچی)

زکوٰۃ کی فرضیت واہمیت

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن زکوٰۃ بھی ہے۔ قرآن کریم نے جا بجا زکوٰۃ کو صلوٰۃ کے ساتھ لگایا ہے:

واقیموا الصلوٰۃ واتوا لزکوٰۃ ، واقاموا الصلوٰۃ واٰتو الزکوٰۃ ،
اقامِ الصلوٰۃ ایتآء الزکوٰۃ

وغیرہ سارے قرآن میں پھیلے ہوئے الفاظ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی فرائض میں سب سے مقدم نماز اور اس کے بعد زکوٰۃ ہے۔

بتصریح قرآن وسنت وباجماعِ امت جس شخص میں شرائطِ زکوٰۃ پائی جائیں زکوٰۃ اس پر فرض ہے اور جو شخص اس کے فرض ہونے کا انکاری ہے وہ مسلمان نہیں اور جو فرض ہونا تسلیم کرنے کے باوجود زکوٰۃ ادا نہ کرے وہ سخت گنہگار فاسق ہے۔

تاریخ زکوٰۃ

ازروئے قرآن وسنت صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کا فریضہ مسلمانوں پر مکہ مکرمہ ہی میں نماز کے ساتھ عائد ہو چکا تھا۔ جیسا کہ مکی سورتوں میں زکوٰۃ کے احکام سے ثابت ہوتا ہے اور امام تفسیر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے تصریح فرمائی ہے۔ البتہ نصابِ زکوٰۃ اور مقدارِ زکوٰۃ اور مصارفِ زکوٰۃ کا تعین اور اس کی وصولیابی کا سرکاری انتظام مدینہ طیبہ میں پہنچنے کے بعد تدریجاً ہوا۔ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب کیا گیا اور اس کے بعد سرکاری طور پر زکوٰۃ وعشر وغیرہ وصول کرنے کے لئے مدینہ کی اسلامی حکومت کی طرف سے عمال مقرر ہوئے اور اس طرح کے تمام اموال صدقہ بیت المال میں جمع کرنے اور فقراء ومساکین پر صَرف کرنے کا اہتمام تھا۔

زکوٰۃ نماز کی طرح ایک مالی عبادت ہے جس کا ادا کرنا ہر مال دار کے ذمہ ہر حال میں ضروری ہے۔ کوئی اسلامی حکومت اور اسلامی بیت المال اس کو وصول کرنے والا ہو یا نہ ہو، پچھلے انبیاء کی تمام شریعتوں میں بھی نماز کی طرح زکوٰۃ کی پابندی فرض تھی مگر ان پچھلی شریعتوں میں مالِ زکوٰۃ کو فقراء ومساکین کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ اس کو کسی جگہ میں رکھ دیا جاتا تھا جس کو آسمانی بجلی آکر جلا دیتی تھی اور یہی قبولیتِ زکوٰۃ کی علامت تھی۔

امتِ مرحومہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی اجازت دے دی کہ اس مال کو مسلمانوں کے فقراء و مساکین کی مشکلات کو حل کرنے کا یہ ایسا بہترین طریقہ ہے کہ اگر زکوٰۃ صحیح طور پر نکالی جائے اور اس کے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا اہتمام کیا جائے تو بقول بعض اہلِ یورپ کے ایک مسلمان بھی ننگا بھوکا نہیں رہ سکتا۔

زکوٰۃ کے معاملہ میں غفلت

مگر افسوس یہ ہے کہ آج کل عام جہالت و غفلت کی بناء پر بہت سے مسلمان تو زکوٰۃ نکالتے ہی نہیں اور جو زکوٰۃ نکالتے ہیں وہ صرف زکوٰۃ نکالنا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن کریم نے صرف زکوٰۃ اپنی جیب سے نکالنے کا حکم نہیں فرمایا بلکہ اس کو مستحقین تک پہنچانے اور ادا کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ قرآنی ارشاد اتوالزکوٰۃ کے معنی زکوٰۃ نکالنے کے نہیں ہیں اور ادا کرنا اسی کو کہتے ہیں کہ جس کا حق ہے اسی کو پہنچایا جائے محض اپنے پاس سے نکال دینے اور کسی کو دے دینے سے حق ادا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیوی قرضوں میں ہر شخص جانتا ہے کہ جو قرض کسی کا کسی کے ذمہ ہے وہ محض جیب سے نکال دینے پر ادا نہیں ہو جاتا بلکہ جب تک قرض خواہوں تک پہنچا کر اس کا مالکانہ قبضہ نہ کرا دیا جائے قرض سے سبکدوشی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب تک زکوٰۃ مستحقین زکوٰۃ کو نہ پہنچائی جائے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔

اس میں عام طور پر زکوٰۃ نکالنے والے مسلمان بڑی غفلت کا شکار ہیں کہ مستحقین کی تلاش و تحقیق کے بغیر رقم زکوٰۃ کسی کو دے کر اپنے آپ کو سبکدوش سمجھ لیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ غیر مستحق لوگ زکوٰۃ و صدقات پر قابض ہو جاتے ہیں اور مستحقین افلاس و مصیبت کا شکار رہتے ہیں۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے پر وعید

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

(۱)

والذین یکنزون الذھب والفضّة ولا ینفقو نھا فی سبیل اللہ فبشّر ھم بعذاب الیم ْ یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی ٰبھاجب اھھم وجنوبھم وظھورھم ط ھٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقو اما کنتم تکنزون ْ (سورہ توبہ آیت ۳۴،۳۵)

ترجمہ: ''جولوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی زکوٰۃ نہیں نکالتے سو آپ ان کو ایک بڑی دردناک سزا سنا دیجئے جو کہ اس روز واقع ہوگی جبکہ اس سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں پہلے تپایا جائے گا پھر اس سونے چاندی سے لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور ان کی پشتوں کو داغ دیا جائے گا (اور یہ جتایا جائے گا) کہ یہ وہی ہے جس کو تم نے اپنے واسطے جمع کر کے رکھا تھا بس اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو''۔

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

(۲)

مامنع قوم الزکوٰۃ الّا ابتلا لاھم اللہ بالسینین ؂ (جمع الفوائد ج ا ص ۱۴۳)

''جو قوم زکوٰۃ نہیں نکالتی اللہ تعالیٰ اسے قحط سالی یعنی ضروریاتِ زندگی کی گرانی میں مبتلا کر دیتے ہیں''۔

آنحضرت ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے:

(۳)

من اتاہ اللہ مالاً فلم یؤدّ زکوتہٗ مثل لہٗ مالہ‘ یوم القیٰمۃ شجاعًا اقرع لہ‘ ذبیبتان یطوّقہ‘ یوم القیٰمۃ ثم یاخذ بلھزمتیہ یعنی یشد قیہ ثم یقول انا مالک انا کنزک ؂ (بخاری شریف ج ا ص ۱۸۸)

''جس کو اللہ نے مال دیا اور اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال بڑا زہریلا اور گنجا سانپ بن کر اس کی گردن میں لپٹ جائے گا۔ پھر اس کے دونوں جبڑے نوچے گا اور کہے گا میں ہی تیرا مال ہوں، میں ہی تیرا خزانہ ہوں''۔

(۴)

آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے کہ ''ہر صبح کو دو فرشتے آسمان سے اُترتے ہیں ایک یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ سخی کو اس کے مال کا بدل عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے کہ اے اللہ بخیل کو ہلاکت نصیب کر''۔

(بخاری مسلم)

(۵)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے دو عورتوں کے ہاتھ میں سونے کے کنگن دیکھے تو ان سے پوچھا کہ ان کی زکوٰۃ دیتی ہو یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا ''نہیں''۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم کو یہ پسند ہے

کہ اس کے بدلے میں تم کو آگ کے کنگن پہنائے جائیں؟ انھوں نے عرض کیا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ''تو اس کی زکوٰۃ دیا کرو''۔ (ترمذی)

(۶)

قیامت کے دن جو سات آدمی اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے ان میں سے رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو بھی بیان فرمایا ہے، جو ایسا چھپا کر صدقہ دے کہ اس کے دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔ (بخاری)

زکوٰۃ کس قسم کے مال پر فرض ہے

پہلے یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر مالی قرض بہت ہی کم سے کم ڈالا ہے اوّل تو ہر مال پر زکوٰۃ نہیں بلکہ صرف اس مال پر ہے جو عادتاً بڑھتا رہتا ہے جیسے مال تجارت یا مویشی یا سونا چاندی کیونکہ سونا چاندی کو اسلام نے ذریعۂ تجارت ہی قرار دیا ہے خواہ کوئی اس کو زیور بنا کر رکھے یا سونے چاندی کے ٹکڑے بند کر کے رکھے مگر شرعاً وہ مال تجارت ہی ہے اس لئے سونے چاندی پر خواہ وہ کسی صورت میں ہو زکوٰۃ فرض ہے۔

اموال کی ان تین قسموں کے علاوہ مکان، دکان، برتن، فرنیچر اور دوسرے گھریلو سامان ملوں اور کارخانوں کی مشینری جواہرات خواہ کتنی قیمت کے کیوں نہ ہوں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں ان میں سے کوئی چیز فروخت کرنے کے قصد سے خریدی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہو گی۔

دوسری بات یہ سمجھ لینی چاہئے کہ مال کی مذکورہ تین قسموں میں بھی مال کا مالک ہوتے ہی زکوٰۃ فرض نہیں ہو جاتی بلکہ سال بھر تک اس میں جتنا چاہے خرچ کرتا رہے آخر سال میں کھانے پینے برتنے اور تمام ضروری اخراجات یا غیر ضروری سے جتنا مال جمع رہے اور اس کا صرف چالیسواں حصہ (یعنی ڈھائی فیصد) بطور زکوٰۃ فرض ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ انکم ٹیکس کی طرح آمدنی پر نہیں بلکہ اصل سرمایہ پر ہے لیکن سرمایا خرچ کرنے پر انکم ٹیکس کے قواعد کی طرح کوئی پابندی نہیں اگر کوئی شخص سارا مال سال بھر میں خرچ کر ڈالے تو اس پر کوئی زکوٰۃ عائد نہیں ہوئی۔ مالِ زکوٰۃ کی چوتھی قسم زرعی زمین اور باغات کی پیدا وار بھی ہے مگر اس کو فقہاء کی اصطلاح میں عشر کہا جاتا ہے اس لئے اس کو احکامِ زکوٰۃ کے بعد عشر ہی کے عنوان سے لکھا جائے گا اور اموال زکوٰۃ کی مذکورہ تین قسموں میں سے چونکہ مویشی کی زکوٰۃ کے معاملات خاص خاص لوگوں کو پیش آتے ہیں اس لئے اس مختصر رسالہ میں اس کی تفصیل دینے کی

ضرورت نہ سمجھی گئی۔ اس میں صرف مال تجارت اور سونے چاندی اور روپیہ کے احکام اور پھر عشر اراضی کے احکام بیان ہوں گے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن اموال پر شریعت اسلام نے زکوٰۃ عائد کی ہے ان میں بھی مطلقاً ہر شخص پر ہر حال میں زکوٰۃ فرض نہیں ہے بلکہ اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں۔ جہاں ان شرائط سے کوئی شرط معدوم ہوگی وہاں زکوٰۃ فرض نہ رہے گی۔

شرائطِ زکوٰۃ

(۱) زکوۃ دینے والے کا مسلمان ہونا، کافر پر زکوٰۃ نہیں۔ (کمافی عامۃ المتون)

(۲) بالغ ہونا، نابالغ بچوں کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو ان پر یا ان کے اولیاء (سرپرستوں) پر اس کی زکوٰۃ نہیں۔ (ہدایہ)

(۳) عاقل ہونا، مجنون کے مال پر زکوٰۃ نہیں جبکہ اس کا جنون سال بھر مسلسل رہے۔ (درمختار وشامی)

(۴) آزاد ہونا، چنانچہ زر خرید غلام پر زکوٰۃ نہیں۔

(۵) اس مال کا مکمل مالک ہونا جس شخص کے قبضہ میں کوئی مال ہے مگر وہ اس کا مالک نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (درمختار جلد۲)

(۶) مال کا بقدر نصاب ہونا۔ نصاب سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں۔ (درمختار جلد۲) (نصاب کے معنی ''اصلاحات وتعریفات'' کے عنوان میں بیان ہوچکے ہیں تفصیل آگے آرہی ہے)۔

(۷) اس مال کا ضروریات اصلیہ سے زائد ہونا اس لئے جو چیزیں انسان کی ضروریاتِ زندگی میں داخل ہیں جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، برتنے کے برتن یا فرنیچر یا سواری کی موٹر گاڑی وغیرہ ان پر زکوٰۃ نہیں۔ (کمافی عامۃ المتون)

(۸) اس مال پر پورا ایک سال گذر جانا۔ سال بھر گذرنے سے پہلے کسی مال پر زکوٰۃ نہیں۔ (ہدایا جلد۱)

(۹) مال کا نامی یعنی بڑھنے والا ہونا۔ جیسے تجارتی مال ہونا یا سونا چاندی یا مویشی وغیرہ اور جو مال نامی نہیں ہے اگرچہ ضرورت سے زائد بھی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسے ایک سے زائد مکان یا موٹر یا غیر ضروری برتن اور فرنیچر وغیرہ۔

یہ تمام شرائط تفصیل کے ساتھ ''بدائع الصنائع اور فقہ کی عام کتب میں مذکور ہیں۔ اب ہر قسم کے مال کی زکوٰۃ کے احکام علیحدہ علیحدہ تفصیل کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

سونے چاندی کی زکوٰۃ

(۱) سونے کا نصابِ زکوٰۃ ساڑھے سات تولہ ہے اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ[۱]۔ چنانچہ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو اور ایک سال تک باقی رہے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ دینا فرض ہے اور اگر اس سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور اگر اس سے زائد ہو تب بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۲) چاندی یا سونے کے زیور، برتن اور سچا گوٹہ، ٹھپہ سب پر زکوٰۃ فرض ہے چاہے زیور وغیرہ استعمال میں رہتے ہوں یا بیکار رکھے ہو، غرض یہ کہ سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ فرض ہے البتہ اگر مقدارِ نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۳) سونا چاندی اگر خالص نہ ہو بلکہ اس میں کچھ کھوٹ ملا ہو تو غالب جزو کا اعتبار ہوگا۔ سونا چاندی غالب ہو تو وہ سونا چاندی سمجھا جائے گا اوز کوٰۃ فرض ہوگی اور اگر کھوٹ زیادہ ہو مثلاً ایک تولہ میں ۳ ماشہ سونا یا چاندی ہو اور ۹ ماشہ کھوٹ ہو تو وہ سونا یا چاندی نہیں سمجھا جائے گا اور اس پر زکوٰۃ بجز اس صورت کے فرض نہ ہوگی کہ یہ ''مالِ تجارت'' کے طور پر رکھا ہو۔ گلٹ کے سکے روپے اور ریزگاری پر بھی اسی لئے زکوٰۃ فرض ہے کہ وہ لین دین ہی کے لئے ہوتے ہیں۔

(۴) کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے اور نہ پوری مقدار چاندی کی بلکہ کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض اور اگر دونوں چیزیں کم کم ہیں کہ دونوں کی قیمت ملا کر بھی مقدار نصاب کے برابر نہیں ہوتیں تو زکوٰۃ فرض نہیں اگر سونے اور چاندی کی مقدار پوری پوری ہے تو قیمت لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ چاندی کی زکوٰۃ اس کا حساب کر کے الگ دیں اور سونے کی زکوٰۃ اس کا حساب کر کے علیحدہ دیں۔ (ہدایہ و عامۃ المتون)

(۵) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ یا اس سے زائد چاندی تھی پھر سال گذرنے سے پہلے دو چار تولہ یا نو دس تولہ سونا بھی مل گیا تو اس سونے کا سال الگ شمار نہیں ہوگا بلکہ جب اس چاندی کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ بعد میں ملے ہوئے سونے کا سال بھی پورا ہو گیا چنانچہ اس پورے سونے چاندی کی زکوٰۃ کی ادائیگی اسی وقت فرض ہو جائے گی۔ (ہدایہ جلد ۱)

---

[۱] سونے چاندی کے مذکورہ وزن کی علمی تحقیق مطلوب ہو تو مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تصنیف ''اوزان شرعیہ'' ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ یا اس سے زیادہ چاندی تھی پھر سال پورا ہونے سے پہلے ۲، ۴ تولہ یا پچاس ساٹھ تولہ چاندی اور مل گئی تو یہاں یہ سمجھا جائے گا کہ اس پوری چاندی پر سال گذر گیا چنانچہ اس پوری چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی بعد میں ملنے والی چاندی کو مال علیحدہ شمار نہیں کیا جائے گا۔ (ہدایہ جلد ۱)

(۷) کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ روپیہ تھا پھر قمری سال پورا ہونے سے ایک دو روز پہلے اتنا ہی یا اس سے کم یا زیادہ روپیہ اور مل گیا تو جب پہلے روپے کا سال پورا ہوگا تو یہاں بھی یہی سمجھا جائے گا بعد میں ملنے والے روپے کا سال الگ شمار نہیں کیا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ درمیان سال میں مال کے گھٹنے یا بڑھنے کا زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ سال کے ختم پر جتنا مال موجود ہوگا اس پورے مال پر زکوٰۃ آئے گی۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص کے پاس سال بھر تک صرف ایک ہزار روپیہ تھا یا اس کی قیمت کا سونا چاندی، مگر سال پورا ہونے سے ایک دو دن پہلے اس کو نو ہزار روپیہ یا اس کی قیمت کا سونا چاندی مل گیا تو زکوٰۃ پورے دس ہزار کی ادا کرنی ہوگی۔

پہننے کے کپڑے خواہ کتنی ہی زیادہ قیمت کے ہوان پر زکوٰۃ فرض نہیں لیکن اگر ان پر سچا کام ہے تو اس کام میں سے جتنی چاندی نکل سکتی ہے اس کا اندازہ کر کے مالِ زکوٰۃ میں شامل کرنا اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس سو تولہ چاندی ہے اور دس تولہ سچے کام میں لگی ہوئی چاندی ہے تو ایک سو دس تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی یا ۲ تولہ سونا ہے اور دس تولہ چاندی کا کام ہے تو ۲ تولہ سونے کی قیمت سے جتنی چاندی خریدی جا سکتی ہے، مثلاً آج کل کے نرخ کے اعتبار سے اس کی ایک سو چالیس تولہ چاندی آئے تو اس میں یہ دس تولہ چاندی کے کام کے شامل کر کے ڈیڑھ سو تولہ چاندی کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (درمختار و شامی)

نقد روپیہ کی زکوٰۃ

نقد روپیہ چاہے چاندی کا ہو یا گلٹ وغیرہ کا یا نوٹ کی شکل میں ہو زکوٰۃ فرض ہے۔ (شامی)

۱۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت کے برابر نقد روپیہ موجود ہو (چاہے سونا چاندی بالکل نہ ہو) تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔ (شامی)

۲۔ مثلاً چاندی سوادو روپے[1] تولہ ہے تو اگر کسی کے پاس ایک سو اٹھارہ روپے بارہ پیسے ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ یہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے۔

۳۔ کسی کے پاس کچھ نقد روپیہ اور کچھ سونا و چاندی ہے لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے کوئی بھی مقدار نصاب کو نہیں پہنچتا تو اس سونے اور چاندی کی قیمت دیکھی جائے گی اگر اس سونے اور چاندی کی قیمت اور وہ نقد روپیہ ملا کر ایک سو اٹھارہ روپے اور بارہ پیسے ہو جائیں گے تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔ (درمختار)

۴۔ مثلاً کسی زمانہ میں سونا ۱۳۰ روپے تولہ اور چاندی 1/4 2 روپے تولہ ہو تو اگر کسی کے پاس سال کے ختم پر ایک تولہ سونا اور پانچ روپے نقد ہوں تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ ایک تولہ سونا ایک سو تیس روپے کا ہوا اور وہ پانچ روپے ملا کر ایک سو پینتیس روپے ہو گئے اور یہ رقم ساڑے باون تولہ چاندی کی قیمت سے بہت زائد ہے کیونکہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تو سوا دو روپے تولہ کے حساب سے صرف ایک سو اٹھارہ روپے بارہ پیسے ہوتی ہے۔ (درمختار)

۵۔ البتہ اگر صرف ایک تولہ سونا ہو اور اس کے ساتھ روپے یا چاندی بالکل نہ ہوں تو زکوٰۃ فرض نہیں۔ (جیسا کہ عام کتبِ فقہ میں مذکور ہے)

۶۔ کسی کے پاس تین سو روپے رکھے تھے پھر سال پورا ہونے سے پہلے دو سو روپے اور مل گئے تو ان دو سو روپے کا حساب علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جب ان تین سو روپے کا سال پورا ہو گا تو پورے پانچ سو روپے کی زکوٰۃ فرض ہو گی اور یہ سمجھا جائے گا کہ پورے پانچ سو روپے پر سال گذر گیا۔ (ہدایہ)

مالِ تجارت کی زکوٰۃ

مالِ تجارت وہ مال ہے جو فروخت کرنے کی نیت سے لیا ہو اس کا انصاب بھی وہی ہے جو نقد روپے کا نصاب ہے یعنی کل مال کی قیمت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونے کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے تو سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ دینا فرض ہے۔ (درمختار و شامی)

---

[1] چاندی کی قیمت میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ زکوٰۃ نکالتے وقت جو قیمت ہو ان سب مسائل میں وہی معتبر ہو گی۔ اس کتاب میں قیمت کی جتنی مثالیں موجود ہیں، وہ سب اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں، جب چاندی بہت سستی اور ارزاں تھی۔ اب چاندی کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ نکالتے وقت چاندی کا بھاؤ معلوم کر کے اس کے مطابق حساب کرنا چاہئے۔ ان مثالوں میں جو قیمت لکھی ہے، اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ (محمد رفیع عفا اللہ عنہ، مرحوم ۱۳۹۹)

۱۔ سونا چاندی اور نقد روپے کے علاوہ جتنی چیزیں مثلاً سچے موتیوں کا ہار، لوہا، تانبا، پیتل، رانگ، گلٹ وغیرہ یا ان چیزوں کے بنے ہوئے برتن وغیرہ یا کپڑے جوتے وغیرہ، فرنیچر یا کوئی اور سامان۔ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ مال اگر تجارت کے واسطے لیا ہے تو مقدارِ نصاب ہونے اور سال گذرنے پر اس کی زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا اور اگر تجارت کے لئے نہیں لیا تو زکوٰۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنا ہی بیش قیمت اور کتنا ہی زیادہ ہو اور بے ضرورت رکھا ہو۔ (درمختار جلد ۲، شامی)

۲۔ اگر سونا چاندی کے علاوہ کوئی اور سامان اپنے استعمال کے واسطے لیا تھا پھر تجارت کا اور اس کو فروخت کرنے کا ارادہ ہوگیا مگر فروخت نہیں ہوا اور سال گذر گیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ نیت وہ معتبر ہے جو مال لیتے وقت ہو اور یہاں مال لیتے وقت تجارت کی نیت نہیں تھی اس لئے یہ مال تجارت نہیں۔ ہاں جب اس کی فروخت شروع کردے اس وقت سے تجارتی مال قرار پائے گا اور اس وقت کے بعد اگر یہ سال بھر مال رہا تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ہدایہ)

۳۔ دکان میں جو الماریاں وغیرہ سامان رکھنے کے لئے رکھی ہوں یا فرنیچر وغیرہ استعمال کے لئے رکھا ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں بلکہ یہ مالِ تجارت نہیں البتہ اگر کوئی فرنیچر ہی کی تجارت کرتا ہو یعنی یہ فرنیچر تجارت کی نیت سے ہی خریدا گیا ہو یا بنوایا گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے کیونکہ اس صورت میں یہ مال مالِ تجارت ہے۔ (درمختار جلد ۲، شامی)

۴۔ اگر کسی کے پاس کئی مکانات ہوں اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہو تو ان مکانوں کی قیمت پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ کتنی ہی قیمت کے کیوں نہ ہوں۔ البتہ ان کے کرایہ سے حاصل شدہ رقم جس قدر سال بھر کے ختم تک باقی رہے گی اس کی زکوٰۃ نقد روپے کے حساب سے ادا کرنا ضروری ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے مثلاً ایک ہزار یا زائد روپے کے برتن، فرنیچر یا شامیانے یا سائیکلیں وغیرہ یا کوئی اور سامان کرایہ پر دینے کے لئے خریدا اور کرایہ پر چلاتا رہا تو ان چیزوں پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ کرایہ پر چلانے سے مال مالِ تجارت نہیں بنتا اور اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ البتہ کرایہ سے جو روپیہ حاصل ہوگا اس کا وہی حکم ہے جو نقد روپے کا ہے یعنی یہ روپیہ گر بقدر نصاب ہو اور ایک سال گذر جائے تو اس روپے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (ہدایہ و قاضی خان)

۵۔ پرنٹنگ پریس، کارخانوں اور ملوں وغیرہ میں جو مشینیں فٹ ہوں وہ بھی مالِ تجارت نہیں لہٰذا ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں۔ البتہ اگر مشینیں تجارت کی نیت سے خریدی ہوں کہ ان کو فروخت کیا کریں گے تو ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ درزی کی کپڑے سینے کی مشینیں، ڈرائی کلین وغیرہ کی مشینیں اور ہر قسم کی مشینوں وغیرہ کا یہی حکم ہے۔ (درمختار و شامی)

۶۔ کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر تو زکوٰۃ فرض نہیں لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔

اسی طرح جو خام مال مِل میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا جاتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے ۔خام مال اور تباہ شدہ مال سب کی قیمت لگا کر اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔

(درمختار وشامی)

۷۔ کسی کے پاس کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مال تجارت ہے لیکن علیحدہ علیحدہ نہ سونا نہ چاندی بقدر نصاب ہے اور نہ مالِ تجارت بقدر نصاب ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں، اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا سونے کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر پھر بھی کم رہے اور زکوٰۃ فرض نہیں۔(ہدایہ)

۸۔ ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی ختم سال کے وقت جو قیمت شیئرز کی بازار میں ہو اس کے مطابق زکوٰۃ فرض ہے۔البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری، مکان اور فرنیچر کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری، مکان اور فرنیچر میں لگی ہوئی ہے اس کو اپنے حصہ کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز و درست ہے۔مثلاً شیئرز کی قیمت ایک سو روپے ہے اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ پانچ فیصد مشینری، مکان اور فرنیچر میں لگی ہوئی ہے تو شیئرز کی قیمت سے پانچ کم کر کے باقی ۹۵ کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (درمختار وشامی)

مقروض پر زکوٰۃ کب فرض ہے کب نہیں

۱۔ کسی کے پاس دو سو روپے ہیں اور اتنے ہی روپے کا وہ مقروض ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ چاہے وہ دو سو روپے پورا سال اس کے پاس رکھے رہیں اور اگر ڈیڑھ سو روپے کا مقروض ہے تو پھر بھی زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ ڈیڑھ سو روپے کے قرض ہوئے تو صرف پچاس روپے ضرورت سے زائد بچے اور پچاس روپے آج کل ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت سے کم ہیں۔ (ہدایہ جلد اول)

۲۔ اگر کسی کے پاس پانچ سو روپے ہیں اور دو سو روپے کا وہ قرض دار ہے تو اس پر تین سو روپے کی زکوٰۃ فرض ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

قرض خواہ پر زکوٰۃ کب فرض ہے کب نہیں؟

اگر آپ کا مال کسی کے ذمہ قرض ہے تو اس مال کی زکوٰۃ بھی آپ پر فرض ہے بشرطیکہ قرض دار اس کا اقرار کرتا ہو اور ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہو یا اگر وہ انکار کرے تو آپ کے پاس کوئی شہادت یا دستاویزی ثبوت ایسی موجود ہو جس کے ذریعے آپ ذریعہ عدالت وصول کر سکتے ہوں۔

لیکن قرض کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ نقد و پیہ یا سونا چاندی کیسی کو قرض دیا یا تجارت کا مال کسی کو فروخت کیا تھا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ باقی ہے پھر یہ مال ایک سال یا دو تین سال کے بعد وصول ہوا۔ ایسے قرض کو فقہاء کی اصطلاح میں دین قوی کہا جاتا ہے ایسا قرض اگر بقدر نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو وصول ہونے پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے لیکن اگر یکمشت وصول نہ ہو بلکہ تھوڑا تھوڑا وصول ہو تو جب مقدار نصاب کا پانچواں حصہ یعنی بیس فیصد وصول ہو جائے تو صرف اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوگی اور اسی طرح ہر پانچویں حصہ کی زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی لیکن یہ یاد رہے کہ زکوٰۃ پورے سال کی نکالی جائے گی۔

اور اگر یہ پورا قرض بقدر نصاب نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں البتہ اگر آپ کے پاس کچھ اور مال بھی ہے اور دونوں ملا کر بقدر نصاب ہو جائیں تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ (شامی جلد۲۔ص۵۳)

۲۔ دوسری قسم یہ ہے کہ وہ قرض نہ نقد روپے کی صورت میں دیا گیا ہو نہ سونا چاندی کی صورت میں اور نہ مالِ تجارت فروخت کیا ہو بلکہ کوئی اور چیز فروخت کی تھی جو تجارت کی نہ تھی مثلاً پہننے کے کپڑے یا گھر کا سامان یا کوئی زمین فروخت کی تھی اور اس کی قیمت باقی ہے۔ ایسے قرض کو اصطلاح میں دَینِ متوسط کہتے ہیں تو یہ قیمت اگر بقدر نصاب ہے اور کئی سال کے بعد وصول ہوئی تو وصول ہونے پر ان تمام سالوں کی زکوٰۃ اس پر بھی فرض ہوگی اور اگر یکمشت وصول نہ ہو تو جب تک یہ قرض پوری مقدار نصاب کے برابر وصول نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہوتا۔ جب بقدر نصاب وصول ہو جائے تو وصول شدہ رقم پر پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ (شامی۔ص۵۳،۵۴،جلد۲)

مسئلہ: اس دوسری قسم کا قرض اگر یکمشت وصول نہ ہوا بلکہ مثلاً پہلی مرتبہ ۱۵ روپے ملے تو اگر آپ کے پاس پہلے سے ایسا مال بقدرِ نصاب موجود ہے تو یہ پندرہ روپے اس موجودہ روپے کے ساتھ ملا کر حساب ہوگا چنانچہ جب ان ایک سو پندرہ روپے کا سال پورا ہوگا تو یہ سمجھا جائے گا کہ قرض سے وصول

ہونے والے پندرہ روپے پر بھی پورا سال گزر گیا لہٰذا پورے ایک سو تیس روپے کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ نقد روپیہ قرض دیا نہ سونا چاندی دیا اور نہ کوئی چیز فروخت کی بلکہ کسی اور سبب سے آپ کا دوسرے کے ذمے ہوگیا۔ مثلاً عورت کا مہر شوہر کے ذمہ ہو یا شوہر کا بدل خلع عورت کے ذمہ ہو یا دیت (خون بہا) کسی کے ذمہ ہو یا ملازم کی تنخواہ ادا کرنا باقی ہو ایسے قرض کو فقہاء دَینِ ضعیف کہتے ہیں اور اس قسم کا حکم یہ ہے کہ اس کا حساب وصول ہونے کے دن سے ہوگا پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی چنانچہ وصول ہونے کے بعد اگر اس پر ایک سال گذر گیا تو اس سال کی زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ (شامی جلد۲ ص۵۴)

مسئلہ : پراویڈنٹ فنڈ تیسری قسم میں داخل ہے لہٰذا ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا اسی وقت سے اس روپے کے سال کی ابتدا ہوگی اور پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

اطلاع : اس مسئلہ میں بعض علماء کا اختلاف ہے وہ اس کو دَینِ قوی یا متوسط قرار دیتے ہیں اور اس پر بھی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ لازم کرتے ہیں اس لئے احتیاطاً کوئی ادا کردے تو افضل ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق مع دلائل کے دیکھنا ہو تو "ضمیمہ امداد الفتاویٰ" جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دے دی تو اس کا حکم

۱۔ اگر کوئی مالدار کہ جس پر زکوٰۃ فرض ہے سال گذرنے سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دے تو یہ جائز ہے۔ اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اگر وہ فی الحال مالدار نہیں بلکہ کہیں سے مال ملنے کی امید پر مال سے پہلے ہی زکوٰۃ دے دی تو یہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی جب یہ مال مل جائے اور اس پر سال گذر جائے تو دوبارہ زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ (ہدایہ جلد اول)

۲۔ مالدار شخص اگر کئی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے البتہ اگر کسی سال مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار، شامی)

۳۔ کسی کے پاس ایک سو بیس روپے ضرورت سے زیادہ رکھے ہیں اور سو روپے مزید ملنے کی امید ہے اس نے پورے ۲۲۰ روپے کی زکوٰۃ دے دی تو یہ بھی جائز ہے لیکن ختم سال پر روپیہ نصاب سے کم رہ گیا مثلاً ایک سو روپے باقی رہ گئے تو زکوٰۃ معاف ہوگی اور دیا ہوا صدقۂ نافلہ ہوگیا اس کا ثواب ملے گا۔ (درمختار و شامی جلد اول)

سال مکمل ہونے کے بعد مال ختم یا کم ہو جانے کا حکم

۱۔ کسی کے مال پر پورا سال گذر گیا لیکن ابھی زکوٰۃ نہیں دی کہ تمام مال چوری ہو گیا یا کسی اور طریقہ سے ضائع ہو گیا تو زکوٰۃ معاف ہو گئی لیکن اگر اپنا مال اپنے اختیار سے کسی کو دے دیا یا کسی اور طرح اپنے اختیار سے ضائع کر دیا تو جس قدر زکوٰۃ فرض ہوئی تھی وہ معاف نہیں ہوگی بلکہ دینا پڑے گی۔ (ہدایہ۔ درمختار جلد۲)

۲۔ سال پورا ہونے کے بعد کسی نے زکوٰۃ کی نیت کے بغیر اپنا مال خیرات کر دیا تو بھی زکوٰۃ معاف ہو گئی۔ (ہدایہ جلد۱)

احکامِ عید الاضحیٰ

عشرہ ذی الحجہ کے فضائل

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔ ان میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شبِ قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

قرآن مجید سورۃ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس راتوں کی قسم کھائی ہے۔ وہ دس راتیں جمہور کے قول میں یہی عشرہ ذی الحجہ کی راتیں ہیں۔ خصوصاً نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن اور عرفہ اور عید کی درمیانی رات، ان تمام ایام میں بھی خاص فضیلت رکھتے ہیں۔ عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بہت بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

تکبیر تشریق

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد

عرفہ یعنی نویں تاریخ کی صبح سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک ہر نماز فرض کے بعد باآواز بلند ایک مرتبہ یہ تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ فتویٰ اس پر ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والے اور تنہا پڑھنے والے اس میں برابر ہیں اسی طرح مرد و عورت دونوں پر واجب ہے البتہ عورت باآواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ کہے۔ (شامی)

تنبیہ

اس تکبیر کا متوسط بلند آواز سے کہنا ضروری ہے، بہت لوگ اس میں غفلت کرتے ہیں پڑھتے ہی نہیں یا آہستہ پڑھ لیتے ہیں اس کی اصلاح ضروری ہے۔

نمازِ عید

عید الاضحیٰ کے روز یہ چیزیں مسنون ہیں :

صبح سویرے اٹھنا، غسل و مسواک کرنا، پاک صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا عید کی نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا، عیدگاہ کو جاتے ہوئے تکبیر مذکور الصدر باآواز بلند پڑھنا۔

نمازِ عید دو رکعت ہیں مثل دوسری نمازوں کے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے اندر تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی رکعت میں **سبحانک اللّٰھم** پڑھنے کے بعد قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ان زائد تکبیروں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانا چاہئے۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں، دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں، نمازِ عید کے بعد خطبہ سننا واجب ہے۔

قربانی

قربانی ایک اہم عبادت اور شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی اس کو عبادت سمجھا جاتا تھا مگر بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اسی طرح آج تک بھی دوسرے مذاہب میں قربانی مذہبی رسم کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ بتوں کے نام پر یا مسیح کے نام پر قربانی کرتے ہیں۔ سورہ **انا اعطنیاک** میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ جس طرح نماز اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوسکتی قربانی بھی اس کے نام پر ہونا چاہئے۔ **فصل لربک وانحر** کا یہی مفہوم ہے۔

دوسری ایک آیت میں اس مفہوم کو دوسرے عنوان سے اس طرح بیان فرمایا ہے :

ان صلوتی و نسکی ومحیای و مما تی للہ رب العلمین ۔ (ابن کثیر)

رسول اللہ ﷺ نے بعد ہجرت دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا۔ ہر سال برابر قربانی کرتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ قربانی صرف مکہ معظّمہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر شخص، ہر شہر میں بعد تحقیق شرائط واجب ہے (ترمذی) اور مسلمانوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے، اسی لئے جمہور اسلام کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ (شامی)

قربانی کس پر واجب ہوتی ہے

قربانی ہر مسلمان، عاقل، بالغ، مقیم پر واجب ہوتی ہے۔ جس کی ملک میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا مال اس کی حاجات اصلیہ سے زائد موجود ہو یہ مال خواہ سونا، چاندی یا اس کے زیورات ہوں یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد گھریلو سامان یا مسکونہ مکان سے زائد کوئی مکان وغیرہ۔ (شامی)

قربانی کے معاملہ میں اس پر سال گزرنا بھی شرط نہیں، بچہ اور مجنون کی ملک میں اگر اتنا مال ہو بھی تو اس پر یا اس کی طرف سے اس کے ولی پر قربانی پر واجب نہیں، اسی طرح جو شخص شرعی قاعدے کے موافق مسافر ہو اس پر بھی قربانی لازم نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : جس شخص پر قربانی واجب نہ تھی اگر اس نے قربانی کی نیت سے کوئی جانور خرید لیا تو اس کی قربانی واجب ہوگئی۔ (شامی)

قربانی کے دن

قربانی کی عبادت صرف تین دن کے ساتھ مخصوص ہے، دوسرے دنوں میں قربانی کی کوئی عبادت نہیں، قربانی کے دن ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، اور بارھویں تاریخیں ہیں ان میں جب چاہے قربانی کر سکتا ہے، البتہ پہلے دن کرنا افضل ہے۔

قربانی کے بدلے میں صدقہ وخیرات

اگر قربانی کے دن گزر گئے ناواقفیت یا غفلت یا کسی عذر سے قربانی نہیں کر سکا تو قربانی کی قیمت فقراء مساکین پر صدقہ کرنا واجب ہے۔ لیکن قربانی کے تین دنوں میں جانور کی قیمت صدقہ کر دینے سے یہ واجب ادا نہ ہوگا، ہمیشہ گناہ رہے گا، کیونکہ قربانی ایک مستقل عبادت ہے۔

جیسے نماز پڑھنے سے روزہ اور روزہ رکھنے سے نماز ادا نہیں ہوتی، زکوٰۃ ادا کرنے سے حج ادا نہیں ہوتا، ایسے ہی صدقہ وخیرات کرنے سے قربانی ادا نہیں ہوتی، رسول کریم ﷺ کے ارشادات اور تعامل اور تعامل صحابۂ کرامؓ اس پر شاہد ہیں۔

جن بستیوں، شہروں میں نماز جمعہ وعیدین جائز ہے وہاں نماز عید سے پہلے قربانی جائز نہیں، اگر کسی نے نماز سے پہلے قربانی کر دی تو اس کو دوبارہ قربانی لازم ہے۔ البتہ چھوٹے گاؤں میں جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں نہیں ہوتیں تو یہ لوگ دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد قربانی کر سکتے ہیں، ایسے ہی اگر کسی عذر کی وجہ سے نماز عید پہلے دن نہ ہو سکے تو نماز عید کا وقت گزر جانے کے بعد قربانی درست ہے۔

مسئلہ : قربانی رات کو بھی جائز ہے، مگر بہتر نہیں۔ (شامی)

قربانی کے جانور

بکرا، دنبہ، بھیڑ کی ایک ہی شخص کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔ گائے، بیل، بھینس، اونٹ، سات آدمیوں کی طرف سے ایک کافی ہے، بشرطیکہ سب کی نیت ثواب کی ہو، کسی کی نیت محض گوشت کھانے کی نہ ہو۔

مسئلہ : بکرا، بکری ایک سال کا پورا ہونا ضروری ہے، بھیڑ اور دنبہ اگر اتنا فربہ اور تیار ہو کہ دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو تو وہ بھی جائز ہے، گائے، بیل، بھینس دو سال کی اونٹ پانچ سال کا ہونا ضروری ہے۔ ان عمروں سے کم جانور قربانی کے لئے کافی نہیں۔

مسئلہ : اگر جانوروں کا فروخت کرنے والا عمر پوری بتاتا ہے اور ظاہری حالات میں اس کے بیان کی تکذیب نہیں ہوتی، اس پر اعتماد کرنا جائز ہے۔

مسئلہ : جس جانور کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں، یا بیچ میں سے ٹوٹ گیا ہو، اس کی قربانی درست ہے، ہاں سینگ جڑ سے اکھڑ گیا ہو جس کا اثر دماغ پر ہونا لازم ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : خصی (بدھیا) بکرے کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے۔ (شامی)

مسئلہ : اندھے، کانے لنگڑے جانور کی قربانی درست نہیں، اسی طرح ایسا مریض اور لاغر جانور جو قربانی کی جگہ تک اپنے پیروں سے نہ جاسکے اس کی قربانی بھی جائز نہیں۔ (درمختار)

مسئلہ : جس جانور کا تہائی سے زیادہ کان یا دُم وغیرہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی)

مسئلہ : جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں یا اکثر نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ (شامی درمختار)۔ اسی طرح جس جانور کے کان پیدائشی طور بالکل نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں۔

مسئلہ : اگر جانور صحیح سالم خریدا تھا پھر اس میں کوئی عیب مانع قربانی پیدا ہوگیا، تو اگر خریدنے والا غنی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس کے لئے اسی عیب دار جانور کی قربانی جائز ہے، اور اگر یہ شخص غنی صاحب نصاب ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس جانور کے بدلے دوسرے جانور کی قربانی کرے۔ (درمختار)

قربانی کا مسنون طریقہ

اپنی قربانی کو خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل ہے۔ اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود بھی حاضر رہنا افضل ہے۔

مسئلہ : اپنی قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ضروری ہے، سنت ہے کہ جب جانور کو ذبح کرنے کے لئے روبقبلہ لٹائے تو یہ دعا پڑھے :

انی وجهت وجهی للذی فطر السموت والارض حنیفا وما انا من المشرکین . ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین .

اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے :

اللهم نقبله منی کما تقبلت من حبیبک محمد وخلیلک ابراهیم علیهما السلام

قربانی کا گوشت

۱۔ جس جانور میں کئی حصہ دار ہوں تو گوشت وزن کر کے تقسیم کیا جائے اندازہ سے تقسیم نہ کریں۔

۲۔ افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھے، ایک حصہ احباب واعزاء میں تقسیم کرے، ایک حصہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرے، اور جس شخص کا عیال زیادہ ہو وہ تمام گوشت خود بھی رکھ سکتا ہے۔

۳۔ قربانی کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے۔

۴۔ ذبح کرنے والے کی اجرت میں گوشت یا کھال دینا جائز نہیں، اجرت علیحدہ دینی چاہئے۔

قربانی کی کھال

۱۔ قربانی کی کھال کو اپنے استعمال میں لانا مثلاً مصلے بنالیا جائے یا چمڑے کی کوئی چیز ڈول وغیرہ بنوالیا جائے یہ جائز ہے لیکن اگر اس کو فروخت کیا تو اس کی قیمت اپنے خرچ میں لانا جائز نہیں بلکہ

صدقہ کرنا اس کا واجب ہے اور قربانی کی کھال کو فروخت کرنا بدون نیت صدقہ کے جائز بھی نہیں۔(عالمگیری)

۲۔ قربانی کی کھال کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں۔اس لئے مسجد کے موذن یا امام وغیرہ کے حق الخدمت کے طور پر ان کو کھال دینا درست نہیں۔

۳۔ مدارس اسلامیہ کے غریب ونادار طلباء ان کھالوں کا بہترین مصرف ہیں، کہ اس میں صدقہ کا ثواب بھی ہے اور احیائے علم دین کی خدمت بھی مگر مدرسین وملازمین کی تنخواہ اس سے دینا جائز نہیں۔

واللہ الموفق والمعین

مسائل حاضرہ

اذان، نماز، خُطبہ جمعہ عربی زبان میں کیوں ضروری ہیں؟

دلائل شرعیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ نماز اذان وغیرہ عربی زبان میں ہوں غیر عربی میں نہ ہوں کیونکہ تمام عمر آنحضرت ﷺ سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ سے کبھی غیر عربی میں ثابت ہوا حالانکہ ان میں بہت سے حضرات عجمی زبانوں سے واقف تھے۔

خطبہ جمعہ غیر عربی میں جائز نہیں

سنن اور آداب خطبہ کا ثبوت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے تعامل سے ہے۔ جس کی بنا پر فقہا نے ان آداب کی تصریح فرمائی ہے عالمگیری کتاب الصلوٰۃ باب سادس ص ۱۳۷ ج ۱ مصری اور بحرالرائق ص ۱۵۹ ج ۲ میں ان کی تفصیل موجود ہے۔

خطبہ عربی میں ہونا حضرت امام ابو یوسف و محمد اور حضرت شاہ ولی اللہ اور امام نووی و رافعیؒ وغیرہ نے اسی دلیل سے ثابت کیا ہے جس سے پندرہ سنتیں ثابت ہیں یعنی عمل اور مواظبۃ نبی کریم ﷺ اور پھر صحابہ کرام کی باوجود یہ کہ جس طرح آج تبلیغ احکام اور ان کی تعمیم و اشاعت کی حاجت ہے اس وقت اس سے زیادہ تھی کیونکہ اب تو کتب و رسائل ہر قوم کی زبان میں ہزار ہا موجود ہیں اور اس وقت سلسلہ تصنیف بالکل نہ تھا۔ نیز یہ بھی نہ تھا کہ حضور ﷺ کے مخاطب ہمیشہ اہل عرب ہی ہوں بلکہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ روم و فارس اور مختلف بلاد عجم کے لوگ آنحضرت ﷺ کی مجلس خطبہ میں شریک ہوتے تھے اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ حضور ﷺ بوجہ مادری زبان عربی ہونے کے دوسری زبان میں خطبہ نہ دیتے تھے تو اگر مقصود خطبہ وعظ و تبلیغ ہی تھا اور تبلیغ سرور کائنات ﷺ کی ظاہر ہے کہ تمام اقوام عالم عرب و عجم کے لئے عام ہے تو عجموں کی رعایت سے ایسا کیا جا سکتا ہے کہ کسی صحابی کو حکم فرما دیتے تو خطبہ کے بعد ہی اس کا ترجمہ عجم کی زبان میں سنا دیتے جیسا کہ بعض وفود وغیرہ سے مکالمہ کے وقت ترجمان سے کام لیا جاتا تھا۔

لیکن تمام عمر نبوی میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی مروی نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک سیل رواں کی صورت میں بلاد عجم میں داخل ہوئے اور دنیا کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا جہاں

اسلام کا کلمہ نہیں پہنچا دیا اور شعائرِ اسلام (نماز جمعہ اور عیدین) قائم نہیں کر دیئے۔ ان حضرات کے خطبے تاریخ کی کتابوں میں آج بھی بالفاظہا مذکور و مدون ہیں۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی بلادِ عجم میں داخل ہونے کے بعد اپنے مخاطبین کی ملکی زبان میں خطبہ نہیں دیا حالانکہ وہ ابتدا فتح اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت کا بالکل ابتدائی زمانہ تھا۔ جب کہ تمام لوگ تبلیغ احکام کے لئے آج سے کہیں زیادہ محتاج تھے۔

یہاں یہ شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو عجمی زبان کی واقفیت نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابہ کرامؓ کے متعلق ان کی سوانح و تذکروں میں تصریح ہے کہ وہ فارسی یا رومی یا حبشی وغیرہ زبانیں جانتے اور ان میں بخوبی تقریر کرتے تھے حضرت زید بن ثابت کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے۔ اسی طرح حضرت سلمانؓ تو خود فارس کے رہنے والے اور حضرت بلالؓ حبشہ کے اور حضرت صہیبؓ روم کے باشندے تھے اسی طرح بہت سے حضرات صحابہؓ ہیں جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔

اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا بوقت خطبہ ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں کر دیا جائے تو یہ کیا اس وقت ممکن نہ تھا؟ جیسا کہ دوسری ملکی اور سیاسی ضرورتوں کے لئے ہر صوبہ میں عمال حکومت اپنے پاس ترجمان رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک مستقل ترجمان انہیں ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا (رواہ البخاری فی الوفود) لیکن اس کے باوجود کبھی نہ حضرت ابن عباس سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عربی خطبہ کا ترجمہ ترجمان کے ذریعہ ملکی زبان میں کرایا ہو اور نہ کسی دوسرے صحابی سے۔ اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ خطبہ کے لئے سنت یہی ہے کہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے اور بوقت خطبہ کوئی ترجمہ وغیرہ بھی اس کا نہ کیا جائے۔ عبارات ذیل اس مقصد کی دلیل ہیں محدث الہند، حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اپنی شرح موطا میں تحریر فرماتے ہیں۔

"جب ہم نے نبی کریم ﷺ کے خطبوں پر نظر ڈالی تو ان میں چند چیزوں کا ثبوت ملا جن میں سے حمد و ثنا اور کلمہ شہادت اور درود نبی کریم ﷺ پر اور تقوی کا امر کرنا اور کسی آیت کا پڑھنا اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرنا اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا"۔

پھر فرمایا کہ خطبہ خاص عربی زبان میں ہونا اس لئے ہے کہ تمام مسلمانوں کا مشرق و مغرب میں ہمیشہ یہی عمل رہا ہے۔ باوجود اس کے کہ بہت سے ممالک میں مخاطب عجمی لوگ تھے۔

اور امام نووی نے کتاب الاذکار میں تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو اور درمختار میں شروع فی الصلوۃ کے بیان میں لکھتے ہیں :

وعلی ھذا الخلاف الخطبت وجمیع الاذکار

''یعنی خطبہ اور تمام اذکار واوراد میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب غیر عربی میں جائز فرماتے ہیں اور صاحبین ناجائز (لیکن امام صاحب سے صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے''۔

اور ائمہ شوافع میں سے امام رافعی فرماتے ہیں :

فھل یشترط کون الخطبت کلھا بالعربیت وجھان الصحیح اشتراطه فان لم یکن منھم من یحسن العربیته خطب بغیرھا ویجب علیھم التعلم والا عصوا ولا حجت لھم ۔ (شرح احیاء العلوم لزبید یصفحہ ۴۳۶ جلد نمبر۳)

''اور کیا خطبہ کا عربی میں ہونا شرط ہے اس میں دو وجہ ہیں صحیح یہ ہے کہ عربی میں ہونا شرط ہے ۔پس اگر کوئی ایسا آدمی حاضرین میں نہ ہو جو عربی پڑھ سکے تو عربی کے سوا دوسری زبان میں خطبہ پڑھے ۔اور پھر ان پر واجب ہوگا کہ عربی سیکھیں ورنہ گناہگار ہوں گے''۔

اس شبہ کا جواب کہ جب مخاطب سمجھتے نہیں تو پھر خطبہ عربی میں پڑھنے سے کیا فائدہ

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ خطبہ جمعہ کا مقصود اصلی صرف وعظ وتذکیر نہیں بلکہ ذکر اللہ اور ایک عبادت ہے اور ایک جماعت فقہاء کی اسی وجہ سے اس کو دو رکعتوں کا قائم مقام کہتی ہے تو اب یہ سوال سرے سے منقطع ہوگیا کہ جب مخاطب عربی عبارت کو سمجھتے ہی نہیں تو عربی میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ اگر یہ سوال خطبہ پر عائد ہوگا تو پھر صرف خطبہ پر نہ رہے گا بلکہ نماز اور قراۃ قرآن پاک پر بہ نسبت خطبہ کے زیادہ چسپاں ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی غرض وغایت تو اول سے آخر تک ہدایت ہی ہدایت ہے اور وہ تبلیغ احکام ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور پھر اذان واقامت اور تکبیرات جن کا مقصد محض لوگوں کو جمع کرنا یا کسی خاص عمل کا اعلان کرنا ہے۔

اُردو میں اذان کیوں نہیں؟

یہاں یہ سوال بہ نسبت خطبہ کے زیادہ وضاحت کے ساتھ عائد ہوگا کہ حی علی الصلوٰۃ ، حی علی الصلوٰۃ کون جانتا ہے ۔نماز کو چلو، نماز کو چلو کی آواز دینی چاہئے یا کم از کم ترجمہ کردینا

چاہیے اور اگر شبہ کیا جائے کہ اذان تو کلمات مقررہ میں ایک اصطلاح سی ہوگئی ہے باوجود معانی نہ سمجھنے کے بھی مقصد اعلان حاصل ہے تو صحیح نہیں کیونکہ نفس اعلان اور اصطلاح کے لئے تو چند کلمات تکبیر وشہادتین بھی کافی تھے ان سے اعلان کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو پھر سرے سے باقی الفاظ کا کہنا ہی فضول ہوگا۔

لیکن غالباً کوئی سمجھ دار مسلمان اس کو تجویز نہ کرے گا کہ نماز مع قرات وتکبیرات کے اوراسی طرح تمام شعائر اسلامیہ اذان واقامت وغیرہ کو اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں پڑھا جایا کرے۔ بلکہ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید کی اصلی غرض اگرچہ تبلیغ احکام ہی ہے لیکن نماز میں اس کے پڑھنے کی غرض اصلی یہ نہیں بلکہ وہاں صرف ادائیگی عبادت اور ذکر اللہ مقصود ہے اور نماز میں اسی حیثیت سے قراۃ قرآن پاک کی جاتی ہے تبلیغ و وعظ مقصود نہیں ہوتا اور اگر حاصل ہو جائے تو وہ ضمناً ہے۔

ٹھیک اسی طرح خطبہ جمعہ کو سمجھنا چاہئے کہ اس کا مقصد اصلی ذکر وعبادت ہے اور وعظ وپند جو اس میں ہے تبعاً ہی حاصل ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ کوئی حرج نہیں اس لئے قراۃ قرآن اور تکبیرات واذان وغیرہ کی طرح خطبہ جمعہ کو بھی خالص عربی میں پڑھنا چاہئے دوسری زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر ترجمہ کرنا خلاف سنت بلکہ بدعت وناجائز ہے اور نماز تو اس طرح ادا نہ ہوگی۔

یہاں تک اصل مسئلہ کا جواب تو صاف ہو گیا کہ خطبہ جمعہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھنا یا عربی میں پڑھ کر دوسری زبان میں اسی وقت ترجمہ کرنا بدعت وناجائز ہے۔ حضور ﷺ اور تمام خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام کے عمل اور قرون مشہود لہا بالخیر کے تعامل کے خلاف ہے اور اول عربی میں پڑھ کر پھر ملکی زبان میں ترجمہ کرنے میں ایک دوسری قباحت بھی ہے وہ یہ کہ خطبہ کا مختصر ہونا اور اختصار کے ساتھ دس امور مذکورہ پر مشتمل ہونا سنت ہے اب اگر اس طرح کا خطبہ مسنونہ عربی میں پڑھنے کے بعد ترجمہ کیا جائے تو مجموعی مقدار خطبہ کی خطبہ مسنونہ کے دوگنے سے بھی کچھ زیادہ ہو جائے گی اور اگر امور مذکورہ مسنونہ میں سے کسی کو کم کیا تو دوسری طرح خلاف سنت ہو جائے گا بہرحال ترجمہ اردو پڑھنے میں یا تو تطویل خطبہ لازم آئے گی جو بنص حدیث ممنوع ہے۔ موطا امام مالک میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ قرن صحابہ کے خصوصی فضائل میں اختصار خطبہ کو اور آخر امت کے فتن ومفاسد میں تطویل خطبہ کو شمار فرماتے ہیں موطا مجتبائی ص ۶۱، اور اگر تطویل نہ ہوگی تو خطبہ کے امور مسنون میں سے کوئی چیز ضرور باقی رہے گی اور اس طرح خلاف سنت ہو جائے گا۔

اب ایک سوال باقی رہ جاتا ہے جو اگر چہ شرعی حیثیت سے کوئی قابل التفات سوال نہیں لیکن موجودہ حالات کے لحاظ سے وہ کس قدر اہم ہوگیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب خطبہ کا مقصد اصلی وعظ وپند نہیں بلکہ ذکر وعبادت ہے تو امام کو چاہئے تھا کہ نماز کی طرح مستقبل قبلہ ہوکر خطبہ دیتا قوم کی طرف متوجہ ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی بلکہ قوم کی طرف متوجہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ خطبہ کی اصلی غرض وعظ ونصیحت ہے۔ نیز جب کہ اس ذکر کا خاص عربی میں رکھنا مسنون ہے تو اس میں وعظ وپند کے کلمات اور مخاطبات کا رکھنا اکثر بلاد کے اعتبار سے بے فائدہ ہوگیا۔ پھر خطبہ میں وعظ وتذکیر کے کلمات کا تمام بلاد عجم میں مسنون ہونا کس حکمت پر مبنی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ احکام الٰہی اور تشریعات نبویہ ، عُلی صاحبها الصلوة والسلام کی حکمتوں کو حق تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں لیکن سرسری نظر میں جو بات سامنے ہے وہ بھی ایک عظیم الشان حکمت پر مشتمل ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

زبان کا اثر معاشرت اور اخلاق اور عقل ودین پر بہت زیادہ پڑتا ہے

اس کے سمجھنے کے لئے یہ معلوم کرنا چاہئے کہ روزمرہ کے تجربہ اور عقلا کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ہر قوم کی زبان اور لغت کو طرز معاشرت اور اخلاق اور عقل ودین میں نہایت قوی دخل ہے اور ہر بات اور زبان کے کچھ اثرات مخصوصہ ہیں جب کسی قوم اور کسی ملک میں وہ زبان پھیلتی ہے تو وہ اثرات بھی ساتھ ساتھ عالمگیر ہوجاتے ہیں۔ ہندوستان کی موجودہ حالت کو اَب پچاس برس پہلے کی حالت کے ساتھ اگر موازنہ کیا جائے تو اس کی تصدیق آنکھوں کے سامنے آجائے گی کہ جس وقت تک ہندوستان میں انگریزی زبان کی یہ کثرت نہ تھی اس دہریت اور آزادی وبے قیدی کی بھی یہ کثرت نہ تھی سرکاری اسکولوں کے ذریعہ ملک میں اس زبان کو عام کیا گیا تو ایسا ہوگیا کہ گویا ہندوستان کے طرزِ معاشرت اور اخلاق وتدین سب ہی پرڈاکہ ڈال دیا۔

زبان کی اشاعت وعموم کے ساتھ ہی ساتھ انگریزی معاشرت یورپین خیالات یورپین آزادی ودھریت وباء کی طرح پھیل گئی اور جس وقت مسلمانوں کی قسمت میں ترقی لکھی تھی تو ان کے لئے بھی زبان عربی کی اشاعت نے وہی کام کیا تھا جو آج غیروں کی زبان کررہی ہے بلکہ اگر تاریخ دیکھی جائے تو بلا شائبہ مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ عربی زبان نے تمام دنیا کو ایسا مفتوح کیا تھا کہ کوئی خطہ بھی اس کے

حلقہ اثر سے خارج نہ رہا تھا اور تقریباً ایک ہزار سال کامل تمام عالم پر ایسی حکومت کی کہ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے یقیناً عاجز ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب "اقتضا الصر اط المستقیم" میں عرب وعجم کی زبان پر مفصل کلام کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

واعلم ان اعتیاد اللغت موثر فی الخلق والدین تاثیرا قو یا بینا

"سمجھ لو کہ کسی خاص زبان کی عادت ڈال لینا عقل اور اخلاق اور دین میں بہت بڑی قوی تاثیر رکھتا ہے جو بالکل ظاہر ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ ہر بادشاہ اپنی قومی زبان کو اپنی مملکت میں رائج کرنے کے لئے طرح طرح کی کوشش کرتا ہے۔

ہندوستان میں زبان انگریزی کی ترویج اور اس کا سیاسی مقصد

یورپین اقوام جو آزادی وحریت کی بہت دعویدار ہیں اور مساوات کا دم بھرتی ہیں جس وقت ہندوستان پر قبضہ کرتی ہیں تو ہزاروں طرح کی کوشش کرکے اور کروڑوں روپیہ خرچ کرکے اپنی خاص قومی زبان کو ہندوستان کی معاشرت کا جزو اعظم بنا دیتی ہیں۔ ہندوستان میں اب اگرچہ زبان انگریزی کا عموم وشیوع بہت کچھ ہو چکا ہے لیکن اب بھی اگر مجموعی حیثیت سے مردم شماری پر نظر ڈالی جائے۔ کل ہندوستانی قلم و میں شاید پانچ فیصدی اشخاص بھی انگریزی جاننے والے نہ نکلیں گے لیکن اس کے باوجود حکومت کی طرف سے جو پرزہ کاغذ چلتا ہے تو انگریزی زبان کے سکہ کے ساتھ چلتا ہے ڈاک خانہ کے تمام کاغذات ریلوے کے ٹکٹ اور تمام کاغذات تمام عدالتوں کے عام کاغذات جو خاص طور سے ہندوستانیوں ہی کی اطلاع وکاروبار کے لئے جاتے ہیں وہ سب انگریزی زبان میں لکھے جاتے ہیں۔

خلق اللہ اس غیر زبان کی وجہ سے پریشان ہوتی ہے اور اصحاب معاملہ کو محض اس زبان کی دقت کی وجہ سے دوگنا خرچ ترجمانی وغیرہ برداشت کرنا پڑتا ہے مگر حکومت اس کی پرواہ نہیں کرتی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دنیا اس پر مجبور ہوگئی کہ انگریزی زبان حاصل کرے اس کے بغیر زندگی بسر کرنا مشکل ہوگیا۔ کوئی پوچھے کہ اس میں کوئی اہل ملک کی مصلحت تھی ہرگز نہیں محض سیاسی اور وہ یہ کہ اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرنے اور معاشرت وتمدن اور اپنی نام نہاد تہذیب کو دنیا میں رواج دینا۔ ہمارے روشن خیال

برادر جو علماء سے یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ کبھی اس طرف بھی نظر عنایت متوجہ فرمائی ہے کہ انگریزی زبان میں ڈاک اور ریل کے ٹکٹ وغیرہ چھاپنے سے کیا فائدہ۔ سفر کرنے والے عموماً انگریزی دان نہیں۔ اگر وہ حکومت کی اس گہری چال پر نظر ڈالتے تو انہیں خطبہ کی عربی ہونے کی حکمت خود بخود معلوم ہو جاتی۔

عربی زبان کی بعض خصوصیات

اس کے بعد اس پر غور کیجئے کہ یہی وہ بات ہے جس کو یورپ سے بہت پہلے مسلمانوں نے سمجھا تھا اور چونکہ یہ ایک فطری اور طبعی طریقہ اسلامی شعار کی اشاعت کا تھا۔ اس لئے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنے طرز عمل سے اس کو اتنا موکد کر دیا کہ تمام عمر اس کے خلاف ایک نظیر بھی ظاہر نہیں ہوتی۔

اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں عربی زبان نے تمام عالم کو فتح کر لیا اور اس طرح فتح کیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کیونکہ تاریخ اقوام پر نظر ڈالنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ جس وقت عربی زبان ممالک عجم میں مسلمانوں کی فاتحانہ مداخلت کے ساتھ داخل ہوئی تو بغیر کسی ایسے ناجائز جبر وتشدد کے جو آج ہم پر روا رکھا جاتا ہے۔ عربی زبان کی جاذبہ محبوبیت نے اس طرح لوگوں کے قلوب میں جگہ کر لی کہ تھوڑی ہی مدت میں بہت سے ممالک عجم کی اپنی اصلی زبانیں بالکلیہ متروک ہو کر عربی زبان ہی ملکی زبان ہوگئی۔

مصر اور شام میں اسلام سے پہلے رومی زبان رائج تھی مسلمانوں کے داخل ہوتے ہی عربی زبان نے ملکی زبان کی جگہ لے لی اسی طرح عراق اور خراسان کی وطنی زبان فارسی تھی کچھ عرصہ کے بعد متروک ہو کر عربی رائج ہوگئی۔ چنانچہ عراق کا ایک بہت بڑا حصہ آج تک عربی زبان کا پابند ہے جس کو عراق عرب ہی کے نام سے موسوم کرتے ہیں البتہ خراسان میں انقلابات وحوادث کی بنا پر پھر فارسیت غالب ہوگئی۔ ممالک مغربی یورپ وغیرہ میں بربری زبان رائج تھی وہاں بھی عربی زبان نے اپنا سکہ جما لیا اور اگرچہ آج مدت مدیدہ کے بعد اب عربیت وہاں باقی نہیں رہی لیکن عربی لغت کے بہت سے آثار آج بھی انگریزی اور جرمنی اور فرانسیسی زبان میں موجود ہیں جیسا کہ انگریز مورخوں اور بعض مصنفین نے اس کا اقرار کیا ہے۔

نماز اور اذان اور خطبہ وغیرہ کو خاص عربی زبان میں رکھنا اسلام کا ایک اہم مذہب اور سیاسی مقصد ہے

الغرض شعائرِ اسلامیہ نماز، اذان اور تکبیرات اور خطبے جو مشاہد عامہ میں پڑھے جاتے ہیں ان کو عربی زبان میں کرنے کا سیاسی مقصد ہی یہ تھا کہ جب لوگ نہ سمجھیں گے اور ہر وقت اس سے سابقہ پڑے گا تو خوامخواہ عربی زبان سیکھنے کی طرف توجہ ہوگی جو کہ قرآن وحدیث اور علومِ شریعہ کی ترجمان زبان ہے اور جس کا سیکھنا مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے چنانچہ یہی ہوا اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ زبان کا اثر اخلاق وعادات اومعاشرت ومعاملات پر بہت گہرا ہوتا ہے عربی زبان کے بھی آثارِ مخصوصہ اس کے ساتھ ساتھ ہی عالمگیر ہو گئے۔ الغرض ان شعائرِ اسلامیہ کو عربی زبان میں رکھنے کی حکمت ایک سیاسی غرض ہے اور خطبہ جمعہ میں خصوصیت سے سیاست کا بھی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

خطبہ جمعہ میں سیاست کا مظاہرہ

چنانچہ دارالسلام میں خطبہ جمعہ کے خطیب کے لئے یہ بھی مستحب ہے کہ ان ممالک میں جو جہاد وجنگ کے ذریعہ فتح ہوئے ہیں۔ خطبہ کے وقت خطیب تلوار باندھ کر خطبہ دے (کما صرح بہ فی الدرمختار والشامی ص ۵۵۳) اور سنن ابو داؤد میں نبی کریم ﷺ سے تلوار لے کر خطبہ دینا روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی حکمت عمل کا نتیجہ ہے کہ آج بھی باوجودیکہ مسلمان مذہب اور مذہبی علوم سے کوسوں دور جا پڑے ہیں لیکن ہنوز ان میں قرآنی زبان کے ساتھ ایک خاص تعلق باقی ہے کہ ادنیٰ اشارہ سے مطلب سمجھ لیتے ہیں اور اس طرح عام مسلمان اپنے مرکز کے ساتھ مربوط ہیں۔ تعجب ہے کہ مسلمان اس حکمت کو نہیں سمجھتے بلکہ اعتراضات کرتے ہیں اور دوسری قومیں اس کا احساس کرتی ہیں اور اقرار کرتی ہیں۔

عربی زبان کے آثار خاصہ اور بعض یورپین مؤرخوں کا اعتراف

ڈاکٹر گستاولی بان کہتا ہے کہ زبان عربی کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے ملک گیر اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے۔ عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیار کرلیا۔ یہ زبان ممالکِ اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، یونانی، قبطی بربری وغیرہ کی جگہ لے لی۔

ایران میں ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی اور اگر چہ اس کے بعد وہاں فارسی کی تجدید ہوگئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اس زبان میں ہوتی ہیں۔ ایران کے کل علوم و مذہب کی کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں ایشیا کے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسط ہمیں زبان لاطینی کی حالت یورپ میں تھی۔

ترکوں نے بھی جنہوں نے عربوں کے ملک فتح کئے انہی کی طرزِ تحریر اختیار کرلی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ یورپ کی لاطینی اقوام کی البتہ ایک مثال ہے جہاں عربی زبان نے ان کی قدیم السنہ کی جگہ نہیں لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں۔ موسیو ڈوزی او موسیو انگلیمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرالی ہے۔ فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے۔ موسیو سدی پونہایت درست لکھتے ہیں کہ ادورن اوسوژ میں کی زبان بھی عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئی ہے اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔

فرانسیسی زبان کے ایک لغت نویسی جنہوں نے الفاظ کا اشتقاق دیا ہے، لکھتے ہیں: جنوبی فرانس میں عربوں کے قیام کا کوئی اثر نہ محاورہ پر رہا ہے اور نہ زبان پر۔ جو فہرست اوپر لکھی جا چکی ہے اس سے معلوم ہوگا کہ اس رائے کی کس قدر وقعت ہے نہایت تعجب کی بات ہے کہ اب بھی ایسے تعلیم یافتہ لوگ موجود ہیں جو اس قسم کے مہمل اقوال کا اعادہ کرتے ہیں انتہی۔ (منقول از تحقیق الخطبہ لحضرۃ الاستاد، مولانا شبیر احمد العثمانی الدیوبندی)

دیکھئے اگر اگلے زمانہ کے مسلمان بھی ہماری طرح یہی رائے رکھتے ہیں کہ خطبات وتکبیرات وغیرہ شعائرِ اسلامیہ کو ملکی زبان میں کر دیا جائے تو آج عربی زبان کی وہ امتیازی خصوصیات جن کا سکہ دوسری اقوام کو بھی ماننا پڑ گیا ہے، کس طرح محفوظ رہ سکتیں۔

رجم کی سزا
قرآن وسنّت کی روشنی میں

قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے :

پتھر مارنے : وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ (۱۱ : ۹۱) ، لَاَرْجُمَنَّكَ (۱۹ : ۴۶) ، يَرْجُمُوْكُمْ (۱۸ : ۲۰) ، مزید دیکھئے (۳۶ : ۱۸) و (۴۴ : ۲۰) و (۶۷ : ۵) و (۲۶ : ۱۱۶) اور لعنت کرنا، دھتکارنا ، دیکھئے (۱۵ : ۳۴) و (۸۱ : ۲۵) و (۳ : ۳۶) ، اٹکل پچوں تخمینہ لگانا (۱۸ : ۲۳) اور تہمت لگانا (۱۹ : ۴۶) ۔

فقہی اصطلاح میں ''رجم'' اس حد (شرعی سزا) کو کہا جاتا ہے جو مُحْصِنْ (تشریح آگے آئے گی) ۔زانی کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جس میں مجرم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

ذیل میں اسی سزا کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے گی۔

شرعی سزا کے طور پر ''رجم'' کا تذکرہ سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ملتا ہے۔موجودہ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ موسوی شریعت میں ''رجم'' یعنی سنگسار کر کے ہلاک کر دینا متعدد جرائم کی سزا تھی۔

۱۔ زنا کی (احبار،۲۰:۱۰ و استثنا ، (۲۲ : ۲۱ تا ۲۷)

۲۔ شرک اور بت پرستی کی دعوت دینے کی (استثنا ، (۱۳ :۱۰ و ۱۷ا۶)

۳۔ بتوں کے نام پر نذر کرنے کی (احبار،(۲۰ : ۲)

۴۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنے کی (استثنا ، (۲۱ : ۲۱)

۵۔ خدا کے نام پر لعنت کرنے کی (احبار ، ۲۴ : ۱۶ و سلاطین باب ۲۱)

۶۔ حضرت یوشع علیہ السلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نائب تھے، کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کی بنا پر بھی سنگسار کیا تھا۔ (یشوع ، ۷ : ۱۶ تا ۲۷)

حضرت رسول اکرم ﷺ کی شریعت میں ''رجم'' کی سزا صرف اس زنا کار کے لئے مخصوص کر دی گئی جو شادی شدہ ہو اور جس میں ''محصَن'' کی وہ شرائط پائی جاتی ہوں جن کا بیان

آ گے آرہا ہے۔ اور سزا کا اصل ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنیً متواتر ہیں۔

(الآلوسی: روح المعانی، ۱۸: ۹-۷ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر)

قرآن مجید میں صراحۃً اس سزا کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ سورۃ المائدہ کی آیات،

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۔ (تا)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ (۵: ۴۱ تا ۴۴)

میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کیونکہ ان آیات کے مستند شانِ نزول کے مطابق ان آیات میں ''حُكْمُ اللّٰهِ'' اور'' مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ'' سے مراد زانی کو رجم کی سزا دینے کا حکم ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہ آیات ایک ایسے یہودی کے بارے میں نازل ہوئی تھیں جس نے زنا کرلیا تھا اور یہودی اس کا فیصلہ اس خیال سے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے تھے کہ اگر آپ ﷺ نے رجم کے علاوہ کوئی اور فیصلہ کیا تو اسے مان لیں گے اور اگر رجم کا فیصلہ کیا تو اس سے انکار کردیں گے۔

آیات مذکورہ میں اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا سے یہی مراد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے رجم کا فیصلہ فرمایا اور ان پر یہ بھی ثابت کردیا کہ خود تورات میں بھی رجم ہی کا حکم مذکور ہے۔ اسی موقع پر علمائے یہود نے یہ اعتراف بھی کیا کہ تورات میں زنا کی اصل سزا رجم ہی تھی۔ پھر جب یہودی شرفاء میں زنا کا رواج عام ہوا تو ہم نے شرفاء کو اس سزا سے مستثنیٰ کرنا شروع کردیا۔ بعد میں اس تفریق کو ختم کرنے کے لئے ہم نے رجم کی سزا کو بالکل ہی موقوف کردیا اور اس کی جگہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا مقرر کردی۔

(دیکھئے مسلم، الصحیح، کتاب الحدود ۲: ۷۰، مطبوعہ کراچی وابن کثیر تفسیر ۲: ۵۷ تا ۶۰ مطبعہ مصطفیٰ محمد، مصر ۱۳۵۶ھ)

لٰہذا صاف بات یہ ہے کہ رجم کا ثبوت ان احادیث سے ہوا ہے جو معنیً متواتر ہیں اور قرآن مجید میں اس حکم کا مذکور نہ ہونا اس کے عدم ثبوت کی دلیل نہیں۔ جس طرح نمازوں کی اوقات اور ان کی رکعات کی تعداد قرآن مجید میں موجود نہیں لیکن متواتر احادیث اور مسلسل وتعامل کی وجہ سے ان کا ثبوت ناقابلِ انکار ہے اسی طرح رجم کا ثبوت بھی متواتر حدیث اور اجماعی تعامل کی بنا پر ہوا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں:

''مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز گذر جائے تو کوئی کہنے والا یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے، پھر کہیں لوگ ایسے فریضہ کو چھوڑ کا گمراہ نہ ہوجائیں جو اللہ نے نازل کیا تھا۔ خوب سن لو کہ رجم کا حکم اس شخص کے لئے حق ہے جو محصن ہونے کی حالت

میں زنا کرے جب کہ اس پر گواہیاں قائم ہوجائیں یا حمل ثابت ہوجائے یا ملزم خود اعتراف کرے"۔ (البخاری، الصحیح ، ۲: ۱۰۰۷، اصح المطابع دہلی ۱۳۵۷ھ)

حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو رجم کرنے کے بعد فرمایا :
"میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق رجم کیا"۔
(البخاری ، الصحیح ، ۲: ۱۰۰۶ ، باب رجم المحصن)

جن صحابہ کرامؓ نے آنحضرت ﷺ سے زانی محصن کو رجم کرنے کا حکم یا عمل روایت کیا ہے۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں :

حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت علیؓ بن ابی طالب، عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ، جابرؓ بن عبداللہ، ابوہریرہؓ، حضرت عائشہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، زید بن خالدؓ (ان سب کی روایات البخاری، الصحیح ، ۲ : ۱۰۰۶ تا ۱۰۱۱ میں موجود ہیں)۔ عبادہؓ بن صامت، سلمہؓ بن المحبق، ابوبرزہؓ، ہزالؓ، جابرؓ بن سمرہ، لجلاجؓ، ابوبکر صدیقؓ، بریدہؓ، ابوذر غفاریؓ، نصرؓ بن دہر اسلمی، عمرانؓ بن حُصَین، ابوبکرہؓ، ابوسعید خدریؓ، نعمانؓ بن بشیر، براءؓ بن عازب (ان کی روایات مسند احمد میں مروی ہیں۔ (دیکھئے الفتح الربانی ، ۱۶: ۱۸ تا ۱۰۵ ، مصر ۱۳۷۱ھ) ابی بن کعب، زیدؓ بن حارث، عبداللہ بن مسعودؓ (البیہقی السنن الکبریٰ ، ۸ : ۲۱۱ و ۲۱۳ ، دائرۃ المعارف ، دکن ۱۳۵۴ھ) قَبیصہؓ بن حُرَیث، انسؓ بن مالک، عجماءؓ، سہلؓ بن سعد، عبداللہ بن الحارثؓ ابن الخیر (الہیثمی، مجمع الزوائد ، ۶ : ۲۶۴ و ۲۶۵ و ۲۶۸ و ۲۷۱ ، دارالکتاب بیروت ۱۹۶۷ء) وائلؓ بن حجر (محمد بن محمد، جمع الفوائد ، ۱ : ۲۵۷، المدینۃ المنورہ ۱۳۸۱ھ) ، عثمانؓ بن عفان اور ابوامامہؓ بن سہل بن حنیف (مشکوٰۃ المصابیح ، ص ۳۰۱ ، اصح المطابع کراچی)

رضی اللہ عنھم اجمعین

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں شادی شدہ زنا کرنے والوں پر رجم کی سزا عائد کرنے کے متعدد واقعات پیش آئے جن میں زیادہ مشہور واقعات چار ہیں :

ایک حضرت ماعزؓ، ابن مالک اسلمی کا، دوسرے بنو غامد کی ایک عورت کا، تیسرے ایک اعرابی کی بیوی کا جس کے رجم کے لئے آپ نے حضرت اُنیس اسلمیؓ کو بھیجا تھا اور چوتھے دو یہودیوں کا جس کا ذکر اُوپر آچکا ہے۔

یہ تمام واقعات صحیح بخاری میں موجود ہیں۔ پہلے تینوں واقعات میں مجرموں نے خود زنا کا واضح اعتراف کیا تھا۔ گواہوں کے ذریعے رجم کا کوئی واقعہ عہدِ رسالت میں مسلمانوں کے درمیان پیش نہیں آیا البتہ یہودیوں کا رجم گواہوں کی بناء پر ہوا تھا۔ (ابو داؤد، السنن ، ۲: ۲۱۲، اصح المطابع کراچی)

قرآن مجید کی آیت :

الزانية والزانی فَاجلِدُ وا كلَّ وَاحِدٍ مِّنهُمَا مِائَة جَلْدَةٍ ۔ (۲۴النور ، ۲)

(یعنی زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ) میں جو حکم مذکور ہے وہ مذکورہ احادیث متواترہ کی بناء پر باجماع صرف غیر شادی شدہ زانی کا حکم ہے اور یہ خیال درست نہیں ہے کہ رجم کے واقعات اس آیت کے نزول سے پہلے کے ہیں اور اس آیت نے رجم کے حکم کو منسوخ کر کے ہر قسم کے زانی کے لئے کوڑوں کی سزا مقرر کر دی ہے اس لئے کہ مضبوط دلائل سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس آیت کے نزول کے بعد رجم پر عمل فرمایا ہے۔ یہ آیت سورۃ النور کی ہے جو واقعۂ اِفک (۴ھ یا ۵ھ یا ۶ھ) میں نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کا نزول زیادہ سے زیادہ ۶ھ میں ہوا ہے۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۱۲: ۱۱۰، مصر ۱۳۴۸ھ)

اور رجم کے تقریباً تمام واقعات ۶ھ کے بعد کے ہیں اس لئے کہ متعدد ایسے صحابہ نے رجم کے واقعات کا مشاہدہ کیا ہے جو ۶ھ کے بعد اسلام لائے تھے مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ۔ صحیح بخاری میں تصریح ہے کہ عسیف والے واقعہ میں وہ خود موجود تھے چنانچہ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وہ خود فرماتے ہیں:

كُنَّا عِندَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ ۔

(البخاری، الصحیح، باب الاعتراف بالزنا ، ۲: ۱۰۰۸ ، اصح الامطابع ، دہلی ۱۳۵۷ھ)

حالانکہ حضرت ابو ہریرہؓ خیبر کے موقعہ پر (۷ھ میں) اسلام لائے ہیں۔ اسی طرح البزارؒ اور الطبرانیؒ کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن الحارث بن جزء یہودیوں کے رجم میں شریک تھے فرماتے ہیں، فَكُنْتُ فی من رَجَمَهُمَا (الہیثمی، مجمع الزوائد، ۶: ۲۷۱، دار الکتاب بیروت ۱۹۶۷ء) اور وہ اپنے والد کے ساتھ فتح مکہ (۸ھ) کے بعد اسلام لائے تھے (دیکھئے فتح الباری، ۱۲: ۱۴۴، باب احکام اهل الذمة واحصَانِهِمْ اِذَا زَنَوُا ، المطبعة البهتيه، مصر ۱۳۴۸ھ) ادھر احمد، مسند اور الطبرانی معجم میں حضرت ابن عباس انہیں یہودیوں کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

فَكَانَ مِمَّا صَنَعَ اللهُ لِرَسُولِهٖ صَلَّى اللهُ عليه وآله وسلّم فِی تَحْقِيقِ الزِّنَا مِنْهُمَا ۔ (مجمع الزوائد، ۶: ۲۷۱)

یعنی اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے زنا کے حکم کی تحقیق ان یہودیوں کے ذریعہ کرائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کا واقعہ رجم کا سب سے پہلا واقعہ تھا، باقی تمام واقعات اس کے بعد ہوئے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رجم کے تمام واقعات فتح مکہ کے بعد ہوئے ہیں یعنی سورۃ النور نازل ہونے کے کم از کم دو سال بعد۔ لہٰذا اگر سورۃ النور کا حکم ہر قسم کے زانی کے لئے ہوتا تو آپ ﷺ اس کے نزول کے بعد کسی کو رجم نہ فرماتے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کا رجم فرمانا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ سورۃ النور کا حکم صرف غیر محصن زانی کی شرعی سزا رجم کرنے کا حکم مسلمانوں میں اجماعی اور غیر مختلف فیہ رہا ہے۔ علامہ الآلوسی لکھتے ہیں:

''صحابۂ کرام، اسلاف، علمائے امت اور ائمہ مسلمین کا اس پر اجماع ہے کہ زانی محصن کو سنگسار کیا جائے گا اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے''۔

(روح المعانی، ۸:۱۸ و ۷۹، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر)

علامہ کمال الدین ابن الہمام لکھتے ہیں:

رجم پر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تمام پچھلے علمائے اسلام کا اجماع ہے اور خوارج کا رجم سے انکار کرنا باطل ہے، اس لئے کہ اگر وہ اجماع صحابہ کی حجیت کا انکار کریں تو یہ جہل مرکب ہے، اور اگر وہ خبر واحد کی حجیت سے انکار کرتے ہوئے یہ کہیں کہ رجم آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں تو علاوہ اس کے کہ خبر واحد کی حجیت سے انکار دلائل کی رُو سے باطل ہے یہ مسئلہ خبر واحد سے متعلق ہی نہیں ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ سے رجم کا ثبوت معنیً ایسا ہی متواتر ہے جیسے حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت۔ رہیں اخبار آحاد، سو وہ صرف رجم کی صورتوں اور خصوصیات کی تفصیل سے متعلق ہیں۔

جہاں تک رجم کے اصل حکم کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور خوارج بھی عام مسلمانوں کی طرح متواتر معنوی پر عمل کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے اور مسلمان اہل علم اور راویوں سے انہوں نے تعلق نہیں رکھا، اس لئے وہ بہت سی جہالتوں میں مبتلا ہو گئے، یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے رجم پر اعتراض کیا کہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں ہے تو حضرت عمرؒ نے ان سے کہا کہ پھر رکعات نماز کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار کہاں سے ثابت ہوئیں؟ انہوں نے کہا کہ حضور اور مسلمانوں کے عمل سے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا: ''رجم بھی اسی طرح ثابت ہوا ہے''۔

(ابن الہمام: فتح القدیر، ۱۲۱:۴ و ۱۲۲، بولاق ۱۳۱۶ھ)

پھر اس بات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ رجم کی سزا صرف اس زانی کے لئے ہے جس میں احصان کی شرائط پائی جاتی ہوں، لیکن ان شرائط کی تفصیل میں تھوڑا سا اختلاف ہے: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجم کے حکم میں مُحصِن اس شخص کو کہیں گے جو مسلمان ہو، آزاد ہو، عاقل و بالغ ہو اور کسی مسلمان، عاقل بالغ اور آزاد عورت کے ساتھ نکاح صحیح کے ذریعے تعلقات زناشوئی قائم کر چکا ہو۔ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو اسے محصن نہیں کہا جائے گا اور اگر وہ زنا کرلے تو اس کی سزا رجم کے بجائے سو کوڑے ہوگی۔ (ابن نجیم: البحر الرائق ۵: ۱۱، الطبعۃ العلمیہ، مصر)

امام مالکؒ کے نزدیک بھی احصان کی یہی شرائط ہیں، البتہ ان کے نزدیک ایک شرط اور ہے اور وہ یہ کہ اس نے اپنی منکوحہ سے خلوت صحیحہ کی ہو، لہٰذا حیض یا روزے کی حالت میں خلوت سے احصان متحقق نہی ہوگا (ابن رُشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۰، المطبعۃ الازھریہ، مصر ۱۳۸۹ھ) امام شافعیؒ کے نزدیک احصان کے لئے نہ مجرم کا مسلمان ہونا شرط ہے اور نہ اس کی منکوحہ کا مسلمان یا آزاد ہونا (الشافعی: کتاب الأمّ، ۶، ۱۵۴، المطبعۃ الازھریہ، مصر ۱۳۸۱ھ)۔ امام احمدؒ کے نزدیک مسلمان ہونا تو شرط نہیں لیکن اس کی منکوحہ کا آزاد ہونا ضروری ہے۔

(ابن قدامہ: المقنع، ۳: ۴۵۲ و ۴۵۲۲، المطبعۃ السلفیہ، الروضہ ۱۳۸۲ھ)

یہ بھی اجماعی مسئلہ ہے کہ ایسے مُحصِن شخص کا صرف وہی زنا رجم کا مستوجب ہے جس میں حلال ہونے کا کوئی شُبہ نہ ہو، لہٰذا جہاں نکاح شُبہ بھی پایا جاتا ہو وہاں رجم نہیں ہوگا (ابن رشد: بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۶۷)۔ اس پر بھی اتفاق ہے کہ زنا کا ثبوت دو طریقوں سے ہوسکتا ہے ایک مجرم کے اعتراف و اقرار سے، دوسرے گواہوں سے، جہاں تک اعتراف کا تعلق ہے امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں یہ ضروری ہے کہ اقرار چار مرتبہ ہو، اور اقرار کرنے والا ہر مرتبہ اپنی جگہ بدل کر اقرار کرے۔ امام احمدؒ کے نزدیک چار مرتبہ ہونا ضروری ہے مگر جگہ بدلنا ضروری نہیں۔ (ابن الہمام، فتح القدیر ۴: ۱۱۷)

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف ایک مرتبہ اعتراف کرلینا بھی کافی ہے (بدایۃ المجتہد، ۲: ۴۷۴)۔ گواہوں کے بارے میں اس پر اتفاق ہے کہ کم از کم چار گواہ ہونے ضروری ہیں جنہوں نے اپنی آنکھ سے مجرم کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو اور صریح الفاظ میں بغیر کسی کنایہ کے اس کی گواہی دی ہو (حوالہ سابق)۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ قاضی ان پر جرح کرے اور ان کی عدالت و صداقت کی مکمل تحقیق ہوجانے پر رجم کا حکم دے۔ (فتح القدیر، ۴: ۱۱۵ و ۱۱۶)

رجم کا طریقہ یہ ہے کہ مجرم کو کسی کھلی جگہ میں لے جایا جائے جہاں عام لوگ بھی موجود ہوں۔ اگر مجرم عورت ہو تو اس کے لئے گڑھا کھود کر اس کو اس میں کھڑا کردینا مناسب ہے پھر اگر زنا کا ثبوت گواہوں سے ہوا ہے تو پتھر مارنے کی ابتداء گواہ کریں گے اور اگر اعتراف سے ہوا ہے تو ابتداء امام المسلمین کرے گا، پھر تمام حاضرین رجم میں حصہ لیں گے یہاں تک کہ مجرم کی موت واقع ہوجائے۔

(فتح القدیر، ۴: ۱۲۳ و ۱۲۴)

اسلام کا اصل منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ رجم کی سزا کم سے کم جاری ہو، لیکن جب جاری ہو تو سالہا سال کے لئے سامان عبرت بن جائے اور اس کی دہشت جرم کی لذت پر غالب آجائے چنانچہ اوّل تو معاشرہ میں عفت و عصمت عام کرنے کے لئے ایسے احکام وضع کئے گئے ہیں جن کی موجودگی میں زنا کا صدور مشکل سے مشکل تر ہوجائے، پھر قابل رجم زنا کے ثبوت کے لئے شرائط انتہائی سخت رکھی گئی ہیں، چار قابل اعتماد گواہوں کا بغیر کسی کنایہ کے صریح الفاظ میں چشم دید واقعہ کی گواہی دینا اسی وقت ممکن ہے جب کہ مجرم نے جرم کا ارتکاب کھلم کھلا کیا ہو، پھر اگر سزا جاری ہونے سے پہلے ان میں سے کوئی ایک گواہ بھی رجوع کرلے یا گواہی دیتے وقت ان میں کوئی معمولی اختلاف ہوجائے یا اقرار کی صورت میں مجرم کسی بھی وقت یہاں تک کہ سزا جاری ہونے کے دوران میں بھی اپنے اقرار سے منحرف ہوجائے تو سزا ساقط ہوجاتی ہے۔ (فتح القدیر، حوالہ سابق)

اس کے علاوہ دوسرے معمولی معمولی شبہات کی بنا پر سزا کو ساقط کردیا گیا ہے جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ دوسری طرف اگر کسی پر زنا کا الزام لگانے کے بعد کوئی شخص قانونی شرائط کے مطابق اسے ثابت نہ کرسکے تو اس کے لئے اَسّی کوڑوں کی سخت سزا مقرر کی گئی ہے۔ ان کڑی شرائط کے باوجود اگر کسی شخص سے قابل رجم زنا کا صدور ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ معاشرے کا یہ عضو سڑ چکا ہے جسے کاٹے بغیر جسم کی اصلاح ممکن نہیں، پھر اس عضو پر رحم کرنا پورے جسم پر ظلم کے مترادف ہے۔

استاذ عبدالقادر عودہؒ لکھتے ہیں :

"بعض لوگ آج زانی محصن کے لئے رجم کی سزا کو بہت زیادہ سمجھتے ہیں لیکن یہ محض ان کے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے جس پر خود ان کے دلوں کو یقین نہیں (اگر ان میں سے کسی شخص کو اپنے بہت قریبی حلقوں میں یہ واقعہ پیش آجائے تو اس کا ردعمل شاید اس سے بھی سخت ہوگا) اسلامی شریعت نے اس مسئلہ میں بھی اپنے دوسرے احکام کی طرح

باریک بینی اور انصاف کی روش اختیار کی ہے۔ جو لوگ زانی کو قتل کرنے کے تصور سے گھبرا اُٹھتے ہیں، اگر وہ واقعات کی دنیا کو دیکھیں تو ان پر حقیقت واضح ہو جائے اور انہیں پتہ چل جائے اسلام نے زانی محصن کو سنگسار کرنے کا حکم دے کر کوئی ایسا اقدام نہیں کیا جس سے طبیعت مانوس نہ ہو۔

آج کے مروّجہ قانون ہی کو دیکھ لیجئے، اگر زنا کے مجرموں میں سے کوئی ایک شادی شدہ ہو تو اس قانون کی رو سے اس کی سزا صرف قید ہے، اور اگر کوئی شادی شدہ نہ ہو تو جب تک جبر و اکراہ نہ ہو، کوئی سزا نہیں۔ یہ موجودہ قانون کا فیصلہ ہے لیکن کیا لوگ قانون کے اس فیصلے پر راضی ہو گئے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ لوگ نہ اس پر راضی ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ مروّجہ قانون کو توڑتے ہیں اور زانی کو قتل کر کے اس سے انتقام لے کر رہتے ہیں۔ اور بعض مرتبہ یہ انتقامی قتل رجم سے بھی زیادہ شدید طریقوں سے کئے جاتے ہیں، سمندر میں ڈبو دینا، آگ میں جلا دینا، عضو عضو کاٹ ڈالنا اور ہڈیاں توڑ دینا، (بعض اوقات یہ سلسلۂ قتل نسلوں تک جاری رہتا ہے) اس قسم کے واقعات روزمرہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ جب واقعہ یہ ہے تو ہم رجم کی سزا سے کیوں ڈریں؟ اس سزا کو اختیار کرنا ایک حقیقت کو تسلیم کرنا ہے اور حقیقت کو تسلیم کرنا شجاعت اور فضیلت کی بات ہے"۔

(عبدالقادر عودہ: التشریع الجنائی الاسلامی ۱: ۶۴۱ و ۶۴۲، مکتبۃ دار العروبہ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ)

مآخذ :

(۱) القرآن المجید: (۴ النساء: ۱۵)، (۵ المائدہ: ۴۲) ۴، (۲۴ النور: ۲) اور آیات کے تحت تمام تفاسیر، خصوصاً۔

(۲) ابن کثیر، تفسیر، مکتبۃ التجاریۃ الکبری ۱۳۵۶ھ۔

(۳) محمود الآلوسی، روح المعانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ۔

(۴) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکاتب العربی ۱۳۸۷ھ۔

(۵) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۶) نیز اردو تفاسیر بالخصوص امیر علی، مواہب الرحمٰن، بذیل آیات متعلقہ۔ نیز قرآن مجید میں رجم کا ذکر نہ ہونے پر لطیف و دقیق بحث کے لئے دیکھئے۔

(۷) علامہ انور شاہ کشمیری، مشکلات القرآن، (ص ۲۱۳ مطبوعہ مجلس علمی، دہلی ۱۳۵۷ھ)۔ رجم سے متعلق احادیث کا بڑا ذخیرہ صحاحِ ستہ کے علاوہ الفتح الربانی۔ (تبویب مسند احمد) جلد ۱۶ مطبوعہ مصر ۱۳۷۱)

(۸) البیھقی، السنن الکبریٰ، جلد ۸ دائرۃ المعارف دکن ۱۳۵۴ھ۔
(۹) البیھقی، مجمع الزوائد، جلد ۶، دار الکتاب، بیروت ۱۹۶۷ء۔
احادیث رجم کی مفصل تشریح کے لئے:
(۱۰) ابن حجر، فتح الباری، جلد ۱۲ امطبوعہ المطبعۃ البہیہ مصر بہترین ہے۔
(۱۱) السیوطی، الاتقان ۲:۲۶ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱۳۱۸ھ۔
(۱۲) (ابن امیر الحاج، التقریر والتعبیر ۳: ۶۶ بولاق ۱۳۱۷ھ۔ نیز اصول فقہ اور علوم القرآن کی کتب میں نسخ کی بحث دیکھئے۔
رجم کی فقہی تفصیلات کے لئے:
(۱۳) ابن رشد، ہدایۃ المجتہد، جلد ۲، المطبعۃ الازہریۃ، مصر ۱۳۸۹ھ۔
(۱۴) ابن نجیم، البحر الرائق، جلد ۵، المطبعۃ العلمیہ مصر۔
(۱۵) ابن الہمام، فتح القدیر جلد ۴، بولاق، ۱۳۱۶ھ ناگزیر ہیں۔
زنا کی مختلف صورتوں، ان کے احکام اور ان کی عقلی حکمتوں کے لئے دیکھئے:
(۱۶) عبد القادر عودہ، التشریع الجنائی الاسلامی، جلد اول، مکتبۃ دار العروبۃ، قاہرہ ۱۳۷۸ھ۔
(۱۷) عبد العزیز عامر، التعزیر فی الشریعۃ الاسلامیہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۷۷ھ۔
(۱۸) احمد فتحی بہنسی، الجرائم فی الفقہ الاسلامی، مطبوعہ الشرکۃ العربیہ للطباعۃ والنشر، قاہرہ ۱۹۵۹ء)

بندہ

مفتی محمد شفیع

(بشکریہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جامعہ پنجاب مقالہ "رجم")

سود و ربا کی اسلامی تعریف اور اس کے حرام ہونے کی حکمت

موجودہ زمانے میں اس سے نجات کی صورت

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں اس موضوع پر بڑی تسلی سے کلام کرتے ہوئے یہ بتادیا ہے کہ قرآن میں جو ربا مذکور ہے اس سے جلی اور واضح طور پر وہ ربا مراد ہے جو قرض ادھار پر لیا دیا جاتا تھا اور اسی کو زمانہ جاہلیت میں ربا کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ کے بیان اور آپ کی سنت سے دوسری قسم کے ربا کا علم ہوا جو خاص خاص اقسام بیع وشراء میں کمی زیادتی یا ادھار کرنے کا نام ہے اور اس ربا کے حرام ہونے پر بھی احادیث رسول کریم ﷺ متواتر آئی ہیں مگر اس قسم کے ربا کی تفصیلات پوری واضح نہ ہونے کے سبب اس میں بعض صحابہ کرامؓ کو اشکال پیش آیا اور فقہا کے اختلافات ہوئے۔

(شرح معانی الاآخر صفحہ ۲۳۲ جلد ۲)

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغۃ میں فرمایا ہے کہ ربا ایک حقیقی ہے اور ایک وہ جو بحکم ربا ہے حقیقی ربا قرض ادھار پر زیادتی لینے کا نام ہے اور بحکم ربا وہ ہے جس کا بیان حدیث میں آیا ہے کہ خاص چیزوں کی بیع میں زیادتی لینے کو ربا کہا گیا ہے اور ایک حدیث میں جو آیا ہے۔

لاربا الا فی النسیئۃ ۔ (رواہ البخاری)

یعنی ربا صف ادھار میں ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ حقیقی اور اصلی ربا جس کو عام طور پر ربا سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ ادھار پر نفع لینے کا نام ہے اس کے سوا جتنی اقسام اس کے ساتھ ملحق کی گئی ہیں وہ سب حکماً ربو میں داخل ہیں۔

اس تفصیل سے چند چیزیں واضح ہوگئیں

اول یہ کہ نزول قرآن سے پہلے ربا ایک متعارف چیز تھی، قرض ادھار پر بحساب میعاد زیادتی لینے کو ربا کہا جاتا تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن میں حرمت ربا نازل ہوتے ہی سب صحابہ کرام نے اس ربا کو ترک کر دیا اس کے معنی سمجھنے سمجھانے میں کسی کو نہ اشکال پیش آیا نہ اشتباہ، تیسرے یہ کہ رسول کریم ﷺ نے چھ چیزوں کے بارہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی باہمی بیع وشراء میں برابری شرط ہے

کمی بیشی ربا میں داخل ہے اور ان میں ادھار کرنا بھی ربا میں داخل ہے۔ یہ چھ چیزیں سونا، چاندی جو، گیہوں، کھجور، انگور، ہیں اور اسی قانون کے تحت عرب میں مروجہ اقسام بیع مزابنہ ،محاقلہ وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا۔

رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں چھ چیزوں کی بیع وشراء میں کمی بیشی اور ادھار کو تو صراحۃً ربا میں داخل قرار دیکر حرام کر دیا تھا لیکن اس میں یہ بات محل تفقہ واجتہاد تھی کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری اشیاء میں بھی ہے اور اس کا ضابطہ کیا ہے۔ اس ضابطہ میں فقہاء نے اپنے اپنے غور فکر اور اجتہاد سے مختلف صورتیں تجویز کیں اور چونکہ یہ ضابطہ خود رسول کریم ﷺ نے بیان نہ فرمایا تھا اس میں اشتباہ رہنے کے سبب حضرت فارق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہار افسوس کیا کاش رسول کریم ﷺ خود ہی اس کا کوئی ضابطہ بیان فرمادیتے تو مشتبہ حالات میں اطمینان پیدا ہو جاتا اور پھر یہ ارشاد فرمایا کہ جہاں ربا کا شبہ بھی ہو اس سے بچنا چاہئے۔

چوتھے یہ کہ معلوم ہوا کہ اصلی اور حقیقی ربا جس کو فقہاء نے ربو القرآن یا ربو القرض کے نام سے موسوم کیا ہے وہی ہے جو عرب میں متعارف تھا یعنی قرض ادھار پر بحساب میعاد نفع لینا دوسری قسم کے ربا جو حدیث میں بتلائے گئے وہ سب اسی ربا کے ساتھ ملحق اور اس کے حکم میں ہیں اور جو کچھ خلاف اور اختلاف امت میں ہوا وہ سب اسی دوسری قسم کے معاملات ربا میں ہوا۔ پہلی قسم کا ربا جو ربا القرآن کہلاتا ہے اس کے حرام ہونے میں پوری امت محمدیہ میں کبھی کوئی اختلاف نہیں ہوا۔

اور آجکل جو ربا انسانی معاشیات کا مدار سمجھا جاتا ہے اور مسئلہ سود جو زیر بحث ہے وہ یہی ربا ہے جس کی حرمت قرآن کی سات آیات اور چالیس سے زیادہ احادیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

ربا کی دوسری قسم جو بیع وشراء کے ضمن میں ہوتی ہے نہ اس کا رواج عام ہے نہ اس میں کوئی بحث کرنے کی ضرورت ہے یہاں تک یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن وسنت میں ربا کی حقیقت کیا ہے جو مسئلہ سود کی پہلی بات ہے اس کے بعد دوسری بحث اس کی ہے کہ ربا کی حرمت وممانعت کس حکمت ومصلحت پر مبنی ہے اور اس میں وہ کونسی روحانی یا معاشی مضرتیں ہیں جس کی وجہ سے اسلام نے اس کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے۔

اس جگہ پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیا کی ساری مخلوقات اور ان کے معاملات میں ایسی کوئی چیز نہیں جس میں کوئی بھلائی یا فائدہ نہ ہو۔ سانپ، بچھو، بھیڑ، شیر اور سنکھیا جیسے زہر قاتل میں بھی انسان کے لئے ہزاروں فوائد ہیں۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

چوری ڈاکہ، بدکاری، رشوت، ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس میں کچھ نہ کچھ فائدہ نہ ہو مگر ہر مذہب وملت اور ہر مکتب فکر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ جس چیز کے، نافع زیادہ اور مضرتیں کم ہیں ان کو نافع ومفید کہا جاتا ہے اور جن کے مقاصد ومضرات زیادہ اور منافع کم ہیں ان کو مضر اور بیکار سمجھا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی شراب اور قمار کو حرام قرار دیتے ہوئے اس کا اعلان فرمایا کہ ان میں بڑے گناہ بھی ہیں اور لوگوں کے کچھ منافع بھی مگر ان کے گناہ کا وبال منافع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے ان چیزوں کو اچھا یا مفید نہیں کہا جاسکتا بلکہ ان کو نہایت مضر اور تباہ کن سمجھ کر ان سے اجتناب لازم ہے۔

ربا یعنی سود کا بھی یہی حال ہے اس میں سود خور کے لئے کچھ وقتی نفع ضرور نظر آتا ہے لیکن اس کا دنیوی اور اخروی وبال اس نفع کے مقابلہ میں نہایت شدید ہے۔ ہر چیز کے نفع نقصان یا مفاسد ومصالح کا موازنہ کرنے میں یہ بات بھی ہر عقلمند کے نزدیک قابلِ نظر ہوتی ہے کہ اگر کسی چیز میں نفع محض وقتی اور ہنگامی ہو اور نقصان اس کا دیرپا یا دائمی ہو تو اس کو کوئی عقلمند مفید اشیاء کی فہرست میں شمار نہیں کرسکتا اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو اور اس کا نقصان پوری ملت اور جماعت کو پہنچتا ہو تو اس کو بھی کوئی ہوشمند انسان مفید نہیں کہہ سکتا۔ چوری اور ڈاکہ میں چور ڈاکو کا تو نفع کھلا ہوا ہے مگر وہ پوری ملت کے لئے مضر اور ان کے امن وسکون کو برباد کرنے والا ہے اس لئے کوئی انسان چوری اور ڈاکہ کو اچھا نہیں کہتا۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ سود پر نظر ڈالئے تو اس میں ذرا سا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں سود خور کے وقتی اور ہنگامی نفع کے مقابلہ میں اس کا روحانی اور اخلاقی نقصان اتنا شدید ہے کہ وہ اس کو انسانیت سے نکال دیتا ہے۔ اور یہ کہ اس کا جو وقتی نفع ہے وہ بھی صرف اس کی ذات کا نفع ہے اس کے مقابلہ میں پوری امت کو نقصانِ عظیم اور معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ جب اس میں کوئی چیز رواج پا جاتی ہے تو اس کی خرابیاں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہیں اور صرف اس کے

فوائد سامنے رہ جاتے ہیں اگرچہ وہ فوائد کتنے ہی حقیر و ذلیل اور ہنگامی ہوں اس کے نقصان کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا اگرچہ وہ کتنے ہی شدید اور عام ہوں۔

رسم و روج طبائع انسان کے لئے ایک کلورافارم ہے جو اس کو بے حس بنا دیتا ہے۔ بہت کم افراد ہوتے ہیں جو چلے ہوئے رسم و رواج پر تحقیقی نظر ڈال کر یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ اس میں فائدے کتنے ہیں اور نقصان کتنا بلکہ اگر کسی کے تنبیہ کرنے سے اس کے نقصانات سامنے بھی آجائیں تو پابندی رسم و رواج اس کو صحیح راستہ پر نہیں آنے دیتے۔ سود ربا اس زمانہ میں ایک وبائی مرض کی صورت اختیار کر چکا ہے اور اس کا رواج ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اس نے انسانی فطرت کا ذائقہ بدل دیا ہے کہ کڑوی کو میٹھا سمجھنے لگی اور جو چیزیں پوری انسانیت کے لئے معاشی بربادی کا سبب ہے اس کو معاشی مسئلہ کا حل سمجھا جانے لگا۔ آج اگر کوئی مفکر محقق اس کے خلاف آواز اٹھائے تو اس کو دیوانہ سمجھا جاتا ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن وہ ڈاکٹر، ڈاکٹر نہیں بلکہ پوری انسانیت کا ڈاکو ہے جو کسی ملک میں وبا پھیل جانے کو اور علاج کا غیر مؤثر ہونے کا مشاہدہ کرنے کی بناء پر اب یہ طے کرے کہ لوگوں کو یہ سمجھائے کہ یہ مرض ہی نہیں بلکہ عین شفاء اور راحت ہے۔ ماہر ڈاکٹر کا کام ایسے وقت میں بھی یہی ہے کہ لوگوں کو اس مرض اور اس کی مضرت سے آگاہ کرتا رہے اور علاج کی تدبیریں بتاتا رہے۔

انبیاء علیہم السلام اصلاح خلق کے ذمہ دار ہو کر آتے ہیں وہ کبھی اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بات سنے گا یا نہیں وہ اگر لوگوں کے سننے اور ماننے کا انتظار کیا کرتے تو ساری دنیا کفر و شرک ہی سے آباد ہوتی۔ کلمہ **لا الہ الا اللہ** کا ماننے والا اس وقت کوئی تھا جب خاتم الانبیاء ﷺ کو اس کی تبلیغ و تعلیم کا حکم منجانب اللہ ملا تھا؟

سود اور ربا کو اگرچہ آج کی معاشیات میں ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے لیکن حقیقت وہ ہے جو آج بھی بعض حکماء یورپ نے تسلیم کی وہ معاشیات کے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہو جانے والا ایک کیڑا ہے جو اس کو کھا رہا ہے۔

مگر افسوس ہے کہ آج کل کے اہلِ علم و فن بھی کبھی رسوم و رواج کے تنگ دائرہ سے آزاد ہو کر اس طرف نظر نہیں کرتے اور سینکڑوں برس کے تجربے بھی ان کو اس طرف متوجہ نہیں کرتے کہ سود و ربا کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عام خلقِ خدا اور تمام ملت فقر و فاقہ اور معاشی بحران کا شکار ہو اور وہ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جائیں اور چند سرمایہ دار پوری ملت کے مال سے فائدہ اٹھا کر یا یوں کہیے کہ ملت کا

خون چوس کر اپنا بدن بڑھاتے اور پالتے چلے جائیں۔ اور حیرت ہے کہ جب کبھی ان حضرات کے سامنے اس حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے تو اس کے جھٹلانے کے لئے ہمیں امریکہ اور انگلینڈ کے بازاروں میں لے جا کر سود کی برکات کا مشاہدہ کرانا چاہتے ہیں اور یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ سود و ربا کی بدولت کیسے پھلے اور کیسے پھولے ہیں لیکن اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی مردم خوروں کی کسی قوم اور اس کے عمل کی برکات کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ کو مردم خوروں کے محلّہ میں لے جا کر یہ دکھائے کہ یہ کتنے کتنے موٹے تازے اور تندرست ہیں اور اس سے یہ ثابت کرے کہ ان کا یہ عمل بہترین عمل ہے۔

لیکن اس کو کسی سمجھدار آدمی سے سابقہ پڑے تو وہ کہے گا کہ تم مردم خوروں کے عمل کی برکات مردم خوروں کے محلّہ میں نہیں۔ دوسرے محلوں میں جا کر دیکھو جہاں سینکڑوں ہزاروں مردے پڑے ہوئے ہیں جن کا خون اور گوشت کھا کر یہ درندے پلے ہیں۔ اسلام اور اسلامی شریعت کبھی ایسے عمل کو درست اور مفید نہیں مان سکتی جس کے نتیجہ میں پوری انسانیت اور ملت تباہی کا شکار ہو اور کچھ افراد یا ان کے جتھے پھولتے پھلتے جائیں۔

ان کے ذریعہ جن معاملات میں وضاحت نہ ہوتی ان میں اپنی رائے اور اجتہاد سے حکم صادر فرماتے۔ حالات و زمانہ کی رعایت سے جس قدر امور دنیوی میں ترمیم ناگزیر ہوتی ہے ان سب کے متعلق آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

ان کان شیئی امر دنیا کم فشا نکم به

اور جب معاذ ابن جبل کو یمن بھیجتے وقت دریافت فرمایا کہ مقدمات میں فیصلہ کس طرح کرو گے؟ تو جواب میں یہی کہا تھا کہ قرآن وسنت کے بعد اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا:

الحمد لِلّٰهِ الذی وفق رسول رسول الله مما یرضی به رسو ل الله

لیکن ان واضح ہدایات کے باوجود صحابہ کرام ؓ رائے اور اجتہاد کے باب میں نہایت ہی محتاط رہتے تھے۔ حالات کی رعایت سے جس قدر اجتہاد کی ضرورت ہوتی یا رائے استعمال کرنے کی نوبت آتی تو مقاصد شریعت سے سر مو تجاوز نہ فرماتے اور خلاف ورزی کی صورت میں سخت تکبر کرتے تھے۔

شراب کی حرمت

اور شراب نوشی سے پیدا ہونے والی خرابیاں

ابتداء اسلام میں عام رسومِ جاہلیت کی طرح شراب نوشی بھی عام تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں بھی شراب اور قمار (یعنی جوا کھیلنے کا رواج تھا) عام لوگ تو ان دونوں چیزوں کے صرف ظاہری فوائد کو دیکھ کر ان پر فریفتہ تھے۔ ان کے اندر جو بہت سے مفاسد اور خرابیاں ہیں ان کی طرف نظر نہیں تھی لیکن عادت اللہ یہ بھی ہے کہ ہر قوم اور ہر خطہ میں کچھ عقل والے بھی ہوتے ہیں جو طبیعت پر عقل کو غالب رکھتے ہیں کوئی طبعی خواہش اگر عقل کے خلاف ہو تو اس خواہش کے پاس نہیں جاتے۔ اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ کا مقام تو بہت ہی بلند تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپ کی طبیعت اس سے ہی نفرت کرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔

شراب کی حرمت کے بارے میں پہلی آیت

مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کو ان کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا۔ حضرت فاروقِ اعظم اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہ اسی احساس کی بناء پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے، اس سوال کے جواب میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۱۹ نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ شراب اور جوئے میں اگر چہ لوگوں کے کچھ ظاہری فوائد ضرور ہیں لیکن ان دونوں میں گناہوں کی بڑی بڑی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو ان کے منافع اور فوائد سے بڑھی ہوئی ہیں اور گناہ کی باتوں سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کسی گناہ کا سبب بن جائیں۔ مثلاً شراب میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ عقل و ہوش زائل ہو جاتا ہے جو تمام کمالات اور شرفِ انسانی کا اصل اصول ہے کیونکہ عقل ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسانوں کو برے کاموں سے روکتی ہے جب وہ نہ رہی تو ہر برے کام کے لئے راستہ ہموار ہو گیا۔

اس آیت میں خاص طور پر شراب کو حرام نہیں کہا گیا مگر اس کی خرابیاں اور مفاسد بیان کر دیئے گئے ہیں کہ شراب کی وجہ سے انسان بہت سے گناہ اور خرابیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے گویا اس کے ترک کرنے کے لئے ایک قسم کا مشورہ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ کرام ؓ تو اس مشورہ ہی کو قبول کر کے اسی وقت شراب کو چھوڑ بیٹھے اور بعض نے یہ خیال کیا کہ اس آیتَ نے شراب کو حرام تو کیا نہیں بلکہ مفاسد دین کا سبب بننے کی وجہ سے اس کو سبب گناہ قرار دیا ہے، ہم اس کا اہتمام کریں گے کہ وہ مفاسد واقع نہ ہوں تو پھر شراب میں کوئی حرج نہیں، اس لئے پیتے رہے۔

حرمتِ خمر کے بارے میں دوسری آیت

یہاں تک کہ ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے صحابہ کرام ؓ میں سے چند ایسے دوستوں کی دعوت کی، کھانے کے بعد حسبِ دستور شراب پی گئی اسی حال میں نمازِ مغرب کا وقت آ گیا۔ سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو ایک صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھایا انہوں نے نشہ کی حالت میں جو تلاوت شروع کی تو سورہ، قل یا ایھا الکٰفِرُون کو غلط پڑھا اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسرا قدم اٹھایا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

یا ایھا الّذین آمنوا لا تقربوا الصّلوٰۃ وانتم سُکاریٰ

''یعنی اے ایمان والو تم نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ''۔

اس میں خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا۔ باقی اوقات میں اجازت رہی بعض حضرات صحابہ نے دوسری آیت نازل ہونے کے وقت شراب کو مطلقاً ترک کر دیا کہ جو چیز انسان کو نماز سے روکے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ جب نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہو گئی تو ایسی چیز کے پاس نہ جانا چاہئے جو انسان کو نماز سے محروم کر دے مگر چونکہ علاوہ اوقاتِ نماز کے شراب کی حرمت صاف طور پر اب بھی نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ حضرات اب بھی اوقاتِ نماز کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے۔

حرمتِ خمر کے بارے میں تیسری اور چوتھی آیت

یہاں تک کہ ایک اور واقعہ پیش آیا۔ عتبان بن مالک ؓ نے صحابہ کرام کی دعوت کی جن میں سعد بن ابی وقاص ؓ بھی تھے۔ کھانے کے بعد حسبِ دستور شراب کا دور چلا، نشہ کی حالت میں عرب کی عام

عادت کے مطابق شعر وشاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا۔ سعد بن ابی وقاص ؓ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصارِ مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح وثناء تھی۔ اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آگیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سعد ؓ کے سر پر دے ماری، جس سے ان کو شدید زخم آگیا۔ حضرت سعد رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری جوان کی شکایت کی، اس وقت آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی:

اللّٰھم بیّن لنا فی الخمر بیاناً شافیا

''یا اللہ شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرمادے''۔

اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورہ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ آیت یہ ہے:

یا ایّھا الذین اٰمنوا انمّا الخمر والمیسر والا نصاب والازلام رجس من عَمَل الشیطن فاجتنبوہ لعلّکم تفلحون انمّا یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر والمیسر ویصدّکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ فھل انتم منتھون .

''اے ایمان والوں بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور جوے کے تیر، یہ سب گندی باتیں شیطانی کام ہیں، اس سے بالکل الگ رہو تا کہ تم کو فلاح ہو۔ شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض اور عداوت پیدا کردے اور اللہ تعالیٰ کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے سو کیا اب بھی باز نہ آؤ گے''۔

حرمت شراب کے تدریجی احکام

احکامِ الٰہیہ کی اصلی اور حقیقی حکمتوں کو تو احکم الحاکمین ہی جانتا ہے مگر احکامِ شرعیہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعتِ اسلام نے احکام میں انسانی جذبات کی بڑی رعایت فرمائی ہے تا کہ انسان کو ان کے اتباع میں زیادہ تکلیف نہ ہو۔

خود قرآن کریم نے فرمایا ہے:

لا یُکلف اللہ نفساً الاّ وسعھا

''اللہ تعالیٰ کسی انسان کو ایسا حکم نہیں دیتا جو اس کی قدرت اور وسعت میں نہ ہو''۔

اسی رحمت وحکمت کا تقاضہ تھا کہ اسلام نے شرب کوحرام کرنے میں بڑی تدریج سے کام لیا۔

شراب کی تدریجی ممانعت اور حرمت کی قرآنی تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں شراب کے متعلق چار آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ جن کا اوپر ذکر آچکا ہے ان میں سے ایک آیت سورۂ بقرہ کی ہے جس کی تفسیر آپ اس وقت دیکھ رہے ہیں۔ اس میں تو شراب سے پیدا ہو جانے والے گناہوں کا مفاسد کا ذکر کر کے چھوڑ دیا گیا ہے حرام نہیں کہا، گویا ایک مشورہ دے دیا کہ یہ چھوڑنے کی چیز ہے مگر چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

دوسری آیت سورۂ نساء کی **لا تقربوا الصلوة وانتم سكارىٰ** میں خاص اوقاتِ نماز کے اندر شراب کوحرام کر دیا گیا باقی اوقات میں اجازت رہی۔

تیسری اور چوتھی دو آیتیں سورہ مائدہ کی ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں ان میں صاف اور قطعی طور پر شراب کوحرام قرار دے دیا۔

شریعتِ اسلام نے شراب کے حرام کرنے میں اس تدریج سے اس لئے کام لیا کہ عمر بھر کی عادت خصوصاً نشہ کی عادت کو چھوڑ دینا انسانی طبیعت پر انتہائی شاق اور گراں ہوتا، علماء نے فرمایا :

فطام العادت اشدُ من فطام الرّضاعة

یعنی ''جیسے بچے کو ماں کا دودھ پینے کی عادت چھوڑ دینا بھاری معلوم ہوتا ہے انسان کو اپنی کسی عادت مستمرہ کو بدلنا اس سے زیادہ شدید اور سخت ہے''۔

اس لئے اسلام نے حکیمانہ اصول کے مطابق اول اس کی بُرائی ذہن نشین کرائی، پھر نمازوں کے اوقات میں ممنوع کیا، پھر ایک خاص مدت کے بعد قطعی طور پر حرام کر دیا گیا، ہاں جس طرح ابتداءِ تحریم شراب میں آہستگی اور تدریج سے کام لینا حکمت کا تقاضا تھا، اسی طرح حرام کر دینے کے بعد اس کی ممانعت کے قانون کو پوری شدت کے ساتھ نافذ کرنا بھی حکمت ہی کا تقاضا تھا اسی لئے رسول کریم ﷺ نے شراب کے بارے میں اوّل سخت وعیدیں عذاب کی بتلائیں ارشاد فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے اس کو پی کر آدمی بڑے بڑے گناہ کا مرتکب ہو سکتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے یہ روایتیں نسائی میں ہیں اور جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ :

آنحضرت ﷺ نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی :

(۱) نچوڑنے والا۔ (۲) بنانے والا۔ (۳) پینے والا۔

(۴) پلانے والا۔ (۵) اس کو لانے والا۔ (۶) جس کے لئے لائی جائے۔

(۷) اس کا بیچنے والا۔ (۸) خریدنے والا۔ (۹) اس کو ہبہ کرنے والا۔

(۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔ اور پھر صرف زبانی تعلیم و تبلیغ پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کر دے۔

صحابہ میں تعمیل حکم کا بے مثال جذبہ

فرمانبردار صحابہ کرام نے پہلا حکم پاتے ہی اپنے اپنے گھروں میں جو شراب استعمال کے لئے رکھی تھی ان کو تو اسی وقت بہا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں جو برتن شراب کا تھا اسکو وہیں پھینک دیا، جس کے پاس کوئی سبو یا خم شراب کا تھا اس کو گھر سے باہر لا کر توڑ دیا۔

حضرت انسؓ اس وقت ایک مجلس میں دورِ جام کے ساقی بنے ہوئے تھے۔ ابو طلحہ، ابو عبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، سہیل رضوان اللہ علیہم اجمعین، جیسے جلیل القدر صحابہ موجود تھے، منادی کی آواز کان میں پڑتے ہی سب نے کہا کہ اب یہ شراب سب گرا دو۔ اس کے جام و سبو توڑ دو۔ بعض روایات میں ہے کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں جام شراب لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے وہیں سے اس کو پھینک دیا۔ مدینہ میں اس روز شراب اس طرح بہہ رہی تھی۔ جیسے بارش کی رو کا پانی اور مدینہ کی گلیوں میں عرصۂ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوئی تو شراب کی بُو اور رنگ مٹی میں نکھر آتا تھا۔

جس وقت ان کو یہ حکم ملا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب ہے وہ فلاں جگہ جمع کر دے۔ اس وقت صرف وہ ذخیرے کچھ رہ گئے تھے، جو مالِ تجارت کی حیثیت سے بازار میں تھے۔ اُن کو فرمانبردار صحابہ کرام نے بلا تامل مقرر جگہ پر جمع فرما دیا۔

آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے شراب کے بہت سے مشکیزوں کو چاک کر دیا اور باقی دوسرے صحابۂ کرام کے حوالے کر کے چاک کرا دیا۔

ایک صحابی جو شراب کی تجارت کرتے تھے اور ملک شام سے شراب درآمد کیا کرتے تھے، اتفاقاً اس زمانے میں ساری رقم جمع کر کے ملک شام سے شراب لینے کے لئے گئے ہوئے تھے اور جب یہ تجارتی مال لے کر واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو اعلانِ حرمت کی خبر مل گئی۔ جانثار صحابی نے اپنے پورے سرمائے اور محنت کی حاصلات کو جس سے بڑے منافع کی امیدیں لئے ہوئے آرہے تھے، اعلانِ حرمت سُن کر اسی جگہ ایک پہاڑی پر ڈال دیا اور خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے اور مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمانِ خداوندی کے مطابق حکم دے دیا کہ سب مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہادو۔ فرمانبردار محبّ خدا و رسول ﷺ نے بلا کسی جھجک کے اپنے ہاتھ سے اپنا پورا سرمایہ زمین پر بہادیا۔

یہ بھی اسلام کا ایک معجزہ اور صحابہ کرام کی حیرت انگیز و بے مثال اطاعت ہے جو اس واقع میں ظاہر ہوئی کہ جس چیز کی عادت ہو جائے سب جانتے ہیں کہ چھوڑنا سخت دشوار ہے، اور یہ حضرات بھی اس کے ایسے عادی تھے کہ تھوڑی دیر اس سے صبر کرنا دشوار تھا۔ ایک حکم الٰہی اور فرمانِ نبوی نے ان کی عادات میں ایسا عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا کہ اب یہ شراب اور جُوئے سے ایسے ہی متنفر ہیں، جیسے اس سے پہلے ان کے عادی تھے۔

اسلامی سیاست اور عام ملکی سیاستوں کا فرق عظیم

مذکورہ آیات پھر واقعات میں حرمتِ شراب کے حکم پر مسلمانوں کے عمل کا ایک نمونہ سامنے آگیا ہے، جس کو اسلام کا معجزہ کہو یا پیغمبرانہ تربیت یا اسلامی سیاست کا لازمی نتیجہ کہ نشہ کی عادت جس کے چھوڑنے کا انتہائی دشوار ہونا ہر شخص کو معلوم ہے اور عرب میں اس کا رواج اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ چند گھنٹے اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے وہ کیا چیز تھی جس نے ایک ہی اعلان کی آواز کان میں پڑتے ہی ان سب کے مزاجوں کو بدل ڈالا اُن کی عادتوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا کہ اب سے چند منٹ پہلے جو چیز انتہائی مرغوب بلکہ زندگی کا سرمایہ تھی وہ چند منٹ کے بعد انتہائی مبغوض اور نجس و ناپاک ہوگئی۔

شراب کی حرمت

اس کے بالمقابل آج کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال کو سامنے رکھ لیجئے کہ اب سے چند سال پہلے امریکہ کے ماہرینِ صحت اور سماجی مصلحین نے جب شراب نوشی کی بے شمار اور انتہائی مہلک

خرابیوں کو محسوس کر کے ملک میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لئے اپنے نشر واشاعت کے وہ نئے سے نئے ذرائع جو اس ترقی یافتہ سیاست کا بڑا کمال سمجھے جاتے ہیں سب ہی شراب نوشی کے خلاف ذہن ہموار کرنے پر لگا دیئے۔ سینکڑوں اخبارات اور رسائل اس کی خرابیوں پر مشتمل ملک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے گئے، پھر امریکی دستور میں ترمیم کر کے امتناع شراب کا قانون نافذ کیا گیا، مگر ان سب کا اثر جو کچھ امریکہ میں آنکھوں نے دیکھا اور وہاں کے ارباب سیاست کی رپورٹوں سے دنیا کے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم نے اس ممانعتِ قانونی کے زمانے میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی یہاں تک کہ مجبور ہو کر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔

عرب مسلمانوں اور موجودہ ترقی یافتہ امریکیوں کے حالات و معاملات کا یہ عظیم فرق تو ایک حقیقت اور واقعہ ہے جس کا کسی کو انکار کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس عظیم الشان فرق کا اصلی سبب اور راز کیا ہے۔

ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کے لئے کبھی کافی نہیں سمجھا، بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت و زہادت اور فکرِ آخرت کے کیمیاوی نسخے سے ان کے مزاجوں میں ایک بڑا انقلاب لا کر ایسے افراد پیدا کر دیئے جو رسول ﷺ کی آواز پر اپنی جان و مال آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مکی زندگی کے پورے دور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا، جب جاں نثاروں کی جماعت تیار ہوگئی اس وقت قانون جاری کیا گیا، ذہنوں کو ہموار کرنے کے لئے تو امریکہ نے بھی اپنے بے مثال ذرائع استعمال کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، ان کے سامنے سب کچھ تھا مگر فکر آخرت نہیں تھی، اور مسلمانوں کے رگ و پے میں فکر آخرت سمائی ہوئی تھی۔

کاش! آج بھی ہمارے عقلاً اس نسخۂ کیمیا کو استعمال کر کے دیکھیں تو دنیا کو امن وسکون نصیب ہو جائے۔

شراب کے مفاسد اور فوائد میں موازنہ

اس آیت میں شراب اور قمار دونوں کے متعلق قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ ان دونوں میں کچھ فوائد بھی، مگر اس کے مفاسد فوائد سے بڑھے ہوئے ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اس پر نظر ڈالی جائے

کہ ان کے فوائد کیا ہیں اور مفاسد کیا اور پھر یہ کہ فوائد سے زیادہ مفاسد ہونے کے کیا وجوہ ہیں، آخر میں چند فقہی ضابطے بیان کئے جائیں گے، جو اس آیت سے مستفاد ہوتے ہیں۔

پہلے شراب کو لے لیجئے اس کے فوائد تو عام لوگوں میں مشہور ومعروف ہیں کہ اس سے لذت وفرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے، رنگ صاف ہوجاتا ہے مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں اس کے مفاسد اتنے کثیر وسیع اور گہرے ہیں کہ شاید کسی دوسری چیز میں اتنے مفاسد اور مضرّات نہ ہوں گے، بدن انسانی پر شراب کے مضرّات یہ ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کردیتی ہے، کھانے کی خواہش کم کردیتی ہے چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے، مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر یہ اثر ہوتا ہے جو ایک جرمنی ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ:

''جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہوجاتی ہے، جیسے ساٹھ سالہ بوڑھے کی''۔

وہ جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھیائے ہوئے بوڑھوں کی طرح ہوجاتا ہے اس کے علاوہ شراب جگر اور گردوں کو خراب کردیتی ہے، سِل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے۔ یورپ کے شہروں میں سِل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتلایا جاتا ہے، وہاں کے بعض ڈاکٹروں کا قول ہے کہ یورپ میں آدھی اموات مرض سِل میں ہوتی ہیں اور آدھی دوسرے امراض میں اور اس بیماری کی کثرت یورپ میں اسی وقت سے ہوئی جب سے وہاں شراب کی کثرت ہوئی۔

یہ تو شراب کی جسمانی اور بدنی مضرتیں ہیں اب عقل پر اس کی مضرت کو تو ہر شخص جانتا ہے مگر صرف اتنا ہی جانتے ہیں کہ شراب پی کر جب تک نشہ رہتا ہے اُس وقت تک عقل کام نہیں کرتی، لیکن اہل تجربہ اور ڈاکٹروں کی تحقیق یہ ہے کہ نشہ کی عادت خود قوتِ عاقلہ کو بھی ضعیف کردیتی ہے۔ جس کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے بعض اوقات جنون تک اسکی نوبت پہنچ جاتی ہے، اطبا اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزو بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئی بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کردیتی ہے، جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے اور یہی خون کا دفعتہً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہوجاتی ہیں جس سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے

آواز بھاری ہوجاتی ہے اور کھانسی دائمی ہوجاتی ہے اور وہی آخر کار سل تک نوبت پہنچادیتی ہے، شراب کا اثر نسل پر بھی پڑتا ہے شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچتا ہے۔

یہ بات یادرکھنے کے قابل ہے کہ شراب پینے کی ابتدائی حالت میں بظاہر انسان اپنے جسم میں چستی وچالاکی اور قوت محسوس کرتا ہے اسی لئے بعض لوگ جو اس میں مبتلا ہوتے ہیں وہ ان طبی حقائق کا انکار کرتے ہیں، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ شراب کا یہ زہر ایسا زہر ہے جس کا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد یہ سب مضرتیں مشاہدہ میں آجاتی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

شراب کا ایک بڑا مفسدہ تمدّنی یہ ہے کہ وہ اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے اور پھر یہ بغض وعداوت دور تک انسان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ شریعت اسلام کی نظر میں یہ مفسدہ سب سے بڑا ہے اس لئے قرآن نے سورہ مائدہ میں خصوصیت کے ساتھ اس مفسدہ کا ذکر فرمایا ہے۔

اِنما یریدُ الشیطٰن ان یوقع بینکم العداوہ والبغضآءَ فی الخمرِ وَالمَیُسِرِ.

''شیطان چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے آپس میں بغض وعداوت پیدا کردے''۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض اوقات آدمی اپنا پوشیدہ راز بیان کرڈالتا ہے جس کی مضرت اکثر بڑی تباہ کن ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہے اور راز بھی حکومت کا راز ہے جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آسکتا ہے اور ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہوجاتے ہیں، ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنادیتی ہے جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہوجاتی ہیں۔ شراب کا ایک عظیم مفسدہ یہ ہے کہ وہ اُم الخبائث ہے انسان کو تمام برے سے برے جرام پر آمادہ کردیتی ہے۔ زنا اور قتل اکثر اسکے نتائج ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں۔ یہ شراب کی جسمانی مضرتیں ہیں اور اس کی روحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہوسکتی ہے نہ اللہ کا ذکر اور کوئی عبادت۔ اسی لئے قرآن کریم میں شراب کی مضرت کے بیان میں فرمایا :

ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ

''شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے''۔

اب مالی مضرت اور نقصان کا حال سنئے جس کو ہر شخص جانتا ہے کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے اس کی قسمیں بے شمار ہیں اور بعض اقسام تو بیحد گراں ہیں بعض اعداد وشمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکتِ فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتایا ہے۔

یہ شراب کے دینی، دنیوی، جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے۔ جس کو رسول کریم ﷺ نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ''امّ الخبائث'' یا ''امّ الفواحش'' ہے۔ جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کردیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہوکر بند ہوجائیں گے۔
(تفسیر المنار المفتی عبدہ، ص ۲۲۶۔ جلد ۲)

علامہ طنطاوی ؒ نے اپنی کتاب الجواہر میں اس سلسلے کی چند اہم معلومات لکھی ہیں ان میں سے بعض یہاں نقل کی جاتی ہیں۔

ایک فرانسیسی محقق ہنری نے اپنی کتاب ''خواطر وسوانح فی الاسلام'' میں لکھتے ہیں :

''بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہلِ مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دودھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا، یہ شراب تھی۔ ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی چلی گئی یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کرلیتے جس طرح کہ ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کرلیا تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل وخوار ہوجاتے۔ آج جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دَور چل رہے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر وذلیل ہوگئے ہیں کہ سر نہیں اٹھاسکتے''۔

ایک انگریز قانون داں بنتام لکھتے ہیں کہ :

''اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا لہٰذا افریقہ کے لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں''۔

غرض جس بھلے مانس نے بھی ٹھنڈے دل سے غور کیا وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ یہ رجس ہے، شیطانی عمل ہے، زہر ہے، تباہی اور بربادی کا ذریعہ ہے۔ اس ام الخبائث سے باز آجاؤ۔

فھل انتم منتھون

شراب کی حرمت اور سورۂ نحل کی آیت

شراب کی حرمت وممانعت کے متعلق قرآن کریم کی چار آیتوں کا بیان اُوپر آچکا ہے۔ سورۂ نحل میں ایک جگہ اور بھی نشہ کی چیزوں کا ذکر ایک دوسرے انداز سے آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی یہاں ذکر کر دیا جائے تا کہ شراب ونشہ کے متعلق تمام قرآنی ارشادات مجموعی طور پر سامنے آجائیں، وہ آیت یہ ہے :

ومن ثمرات النخیل والا عناب تتخِذُ ون مِنہُ سکَرًاوَّ رِزْقا حسناً اِن فی ذلک لایة لِقوم یعقلُون

''اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو، بیشک اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو عقل رکھتے ہیں''۔

پچھلی آیتوں میں حق تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر تھا جو انسانی غذائی پیدا کرنے میں عجیب وغریب صنعت وقدرت کا مظہر ہیں۔ اس میں پہلے دودھ کا ذکر کیا جس کو قدرت نے حیوان کے پیٹ میں خون اور فضلہ کی آلائشوں سے الگ کر کے صاف ستھری غذا انسان کے لئے عطا کر دی۔ جس میں انسان کو کسی مزید صنعت کی ضرورت نہیں اسی لئے یہاں لفظ نسقیکم استعمال فرمایا کہ ہم نے دودھ پلایا، اس کے بعد فرمایا کہ کھجور اور انگور کے کچھ پھلوں میں سے بھی انسان اپنی غذا اور نفع کی چیزیں بناتا ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اپنی غذا اور منفعت کی چیزیں بنانے میں انسانی صنعت کا کچھ دخل ہے اور اسی دخل کے نتیجہ میں دو طرح کی چیزیں بنائی گئیں۔ ایک نشہ آور چیز، جس کو خمر یا شراب کہا جاتا ہے، دوسری رزق حسن یعنی عمدہ رزق کہ کھجور اور انگور کو تازہ کھانے میں استعمال کریں یا خشک کر کے ذخیرہ کرلیں۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کھجور اور انگور کے پھل انسان کو دے دیئے اور ان سے اپنی غذا ذخیرہ بنانے کا بھی اختیار دے دیا۔ اب یہ اس کا انتخاب ہے کہ اس سے کیا بنائے، نشہ آور چیز بنا کر عقل کو خراب کرے یا غذا بنا کر قوت حاصل کرے۔

اس تفسیر کے مطابق اس آیت سے نشہ آور شراب کے حلال ہونے پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں مقصود قدرت کے عطیات اور ان کے استعمال کی مختلف صورتوں کا بیان ہے جو ہر حال میں نعمتِ خداوندی ہے۔ جیسے تمام غذائیں اور انسانی منفعت کی چیزیں کہ ان کو بہت سے لوگ ناجائز طریقوں پر بھی استعمال کرتے ہیں مگر کسی کے غلط استعمال سے اصل نعمت نعمت ہونے سے نہیں نکل جاتی۔ اس لئے یہاں یہ تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں کہ ان میں کون سا استعمال حلال ہے کون سا حرام ہے۔ تاہم ایک لطیف اشارہ اس میں بھی اس طرف کردیا کہ "سکر" کے مقابل "رزق حسن" رکھا جس سے معلوم ہو کہ سکر اچھا رزق نہیں۔ سکر کے معنی جمہور مفسرین[1] کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں۔

(روح المعانی، قرطبی، جصاص)

یہ آیات باتفاق امت مکی ہیں، اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ نزولِ آیات کے وقت اگرچہ شراب حلال تھی اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے مگر اس وقت بھی آیت میں اشارہ اس طرف کردیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں۔ بعد میں صراحۃً شراب کو شدت کے ساتھ حرام کرنے کے لئے قرآنی احکام نازل ہوگئے۔ (ہٰذا ملخص مافی الجصاص والقرطبی)

---

[1] بعض علماء نے اس کے معنی سرکہ یا نبیذ کے بھی لئے ہیں (جصاص، قرطبی) مگر اس جگہ اس اختلاف کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ۱۲ منہ

انتخابات میں ووٹ ، ووٹر اور اُمیدوار کی شرعی حیثیت

اسلام کا ایک یہ بھی معجزہ ہے کہ مسلمانوں کی پوری جماعت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔ ہر زمانہ اور ہر جگہ کچھ لوگ حق پر سختی سے قائم رہتے ہیں جن کو اپنے ہر کام میں حلال وحرام کی فکر اور خدا اور رسول کی رضا جوئی پیش نظر رہتی ہے۔ پھر قرآن کریم کا ارشاد ہے

"آپ نصیحت کی بات کہتے رہیں کیونکہ نصیحت مسلمانوں کو نفع دیتی ہے"۔

اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ انتخابات میں امیدواری اور ووٹ کی شرعی حیثیت اور ان کی اہمیت کو قرآن اور سنت کی رو سے واضح کر دیا جائے۔ شاید کچھ بندگانِ خدا کو تنبیہ ہو اور کسی وقت یہ غلط کھیل صحیح بن جائے۔

اُمیدواری

کسی مجلس کی ممبری کے انتخابات کے لئے جو امیدوار کی حیثیت سے کھڑا ہو وہ گویا پوری ملت کے سامنے دو چیزوں کا مدعی ہے ایک یہ کہ وہ اس کام کی قابلیت رکھتا ہے جس کا امیدوار ہے، دوسرے یہ کہ وہ دیانت داری سے اس کام کو انجام دے گا۔ اب اگر وہ واقع میں وہ اپنے اس دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبے سے اس میدان میں آیا تو اس کا یہ ردعمل کسی حد تک درست ہے اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کرے اور جس شخص میں اس کام کی صلاحیت ہی نہیں وہ امیدوار ہو کر کھڑا ہو تو قوم کا غدار اور خائن ہے۔ اس کا ممبری میں کامیاب ہونا ملک کے لئے خرابی کا سبب تو بعد میں بنے گا پہلے تو وہ خود غدار اور خیانت کا مجرم ہو کر عذابِ جہنم کا مستحق بن جائے گا۔

اب ہر وہ شخص جو کسی مجلس کی ممبری کے لئے کھڑا ہوتا ہے اگر اس کو کچھ آخرت کی بھی فکر ہے تو اس میدان میں آنے سے پہلے خود اپنا جائزہ لے لے اور یہ سمجھ لے کہ اس ممبری سے پہلے تو اس کی ذمہ داری

صرف اپنی ذات تک اور اپنے اہل وعیال تک محدود تھی کیونکہ بنص حدیث ہر شخص اپنے اہل وعیال کا بھی ذمہ دار ہے اور اب کسی مجلس کی ممبری کے بعد جتنی خلقِ خدا کا تعلق اس مجلس سے وابستہ ہے ان سب کی ذمہ داری کا بوجھ اس کی گردن پر آتا ہے اور دنیا و آخرت میں اس ذمہ داری کا مسئول اور جواب دہ ہے۔

ووٹ اور ووٹر

کسی امیدوار ممبری کو ووٹ دینے کی از روئے قرآن و حدیث چند حیثیتیں ہیں۔ایک حیثیت شہادت کی ہے کہ ووٹر جس شخص کو اپنا ووٹ دے رہا ہے اس کے متعلق اس کی شہادت دے رہا کہ یہ شخص اس کام کی قابلیت بھی رکھتا ہے اور دیانت اور امانت بھی۔اور اگر واقعی میں اس شخص کے اندر یہ صفات نہیں ہیں اور ووٹ یہ جانتے ہوئے اس کو ووٹ دیتا ہے تو وہ ایک جھوٹی شہادت ہے جو سخت کبیرہ گناہ اور وبالِ دنیا اور آخرت ہے۔صحیح بخاری کی حدیث میں رسول کریم ﷺ نے شہادتِ کاذبہ کو شرک کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک دوسری حدیث میں جھوٹی شہادت کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔(بخاری ومسلم) جس حلقے میں چند امیدوار کھڑے ہو اور ووٹر کو یہ معلوم ہے کہ قابلیت اور دیانت کے اعتبار سے فلاں آدمی قابلِ ترجیح ہے تو اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو ووٹ دینا اس اکبر کبار میں اپنے آپ کو مبتلا کرنا ہے۔

اب ووٹ دینے والا اپنی آخرت اور انجام کو دیکھ کر ووٹ دے محض رسمی مروت یا کسی طمع وخوف کی وجہ سے اپنے آپ کو اس وبال میں مبتلا نہ کرے۔دوسری حیثیت ووٹ کی شفاعت یعنی سفارش کی ہے کہ ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے۔اس سفارش کے بارے میں قرآن کریم کا یہ ارشاد ہر ووٹر کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔

"جو شخص اچھی سفارش کرتا ہے اس میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے اور بری سفارش کرتا ہے تو اس کی برائی میں اس کا بھی حصہ لگتا ہے"۔

اچھی سفارش یہی ہے کہ قابل اور دیانت دار آدمی کی سفارش کرے جو خلقِ خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بری سفارش یہ ہے کہ نالائق، فاسق، ظالم کی سفارش کر کے اس کو خلقِ خدا پر مسلط کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا امیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک کام ساتھ عمل کرے گا ہم اس کے شریک سمجھے جائیں گے۔

ووٹر کی ایک تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنا نمائندہ اور وکیل بناتا ہے لیکن اگر یہ وکالت اس کے کسی شخصی حق کے متعلق ہوتی اور اس کا نفع نقصان صرف اس کی ذات کو پہنچتا اور اس کا یہ خود ذمہ دار ہوتا مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہ وکالت ایسے حقوق کے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے اس لئے اگر کسی نااہل کو اپنی نمائندگی کے لئے ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر رہا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارا ووٹ تین حیثیتیں رکھتا ہے۔

۱۔ شہادت ۲۔ سفارش ۳۔ حقوقِ مشترکہ میں وکالت

تینوں حیثیتوں میں جس طرح نیک، صالح، قابل آدمی کو ووٹ دینا موجب ثواب عظیم ہے اور اس کے ثمرات اس کو ملنے والے ہیں اسی طرح نااہل، غیر متدین شخص کو ووٹ دینا جھوٹی شہادت بھی ہے اور بری سفارش بھی اور ناجائز وکالت بھی اور اس کے تباہ کن ثمرات بھی اس کے نامۂ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

ضروری تنبیہ

مذکورالصدر بیان میں جس طرح قرآن وسنت کی رو سے یہ واضح ہوا کہ نااہل، ظالم، فاسق اور غلط آدمی کو ووٹ دینا گناہِ عظیم ہے۔ اسی طرح ایک اچھے، نیک اور قابل آدمی کو ووٹ دینا ثوابِ عظیم ہے بلکہ ایک فریضۂ شرعی ہے۔ قرآن کریم نے جیسے جھوٹی شہادت کو گناہ فرمایا۔ اسی طرح سچی شہادت کو واجب ولازم بھی فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

اور دوسری جگہ ارشاد ہے کہ :

كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ

ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا ہے کہ سچی شہادت سے جان نہ چھڑائیں، اللہ کے لئے ادائیگی شہادت کے واسطے کھڑے ہو جائیں۔ تیسری جگہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے :

''اللہ کے لئے سچی شہادت کو قائم کرو''۔

ایک آیت میں یہ ارشاد فرمایا کہ :

''سچی شہادت کا چھپانا حرام اور گناہ ہے''۔

ارشاد ہے :

”شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو چھپائے گا اس کا دل گناہگار ہے“۔

ان تمام آیات نے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد کر دیا ہے کہ سچی گواہی سے جان نہ چھڑائیں، ضرور ادا کریں۔ آج جو خرابیاں انتخابات میں پیش آ رہی ہیں ان کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ نیک صالح حضرات عموماً ووٹ دینے ہی سے گریز کرنے لگے جس کا لازمی نتیجہ وہ ہوا جو مشاہدہ میں آ رہا ہے کہ ووٹ عموماً ان لوگوں کے آتے ہیں جو چند ٹکوں میں خرید لئے جاتے ہیں اور ان لوگوں کے ووٹوں سے جو نمائندے پوری قوم پر مسلط ہوتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ کس قماش اور کس کردار کے لوگ ہوں گے۔

اس لئے جس حلقہ میں کوئی بھی امیدوار قابل اور نیک معلوم ہو اسے ووٹ دینے سے گریز کرنا بھی شرعی حرام اور پوری قوم وملت پر ظلم کا مترادف ہے اور اگر کسی حلقہ میں کوئی بھی امیدوار صحیح معنوں میں قابل اور دیانت دار نہ ہو مگر ان میں سے کوئی ایک صلاحیت کار اور خدا ترسی کے اصول پر دوسروں کی نسبت غنیمت ہو تو تقلیل شر اور تقلیلِ ظلم کی نیت سے اس کو بھی ووٹ دے دینا جائز بلکہ مستحسن ہے جیسا کہ نجاست کے پورے ازالہ پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ نجاست کو اور پورے ظلم کو دفع نہ کرنے کا اختیار نہ ہونے کی صورت میں تقلیلِ ظلم کو فقہا رحمہم اللہ نے تجویز فرمایا ہے۔

مختصر یہ کہ انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام اور اس پر کوئی معاوضہ لینا بھی حرام، اس میں محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ آپ جس اُمیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریئے اور علم وعمل اور دیانتداری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے۔ جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

۱۔ آپ کے ووٹ اور شہادت کے ذریعے جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا بُرے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔

۲۔ اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات میں کوئی غلطی بھی ہو جائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ ثواب بھی عذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے اس کا ادنیٰ نقصان بھی بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے۔

۳۔ سچی شہادت کا چھپانا ازروئے قرآن حرام ہے اس لئے آپ کے حلقہ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل اور دیانتدار نمائندہ کھڑا ہے تو اس کو ووٹ دینے میں کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

۴۔ جو اُمیدوار نظریۂ اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

۵۔ ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے۔ دوسروں کی زندگی سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کر دینا کتنے ہی مال و دولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہو سکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔

پاکستان کا حالیہ الیکشن ۱۹۷۰ء

اسلام اور کفر اور پاکستان کی بقا وفنا کا معرکہ ہے

اس میں ووٹ کا استعمال بڑی احتیاط اور بصیرت سے ہونا چاہئے

مفتیِ اعظم پاکستان مولانا محمد شفیع صاحب کا بیان

آج کل اطراف ملک سے بکثرت یہ سوالات آرہے ہیں کہ حالیہ الیکشن میں ووٹ کس پارٹی اور کس نمائندہ کو دیئے جائیں اجمالی جواب کافی نہیں ہوتا تفصیل ہر ایک کو لکھنا مشکل ہے اس لئے سطور ذیل میں پوری حقیقت واضح کی جاتی ہے :

اس وقت پاکستان جس نازک دور سے گذر رہا ہے وہ کسی باشعور مسلمان سے پوشیدہ نہیں۔ دشمنان اسلام کی اندرونی وبیرونی سازشیں ملک پر لادینی نظریات مسلّط کرنے کے درپے ہیں اور اس ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے ہر امکان کو ختم کردینا چاہتی ہیں۔

ان حالات میں دسمبر ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات نے پاکستانی مسلمانوں پر ایک زبردست ذمہ داری ڈال دی ہے، اگر عوام نے اس ذمہ داری کو پوری توجہ احتیاط اور بصیرت کے ساتھ انجام نہ دیا تو اس کے نتائج ملک وملت اور خود عوام کے لئے دنیا وآخرت میں بڑے ہولناک ہوں گے۔ اس وقت ہر ووٹر اور ہر امیدوار کو یہ بات سامنے رکھنی ہے کہ جس طرح ۱۹۴۶ء کا الیکشن شخصیات وافراد کا نہیں، بلکہ نظریات کا الیکشن تھا ایک محاذ پاکستان بنانے کا داعی اور دوسرا اس کا مخالف تھا، اسی طرح حالیہ الیکشن بھی خالص نظریاتی الیکشن ہے جو پاکستان کی بقاء وفنا اور اسلام وکفر کا معرکہ ثابت ہوگا۔

مسلمانوں کے لئے راہ عمل

اس وقت ملک میں اگرچہ سیاسی پارٹیاں بے شمار کھڑی ہوگئی ہیں مگر بنیادی اور اصولی طور پر یہ سب تین قسموں میں جمع ہیں :

(۱) وہ جماعتیں جو کم از کم نظریاتی طور پر اس ملک میں سوشلزم اور صوبائی عصبیت کے فتنوں کے خلاف خالص اسلامی نظام اور اسلامی وحدت کی داعی ہیں۔

(۲) وہ جماعتیں جو پاکستان میں سوشلزم لانے کی کوشش کر رہی ہیں، خواہ روسی انداز کا سوشلزم ہو یا چینی طرز کا، اور خواہ وہ خالص سوشلزم کا نام لیتی ہوں، یا اس پر اسلام کا لیبل لگا کر ''اسلامی'' سوشلزم کی مہمل اصطلاح استعمال کرتی ہوں۔

(۳) وہ پارٹیاں جو پاکستان میں صوبائی عصبیت کو ہوا دے کر بنگلہ دیش، پختونستان یا جیے سندھ کا نعرہ لگا رہی ہیں اور اس ملک کو مختلف آزاد حکومتوں میں تقسیم کر کے اسے فنا کر دینے کے درپے ہیں۔

ان تینوں قسموں میں سے آخری دو قسم کی جماعتوں یا ان کے نظریات کے حامل افراد کو ووٹ دینا پاکستان کی تباہی میں تعاون کرنے کے مترادف ہے اس لئے ان کو ووٹ دینا قطعاً ناجائز وحرام ہے۔ اسی طرح جو افراد اپنے طرزِ عمل سے ان دو قسم کی جماعتوں کو کسی شبہ یا تاویل کی بناء پر سیاسی امداد بہم پہنچاتے ہوں ان کو ووٹ دینا بھی چونکہ نتائج کے اعتبار سے مذکورہ جماعتوں کو ووٹ دینے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سے بھی پرہیز لازم ہے۔

ان قسموں کے خارج از بحث ہو جانے کے بعد اب صرف پہلی قسم کی جماعتیں رہ جاتی ہیں جو لوگ پاکستان میں خالص اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں ان کی اصل کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ یہ تمام جماعتیں باہمی مفاہمت کے ذریعہ ہر سیٹ پر صرف ایک متفقہ امیدوار کھڑا کر کے اسی کی تائید وحمایت کریں۔

اگر ایسا سمجھوتا ہو جاتا ہے تو عوام کے لئے یہ راستہ متعین ہے کہ وہ اسی امیدوار کو ووٹ دیں جو اسلام کی داعی جماعتوں نے متفقہ طور پر کھڑا کیا ہو۔ ایسی صورت میں اس امیدوار کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنا تمام مسلمانوں کا دینی واخلاقی فرض ہوگا اور چونکہ اس الیکشن میں حقیقی مقابلہ افراد وشخصیات کے بجائے نظریات وعقائد کا ہوگا اس لئے مذکورہ صورت میں ووٹ بھی کسی فرد کو نہیں بلکہ اس نظریہ کو دیا جائے گا جس کی حمایت کے لئے وہ کھڑا ہوا ہے۔ اس لئے اس کے مقابلے میں بعد کی دو قسموں کے نمائندے، خواہ بظاہر کتنے اچھے نظر آئیں، ان کو ووٹ دینا اسلام اور ملک سے بغاوت کے مترادف ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ اسلامی نظام کی داعی جماعتوں میں کوئی انتخابی سمجھوتہ نہ ہو سکا تو ہر حلقے کے دیندار مسلمان مقامی سمجھوتہ کی کوشش کریں۔ اگر اس میں بھی ناکامی ہو اور ایک ہی نشست پر پہلی قسم کے مختلف افراد بدستور کھڑے رہے تو ان میں سے کسی کو ووٹ کے لئے منتخب کرنا مندرجہ ذیل معیار پر ہوگا۔

(۱) ہر حلقے میں پہلی قسم کے وہ افراد مقدم ہونگے جن کے نظریات ٹھیک ٹھیک جمہوریت اُمتِ مسلمہ کے مطابق ہوں جو قرآن وسنت کو سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں اپنا مقتدا سمجھتے ہوں اور جن کا ظاہری عمل اور ماضی کا کردار بے داغ اور اسلام کے مطابق ہو۔ ان میں بھی وہ شخص مقدم ہوگا جس کی کامیابی کے امکانات دشمن کے مقابلے میں قوی ہیں۔ اگرچہ وہ علمی وعملی حیثیت سے موخر ہو۔

(۲) اگر کسی حلقے میں ایسے امیدوار میسر نہ آئیں تو پھر ان لوگوں کو ووٹ دیا جائے جو سوشلزم اور صوبائی عصبیت کے خلاف کم از کم نظریاتی طور پر اسلام ہی کو نافذ کرنے کے مدّعی ہوں خواہ ان کے ذاتی کردار یا فروعی نظریات میں کوئی خامی پائی جاتی ہو، اور جس میں ایسی خامیاں کم ہوں وہ دوسرے پر مقدم ہوگا۔

(۳) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ اس الیکشن میں اصل مقابلہ ذاتی شخصیتوں کے بجائے اسلام اور لادینی نظریات کے درمیان ہے، اس لئے جہاں لادینی نظریات کے داعی اور کافرانہ نظاموں کے حامی افراد کے مقابلے میں کوئی سچا دیندار امیدوار میسر نہ آئے وہاں اھونُ البلیّتین کے فقہی اصول کے مطابق بدرجہ مجبوری اس فاسق مسلمان کو ووٹ دینا بھی ضروری ہوجاتا ہے جو صحیح اسلامی نظریہ کی حمایت کے لئے کھڑا ہوا ہو۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

انتخابات میں ووٹ کی شرعی حیثیت کم از کم ایک شہادت کی ہے جس کا چھپانا بھی حرام ہے اور اس میں جھوٹ بولنا بھی حرام، اس پر کوئی معاوضہ لینا حرام۔ اس کو محض ایک سیاسی ہار جیت اور دنیا کا کھیل سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے آپ جس امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں شرعاً آپ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ شخص اپنے نظریئے اور علم وعمل اور دیانت داری کی رو سے اس کام کا اہل اور دوسرے امیدواروں سے بہتر ہے جس کام کے لئے یہ انتخابات ہو رہے ہیں اس حقیقت کو سامنے رکھیں تو اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :

(۱) آپ کے ووٹ شہادت کے ذریعہ جو نمائندہ کسی اسمبلی میں پہنچے گا وہ اس سلسلے میں جتنے اچھے یا برے اقدامات کرے گا ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ آپ بھی اس کے ثواب یا عذاب میں شریک ہوں گے۔

(۲) اس معاملہ میں یہ بات خاص طور پر یادرکھنے کی ہے کہ شخصی معاملات کی شہادت میں کوئی غلطی بھی ہوجائے تو اس کا اثر بھی شخصی اور محدود ہوتا ہے۔ ثواب وعذاب بھی محدود۔ قومی اور ملکی معاملات سے پوری قوم متاثر ہوتی ہے۔ اس کا ادنیٰ نقصان بعض اوقات پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے اس لئے اس کا ثواب وعذاب بھی بہت بڑا ہے۔

(۳) سچی شہادت کا چھپانا ازروئے قرآن حرام ہے۔ اس لئے آپ کے حلقۂ انتخاب میں اگر کوئی صحیح نظریہ کا حامل ودیانت دار نمائندہ کھڑا ہے تو اسی کو ووٹ دینے ہیں۔ کوتاہی کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جو امیدوار نظام اسلامی کے خلاف کوئی نظریہ رکھتا ہے اس کو ووٹ دینا ایک جھوٹی شہادت ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

(۵) ووٹ کو پیسوں کے معاوضے میں دینا بدترین قسم کی رشوت ہے اور چند ٹکوں کی خاطر اسلام اور ملک سے بغاوت ہے دوسروں کی دنیا سنوارنے کے لئے اپنا دین قربان کردینا کتنے ہی مال ودولت کے بدلے میں ہو کوئی دانشمندی نہیں ہوسکتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص سب سے زیادہ خسارے میں ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنا دین کھو بیٹھے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ
محمد شفیع
(مفتی اعظم پاکستان وصدر دارالعلوم، کراچی)
۲۰ / شعبان ۱۳۹۰ھ

اختلافاتِ اُمّت اور ان کا حل

شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ مالٹا کی چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دار العلوم دیوبند تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ یہ قید و بند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی جنگ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو ان کی زبان مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے فرمایا:

''الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے''

جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا، اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے، غم اس کا ہے کہ تکلیف ومحنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں؟

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دار العلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا اس وقت فرمایا کہ ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسی ۸۰ سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں۔ فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا ہے کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کردوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کئے جائیں، بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

نبّاضِ امّت نے ملّت مرحومہ کے مرض کی جو تشخیص اور تجویز فرمائی تھی ، باقی ایاّم زندگی میں ضعف وعلالت اور ہجوم مشاغل کے باوجود اس کے لئے سعی پیہم فرمائی۔ بذات خود درس قرآن شروع کیا جس میں تمام علماء شہر اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے علماء بھی شریک ہوتے تھے، عوام بھی اور اس ناکارہ کو بھی اس درس میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے مگر اس واقعے کے بعد حضرت کی عمر ہی گنتی کے چند ایاّم تھے،''آں قدح بہ شکست وآں ساقی نماند''۔

آج بھی مسلمان جن بلاؤں میں مبتلاء ہیں اور جن حوادث وآفات سے دوچار ہیں اگر بصیرت سے مان لیا جائے تو اُن کے سب سے بڑے سبب یہی دو ثابت ہوں گے، قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا۔ غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی۔

اختلاف رائے کی حدود

اختلاف رائے کچھ مذموم نہیں، اگر اپنی حدود کے اندر ہو انسان کی فطرت میں اس کے پیدا کرنے والے نے عین حکمت کے مطابق ایک مادہ غصّہ اور مدافعت کا بھی رکھا ہے اور وہ انسان کی بقاء وارتقاء کیلئے ضروری ہے مگر یہ مادہ دشمن کی مدافعت کیلئے رکھا ہے اگر اس کا رخ دوسری طرف ہو جائے، خواہ اس لئے کہ دشمن کو پہچاننے اور متعین کرنے میں غلطی ہوگئی ہو، یا کسی دوسری وجہ سے۔ بہر حال جب دشمن کا رخ بدلے گا تو یہ خود اپنی تباہی کا ذریعہ بنے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے مومن کے لئے پوری وضاحت کے ساتھ اس کا رخ متعین فرمایا ہے۔

ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا

''شیطان تمہارا دشمن ہے اس کو ہمیشہ دشمن سمجھتے رہو''۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ مومن کے غصّہ اور لڑائی کا مصرف صحیح صرف شیطان اور شیطانی طاقتیں ہیں جب اس کی جنگ کا رخ اس طرف ہوتا ہے تو وہ جنگ قرآن کی اصطلاح میں جہاد کہلاتی ہے جو عظیم عبادات میں سے ہے۔ حدیث میں فرمایا ہے، **ذروۃ سنامہ الجھاد** ،یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے لیکن اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کی بجائے فساد کہلائے گی جس سے بچانے ہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے سارے رسول اور کتابیں آئی ہیں ۔ شکل وصورت کے اعتبار سے جہاد اور فساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ کانٹا جہاں سے یہ لائنیں بدلتی ہیں

صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔ دو قومی نظریہ جس نے پاکستان بنوایا اسی اجمال کی عملی تفصیل تھی کہ کلمہ اسلام کے ماننے والے ایک متحدہ قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری قوم۔ ان کے جہاد کا رخ اس طرف ہونا چاہئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر و غضب اور مدافعت کا مادہ جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ جب جہاد کے ذریعہ اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پرنالوں کے ذریعہ نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کو اندر آتا ہے۔

صلح اور جنگ کس سے

آج اگر غور کیا جائے تو پورے عالم اسلام پر یہی مثال صادق آتی ہے، شیطان اور شیطانی تعلیم، کفر والحاد، خدا اور رسول سے بغاوت، فحاشی وعیاشی سے طبیعتیں مانوس ہو رہی ہیں۔ ان کی نفرت دلوں سے نکل چکی ہے، اس پر کسی کو غصہ نہیں آتا۔ انسانی رواداری، اخلاق مروّت کا سارا زور کفر والحاد اور ظلم کی حمایت میں صرف ہوتا ہے۔ نفرت، بغاوت، عداوت کا میدان خود اپنے اعضاء وجوارح کی طرف ہے۔

آپس کی ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا لڑائی ہے چھوٹا سا نقطہء اختلاف ہو تو اس کو بڑھا کر پہاڑ بنا دیا جاتا ہے۔ اخبارات ورسائل کی غذا یہی بن کر رہ گئی ہے۔ دونوں طرف سے اپنی پوری توانائی اس طرح صرف کی جاتی ہے کہ گویا جہاد ہو رہا ہے۔ دو متحارب طاقتیں لڑ رہی ہیں اور کوئی خدا کا بندہ اپنی طرف نظر کر کے نہیں دیکھتا کہ

ع ظالم جو بہہ رہا ہے وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

سیاست ممالک سے لے کر خاندانی اور گھریلو معاملات پر سب میں اسی کا مظاہرہ ہے۔ جہاں دیکھو "انما المومنون اخوۃ" کا سبق پڑھنے والے آپس میں گتھم گتھا ہیں۔ قرآن حکیم نے جہاں عفو درگزر، علم وبردباری کی تلقین کی تھی وہاں جنگ ہو رہی ہے اور جس محاذ پر جہاد کی دعوت دی تھی وہ محاذ دشمنوں کی یلغار کے لئے خالی پڑا ہے۔

فالی اللّٰہ المشتکی وانا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔

اسمبلیوں، کونسلوں، میونسپل بورڈوں کی نشست حکومت کے عہدوں اور ملازمتوں کی دوڑ، صنعت وتجارت کی دوڑ میں اور مقابلہ اور کمپٹیشن، جائیدادوں اور زمینداریوں کی کشمکش جہاں خالص اپنے حقوق کی جنگ ہے جس کو چھوڑ بیٹھنا سب کے نزدیک ایثار اور اعلیٰ اخلاق کا ثبوت ہے وہاں کوئی ایک انچ اپنی جگہ سے سرکنے کو تیار نہیں۔ دین ومذہب کے نام پر کام کرنے والوں کی اول تو تعداد ہی کم ہے اور جو ہے وہ عموماً قرآن وسنت کی بنیادی تعلیمات سے اغماض کر کے جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے۔

چھوٹے سے چھوٹا مسئلہ معرکہ وجدال بنا ہوا ہے جس کے پیچھے غیبت، جھوٹ، ایذائے مسلم، افترا و بہتان، تمسخر واستہزاء جیسے متفق علیہ کبیرہ گناہوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دین کے نام پر خدا کے گھروں میں جدال وقتال اور لڑائیاں ہیں، نوبت پولیس اور عدالتوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ ان دینداروں کو خدا اور رسول پر استہزاء کرنے والوں، شراب پینے والوں، سود اور رشوت لینے والوں سے وہ نفرت نہیں جو ان مسائل سے اختلاف رکھنے والوں سے ہے۔

کوئی خدا کا بندہ اس پر نظر نہیں کرتا کہ اس کے مثبت ومنفی دونوں پہلوؤں میں کوئی بھی کسی کے نزدیک ایسا نہیں جس کے لئے مسلمانوں سے جنگ کرنا جائز ہو۔ جس کے لئے دوسروں کی غیبت و بہتان وتذلیل وتحقیر رَوا ہو۔

اصلاحِ حال کی ایک غلط کوشش

ہمارے نوتعلیم یافتہ روشن خیال مصلحین کی توجہ جب اس باہمی اختلاف کے مہلک نتائج کی طرف جاتی ہے اور اس کے علاج کی فکر ہوتی ہے تو ان کے خیال میں ساری خرابیاں صرف ان اختلافات میں نظر آتی ہیں جو دین ومذہب کے نام پر سامنے آتے ہیں اور صرف اسی اختلاف کو مٹانے کے لئے علاج سوچتے ہیں۔ وہ اس وقت ان سب لڑائیوں کو بھول جاتے ہیں جو خالص نفسانی اور ذاتی غرض کے لئے لڑی جاری ہیں جن کے لئے ایک دوسرے کی جان وآبرو اور مال سب کچھ حلال سمجھ لیا جاتا ہے جس کے پیچھے پورے ملک میں باہمی منافرت کے سیلاب امنڈتے ہیں مگر ان کو چونکہ نئی تہذیب وشرافت کا نام دے دیا اس لئے وہ نہ قوم کے لئے کوئی مرض رہا نہ اس کا علاج سوچنے کی ضرورت رہی۔ اختلاف اور لڑائی میں صرف مُلّا بدنام ہے اسی کا علاج زیرِ غور ہے حالانکہ دین ومذہب کے نام پر جو اختلافات ہیں اگر غور کیا جائے تو ان کی خرابی صرف حدود سے تجاوز کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے

ورنہ وہ کوئی برادری کا نوتہ نہیں بن سکتے وہ اپنے ذاتی حقوق نہیں جنہیں ایثار کیا جا سکے بلکہ قرآن وسنت کی تعبیر کے اختلافات ہیں جن کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔

ہمارے بعض روشن خیال مصلحین نے سارا فساد انہیں اختلافات میں منحصر سمجھ کر اس کا یہ علاج تجویز کیا کہ فرقہ وارانہ اختلافات کو ہٹا کر سب کا ایک نیا اور مشترک مذہب بنالیا جائے پوری قوم کا وہی ایک مذہب ہوتا کہ اختلاف کی وجہ ہی ختم ہو جائے۔ مگر یہ بات مذہبی مسائل میں عقلاً صحیح ہے نہ عملاً ممکن۔ ہاں خالص دنیوی معلامات جن میں جھگڑا ذاتی حقوق ہی کا ہو وہاں اپنے اپنے مطالبات کو نظر انداز کر کے ایسی صلح کی جاسکتی ہے اس لئے باہمی جنگ وجدل کا علاج یہ نہیں کہ اختلافِ رائے کو مٹا کر سب کو ایک نظریئے کا پابند کر دیا جائے۔

اختلافِ رائے اور جھگڑے فساد میں فرق

اہلِ عقل وبصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں رائیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ ان میں اختلاف کرنا، عقل وذہانت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے ان میں اتفاق صرف دو صورتوں میں ہوسکتا ہے یا تو مجمع میں کوئی اہلِ بصیرت اور اہلِ رائے نہ ہو۔ ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت ومروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صادر کر دیا ورنہ اگر عقل ودیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال پر مضر بھی نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے لئے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ اسمبلیوں میں حزبِ اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو "رحمت" کہا گیا ہے۔ جو اسلام کے عہدِ اول سے صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ مجتہدین میں چلے آتے ہیں ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ میں پیش آچکے ہیں ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہوسکے کہ صحابہ کرام کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے جو نصوص حدیث اور ارشادات قرآنی کے بالکل خلاف ہے اسی لئے حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہو چکا ہے اس کو بالکل ختم کر دینا ممکن نہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین کا طرزِ عمل

اسی کے ساتھ صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو ان میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی

ایسا نہیں کہ اس نے جنگ و جدال کی صورت اختیار کی ہو۔ باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا، اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے۔ سیاسی مسائل میں مشاجراتِ صحابہ کا فتنہ تکوینی حکمتوں کے ماتحت پیش آیا آپس میں تلواریں بھی چل گئیں مگر عین اسی فتنہ کی ابتداء میں جب امام مظلوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ باغیوں کے نرغے میں محصور تھے اور یہی باغی نمازوں میں امامت کراتے تھے تو امامِ مظلوم نے مسلمانوں کو ان کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی اور عام ضابطہ یہ بتادیا کہ،

اذا ھم احسنوا فاحسن معھم وان ھم اسأ وافاجتنب اساء تھم

''جب وہ لوگ کوئی نیک کام کریں اس میں ان کے ساتھ تعاون کرو اور جب کوئی برا کام اور غلط کام کریں اس سے اجتناب کرو''۔

اس ہدایت کے ذریعے اپنی جان پر کھیل کر مسلمانوں کو قرآنی ارشاد :

تعاونوا علیٰ البر و التقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کی صحیح تفسیر بتادی اور باہمی انتشار وافتراق کا دروازہ بند کر دیا۔

اور اسی فتنے کے آخر میں جب کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان میدانِ جنگ گرم تھا۔ روم کی عیسائی سلطنت کی طرف سے موقع پا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ ملانے اور ان کی مدد کرنے کا پیغام ملا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب یہ تھا کہ ہمارے اختلاف سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رخ کیا تو علی رضی اللہ عنہ کے لشکروں کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لئے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔ معلوم یہ ہوا کہ باہمی اختلافات جو منافقین کی گہری سازشوں سے تشدد کا رخ اختیار کر چکا ہے اس میں بھی اسلام کے بنیادی حقائق کسی کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے تو وہ بلاشبہ رحمت ہی ہے اس کا کوئی پہلو نہ پہلے مسلمانوں کے لئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ انہی حدود کے اندر رہے جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا۔

جدال اور اصلاح

مذہب کے نام پر دوسرے اختلافات قرونِ اولیٰ کے بعد بدعت وسنت اور دوسرے عنوانات سے پیدا ہوئے۔ بہت سے لوگوں نے قرآن وسنت کی تعبیر میں اصول صحیحہ کو چھوڑ کر ذاتی آراء کو امام بنالیا اور

نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے گئے۔ یہ اختلافات بلاشبہ وہ تفریق وافتراق تھے جن سے قرآن وسنت میں مسلمانوں کو ڈرادیا گیا ہے۔ ان کے ختم یا کم کرنے کی کوشش بلاشبہ مفید تھی مگر قرآن حکیم نے اس کا بھی ایک خاص طریقہ بتادیا ہے، جس کے ذریعے تفریق کی خلیج کم ہوتی چلی جائے، بڑھنے نہ پائے۔ یہ وہ اصول دعوت الی الخیر ہیں جن میں سب سے پہلے حکمت وتدبیر سے اور پھر خیر خواہی، ہمدردی اور نرم عنوان سے لوگوں کو قرآن وسنت کے صحیح مفہوم کی طرف بلانا ہے اور آخر میں " مجادله بالتی هی احسن " یعنی حجت ودلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عام اہلِ علم اور مصلحین نے ان اصول کو نظر انداز کر دیا صرف جدال میں اور وہ بھی غیر مشروط انداز سے مشغول ہو گئے کہ اپنے حریف کا استہزاء وتمسخر اس کو زیر کرنے کے لئے جھوٹے سچے، ناجائز وجائز ہر طرح کے حربے استعمال کرنا اختیار کر لیا جس کا لازمی نتیجہ جنگ وجدال اور جھگڑا وفساد تھا۔

اختلافات کی خرابیوں کا وقتی علاج

آج جب کہ مسلمانوں کا تفرق انتہاء کو پہنچا ہوا ہے اپنی مزعومات کے خلاف کوئی کسی کی بات ماننے کو تیار نہیں اور کوئی ایسی قوت نہیں کہ کسی فریق کو مجبور کر سکے تو اس باہمی جنگ وجدال اور اس کے مہلک اثرات سے اسلام اور مسلمانوں کو بچانے کا صرف ایک راستہ ہے کہ فرقوں اور جماعتوں کے ذمہ دار ذرا اس پر غور کریں کہ جن مسائل میں ہم جھگڑ رہے ہیں کیا وہی اسلام کے بنیادی مسائل ہیں جن کے لئے قرآن نازل ہوا۔ رسول کریم ﷺ مبعوث ہوئے، آپ ﷺ نے اپنی زندگی ان کے لئے وقف کر دی اور ان کے پیچھے ہر طرح کی قربانیاں دیں یا بنیادی مسائل اور قرآن اور اسلام کا اصلی مطالبہ کچھ اور ہے۔

جس ملک میں ایک طرف عیسائی مشنریاں اپنی پوری قوت اور دنیاوی چمک ودمک کے ساتھ اس کو عیسائی ملک بنانے کے خواب دیکھ رہی ہیں ایک طرف کھلے بندوں خدا اور رسول اور ان کی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایک طرف قرآن اور اسلام کے نام پر وہ سب کچھ کیا جا رہا ہے جس کو دنیا سے مٹانے ہی کے لئے قرآن اور اسلام آیا تھا۔

اس جگہ صرف فروعی مسائل اور ان کی تحقیق وتنقید اور ترویج کی کوششوں میں الجھ کر ان بنیادی مہمات سے غفلت برتنے والوں سے اگر خدا اور رسول کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ ہمارے دین پر یہ

افتادیں پڑ رہی تھیں تم نے اس کے لئے کیا کیا؟ تو ہمارا کیا جواب ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ کوئی فرقہ، کوئی جماعت جب ذرا اپنے وقتی جھگڑوں سے بلند ہوکر اس کو سوچے گی تو اس کو اپنی موجودہ مصروفیات پر ندامت ہوگی اور اس کی کوشش کا رخ بدلے گا۔ اس کے نتیجے میں باہمی آویزش یقیناً کم ہوگی۔

میں اس وقت کسی کو یہ نہیں کہتا کہ وہ اپنے خیالات ومزعومات کو بدلے۔ گذارش صرف اتنی ہے کہ اپنی توانائیاں صرف کرنے کا صحیح محل تلاش کر کے اس پر لگادیں اور باہمی اختلافات صرف حلقہ درس یا فتویٰ یا تحقیقی رسائل تک محدود کردیں اور ان میں بھی لب ولہجہ قرآنی اصول دعوت کے مطابق نرم رکھیں، فقرے کہنے اور دوسرے کی توہین کرنے کو زہر سمجھیں۔

ہمارے پبلک جلسے اخبار اشتہار بجائے باہمی آویزش کو ہوا دینے کے اسلام کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل پر لگ جائیں تو پھر ہماری جنگ جو فساد کی صورت اختیار کرچکی ہے دوبارہ جہاد میں تبدیل ہوجائے گی اور اس کے نتیجے میں عوام کا رخ بھی باہمی جنگ وجدل سے پھر کر دین کی صحیح خدمت کی طرف ہوجائے گا۔

صحیح اور غلط طرزِ عمل

بہت سے حضرات مسائل میں علماء کے اختلاف سے پریشان ہوکر پوچھا کرتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں، جس کی تہہ میں یہ پوشیدہ ہوتا ہے کہ اب ہم کسی کی نہ سنیں، سب سے آزاد ہوکر جو سمجھ میں آئے کیا کریں اور بظاہر ان کا یہ معصومانہ سوال حق بجانب نظر آتا ہے لیکن ذرا غور کریں تو ان کو اس کا جواب اپنے گردوپیش کے معاملات میں خود ہی مل جائے گا۔

ایک صاحب بیمار ہوئے ڈاکٹروں یا حکیموں کی آرام میں تشخیص وتجویز کے بارے میں اختلاف ہوگیا تو وہ کیا کرتے ہیں؟ یہی نا کہ وہ ان ڈاکٹروں اور حکیموں کی ڈگریاں معلوم کر کے یا پھر ان کے مطب میں علاج کرانے والے مریضوں سے یا دوسرے اہلِ تجربہ سے دریافت کر کے اپنے علاج کے لئے کسی ایک ڈاکٹر کو متعین کرلیتے ہیں، اسی کی تشخیص وتجویز پر عمل کرتے ہیں، مگر دوسرے ڈاکٹروں اور حکیموں کو برا بھلا کہتے نہیں پھرتے۔ یہاں کسی کا یہ خیال نہیں ہوتا کہ معالجوں میں اختلاف ہے تو سب کو چھوڑ دو اور اپنی آزادیٔ رائے سے جو چاہو سو کرو۔ کیا یہی طرزِ عمل علماء کے اختلاف کے وقت نہیں کرسکتے

ایک مثال اور لیجئے۔ آپ کو ایک مقدمہ عدالت میں دائر کرنا ہے، قانون جاننے والے وکلاء سے مشورہ ان میں اختلافِ رائے ہوا تو کوئی آدمی یہ تجویز نہیں کرتا کہ مقدمہ دائر کرنا ہی چھوڑ دے یا پھر کسی وکیل کی نہ سنے، خود اپنی رائے سے جو سمجھ میں آئے کرے بلکہ ہوتا یہی ہے کہ مختلف طریقوں سے ہر شخص اتنی تحقیق کر لیتا ہے کہ ان میں کونسا وکیل اچھا جاننے والا اور قابلِ اعتماد ہے اس کو اپنا وکیل بنا لیتا ہے اور دوسرے وکلاء کو باوجود اختلاف کے دشمن نہیں سمجھتا، برا بھلا نہیں کہتا ان سے لڑتا نہیں پھرتا۔

یہی فطری اور سہل اصول اختلاف علماء کے وقت کیوں اختیار نہیں کیا جاتا۔ یہاں ایک بات یہ بھی سن لی جائے کہ بیماری اور مقدمے کے معاملات میں تو اگر آپ نے کسی غلط ڈاکٹر یا غیر معتمد وکیل پر اعتماد کر کے اپنا معاملہ اس کے حوالے کر دیا تو اس کا جو نقصان پہنچتا ہے وہ آپ کو ضرور پہنچے گا مگر علماء کے اختلاف میں اس نقصان کا بھی خطرہ نہیں۔

حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے اگر کسی عالم سے سوال کیا اور اس نے فتویٰ غلط دے دیا تو اس کا گناہ سوال کرنے والے پر نہیں بلکہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔ شرط یہ ہے کہ سوال اس شخص سے کیا گیا ہو جس کا عالم ہونا آپ نے ایسی تحقیق و جستجو کے ذریعے معلوم کیا ہو جو اچھے معالج اور اچھے وکیل کی تلاش میں آپ کیا کرتے ہیں۔

اپنی مقدور بھر صحیح عالم کی تلاش و جستجو کر کے آپ نے ان کے اقوال پر عمل کر لیا تو آپ اللہ کے نزدیک بری ہو گئے اگر اس نے غلط بتا بھی دیا ہے تو آپ پر اس کا کوئی نقصان یا الزام نہیں، ہاں یہ نہ ہونا چاہئے کہ ڈاکٹر کی تلاش میں تو اس کا ایم۔ بی۔ ایس ہونا بھی معلوم کریں اور یہ بھی کہ اس کے مطب میں کس طرح کے مریض زیادہ شفایاب ہوتے ہیں مگر عالم کی تلاش میں صرف عمامے، کرتے اور ڈاڑھی کو یا زیادہ سے زیادہ جلسے میں کچھ بول لینے کو معیار بنا لیں اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ اپنی ذمہ داری سے بری نہیں اس نے جواب میں کوئی غلطی کی تو آپ بھی اس کے مجرم قرار پائیں گے۔

باہمی جنگ وجدال کے دور کن

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دور کن ہیں۔

ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء، دوسرے وہ عوام جو ان کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

علماء اگر اپنی تحقیق اور تنقید میں قرآنی اصول دعوت کے مطابق دوسروں کی تنقیص و توہین سے پرہیز کرنے لگیں اور اسلام کے بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور

مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہی مسائل کے متعلق ہیں۔ اپنی کوششوں اور محنتوں کا رخ اس طرف پھیر دیں اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلتے رہیں۔ دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں تو بتایئے کہ ان میں اشکال کیا ہے۔ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہوسکتا ہے جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت ہے کاش میری یہ آواز ان بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لئے کھڑے ہو جائیں تو امت کی بہت سی مشکلات حل جائیں اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جاچکا ہے ان سے نجات مل جائے۔

تمام سیاسی اور شخصی جھگڑوں کا علاج

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ مذہبی معاملات میں جس شخص نے کوئی خاص رخ اختیار کر رکھا ہے وہ اسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیم وتلقین سمجھ کر اختیار کئے ہوئے ہے۔ خواہ وہ حقیقت کے اعتبار سے بالکل غلط ہی ہو مگر اس کا نظریہ کم از کم یہی ہے کہ وہ اللہ کا دین ہے ان حالات میں اس کو ہمدردی اور نرمی سے اپنی جگہ افہام وتفہیم کی کوشش تو بجائے خود جاری رہنا چاہئے لیکن جب تک اس کا نظریہ نہ بدلے اس کو یہ دعوت نہیں دی جاسکتی کہ تم ایثار کر کے اپنا نظریہ چھوڑ دو اور صلح کرلو۔ ان سے تو صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلافِ رائے کو اپنی حدود کے اندر رکھیں اور افہام وتفہیم، قرآنی اصول و حکمت، موعظت، مجادلہ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کو نظر انداز نہ کریں مگر جن معاملات کا تعلق صرف شخصی اور ذاتی حقوق اور خواہشات سے ہے وہاں یہ معاملہ سہل ہے کہ جھگڑے سے بچنے کے لئے دوسرے کے لئے اپنی جگہ چھوڑ دے، اپنے حق سے دستبردار ہو جائے اور جو شخص ایسا کرے دنیا میں بھی اس کی عزت کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور جس مقصد کو چھوڑا ہے وہ بھی دوسرے رستے سے حاصل ہو جاتا ہے اور آخرت میں تو اس کے لئے ایک عظیم الشان بشارت ہے جس کا بدل پوری دنیا اور دنیا کی ساری حکومتیں اور ثروتیں بھی نہیں ہوسکتیں۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

انا زعیم ببیت فی ربض الجنّة لمن ترک المراء وھو محق'

''میں ضامن ہوں اس شخص کو وسط جنت میں مکان دلانے کا جس نے حق پر ہونے کے

میں آخر میں اپنے پہلے جملے کی طرف رجوع کرتا ہوں کہ ہماری ساری خرابیوں کی بنیاد قرآن کو چھوڑنا اور آپس میں لڑنا ہے اور یہ آپس کی لڑائی بھی درحقیقت قرآنی تعلیمات سے ناواقفیت اور غفلت ہی کا نتیجہ ہے۔ گروہی تعصّبات نے یہ حقائق نظروں سے اوجھل کرر کھے ہیں۔

دنیا میں صالحین کی اگرچہ قلت ضرور ہے مگر فقدان نہیں۔ افسوس ہے کہ ایسے مصلحین کا سخت قحط ہے جو گردوپیش کے چھوٹے چھوٹے دائروں سے ذرا سر نکال کر باہر دیکھیں اور اسلام اور قرآن ان کو کس طرف بلا رہا ہے ان کی صدا سنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیقِ کامل عطا فرمائے۔

اللّٰھم وفقنا لما تحبُّ و ترضیٰ من القول والفعل والعمل والنیة وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ وصفوۃ رسلہٖ محمد والہٖ وصحبہٖ اجمعین ط

جہاد پاکستان

فضائل ومسائل

۹/ جمادی الاوّل ۱۳۸۵ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح پاکستان کے لئے ظاہری اعتبار سے کئی بھیانک اور کش مکش موت وحیات کی صبح تھی، جس میں غدار مملکت بھارت نے اعلان جنگ کئے بغیر چوروں کی طرح پاکستان کی سرحدات پر اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ حملہ کردیا۔ اور ہماری سرحدات پر بسنے والے شہری مسلمانوں پر آگ برسانے لگے۔ ٹینکوں کی اتنی بڑی تعداد میدان میں لے آئے کہ پچھلی جنگ کے بعد اتنی تعداد سے کہیں جنگ نہیں لڑی گئی۔

بھارتی سورما چوبیس گھنٹوں میں لاہور پر قبضہ کرکے اس کے کلبوں میں شراب نوشی اور ناچ گانے کے مجنونانہ منصوبوں کا خبط دماغ میں لئے ہوئے آگے بڑھنے لگے اس کے جنگی ناخداؤں نے اپنی فوج کو بھی اس دھوکہ میں رکھ کر آگے بڑھنے کے لئے آمادہ کردیا کہ میدان خالی ہے تم مارچ کرتے ہوئے شالامار پہنچ جاؤ۔ امرتسر، جالندھر کے شہری بھی اسی دھوکہ میں لاہور کی فتح کا تماشا دیکھنے کے لئے پاکستانی سرحدات پر اُمنڈ آئے تھے۔ مگر یہ بے وقوف آٹھ سو برس مسلمانوں کے محکوم رہ کر اور دو سو برس انگریز کے زیر سایہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنے کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کو نہ پہچان سکے۔ اُنھوں نے اسلامی تاریخ کی اس مسلسل کرامت کو فراموش کردیا کہ ؎

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس بھیانک اور تاریک صبح کا آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا کہ بھارتی سورماؤں کو اپنے خواب کی الٹی تعبیر کا نقشہ سامنے دکھائی دینے لگا اور ان کی فوجوں اور فتح لاہور کے تماشائیوں کی لاشوں کے ڈھیر ٹرکوں میں بھرے ہوئے امرتسر کے گلی کوچوں میں نوحہ خوانی کرتے ہوئے پھرنے لگے۔

واہگہ کی سرحد پر ایک سو پاکستانی سپاہیوں کی ایک کمپنی بھارت کی، بزدل ٹڈی دل فوج سے نو گھنٹے تک کھیلتی رہی اور بالآخر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ سیالکوٹ کے محاذ پر اصحاب الفیل کے لشکر کو پاک فضائیہ کی ابابیل نے بھوسے کا ڈھیر بنا کر رکھ دیا۔

دوسرے سب محاذوں پر فتح کا خواب دیکھنے والے بھارت کے بزدل اپنی جوتیاں اور کپڑے تک چھوڑ کر بھاگ گئے، اور بھارت کا بہت بڑا رقبہ پاکستانی فوجیوں کے قبضہ میں آ گیا۔

پاک بحریہ کے ایک ہی ہلّہ نے دوارکا کے فوجی نقطہ نگاہ سے نہایت اہم قلعہ اور جنگی سازو سامان کو خاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اور اس کی ایک بھی کشتی یا کسی سپاہی کو خراش تک نہ لگی۔ ہماری ''غازی'' آبدوز نے بحرعرب میں بھارتی بحری جہازوں کو جہنم رسید کر دیا۔ بھارتی بمباروں کی سترہ روزہ اندھادھند یلغار ہمارے فوجی ٹھکانوں، سرگودھا، پشاور کراچی وغیرہ پر مسلسل ہوتی رہی، مگر کسی جگہ بھی کوئی قابل ذکر نقصان نہ پہنچا سکی۔ نہتے بے گناہ شہریوں اور بستیوں کو بے شک ان بزدلوں نے نقصان پہنچایا۔ یہ آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو ''آکاش وانی'' کے جھوٹ کی ڈھول دنیا کی نظروں سے نہ چھپا سکتی تھی اور نہ چھپا سکی !

بہر حال یہ تو مشاہدات اور واقعات ہیں، جو ہو چکے اور تاریخ عالم کا ایک زریں باب بن چکے یہاں اہل بصیرت کے لئے سوچنے سمجھنے کی یہ بات ہے کہ یہ فرق عادت اور خلاف قیاس واقعات جن پر دنیا انگشت بدندان رہ گئی، ہو کیسے گئے۔ برق و بھاپ اور صرف مادیات کے چکر میں پھنسی ہوئی سائنس اس کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس کی حقیقت آپ کو صرف قرآن اور آسمانی صحیفے ہی بتلا سکتے ہیں، جو مادیات کے سارے عناصر اور ان کے جوڑ توڑ سے ہزاروں عجیب ایجادات بنانے والی سائنس کے خالق و مالک کی طرف سے آئی ہوئی ہدایات ہیں۔ اُن میں غور کرنے ہی سے یہ راز کائنات کھلتا ہے کہ رب العزت جل شانہٗ نے اس عالم کو اسباب و مسببات کے ایک ایسے مضبوط و محکم نظام میں جکڑا ہوا ہے جو کہیں ٹوٹتا نظر نہیں آتا۔ نظام کائنات میں کہیں ایک بال کا فرق نہیں پڑتا۔

قدرت کا مستور ہاتھ جو اس نظام کو چلا رہا ہے وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے اور ظاہر میں نظریں اسی نظام اسباب کے چکر میں کھو جاتی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آنے والی وحی اور پہچانے والے پیغمبر بتلاتے رہتے ہیں کہ یہ اسباب سب پردے ہیں ان میں کام کرنے والا ہاتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہے۔ یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی سے ہوتا ہے یہ اسباب اسی وقت تک کام دیتے ہیں جب تک قدرت کی مشیت ان کو کام پر لگائے رکھے۔ ورنہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر نمرود کی آگ گلزار بن جاتی ہے اور آل فرعون پر دریا کا پانی آگ بن جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ فتح وشکست دراصل حق تعالیٰ جل شانہ کے دست قدرت میں ہے وہ جس قوم جس ملک کی تائید کرتے ہیں فتح اسی کا حصہ ہوتی ہے خواہ اس کے سامان و تعداد میں کیسی ہی کمی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا دستور یہ ہے کہ وہ اللہ کے فرمانبرداروں کے ساتھ ہوتی ہے نافرمانوں کے ساتھ نہیں ہوتی۔

فتح کا سبب شرعی جہاد ہے

پاکستان اسلام کے نام پر بنا اس کے باشندوں کی بڑی بھاری اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ غفلتوں اور گناہوں کے باوجود اس قوم میں اب بھی بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسلامی فرائض، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے پابند ہیں اور حرام سے پرہیز کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ تائید ربانی کے لئے پوری کی پوری قوم کا متقی، پرہیز گار ہونا تو شرط نہیں کہ ان میں کوئی گنہگار نہ ہو کیونکہ ایسا تو قرن صحابہ کے بعد دنیا میں کہیں بھی نہیں ہوا۔ صرف اتنا کافی ہوتا ہے کہ ان میں کافی تعداد اطاعت شعار فرمانبردار نیک مسلمانوں کی ہو۔ سو بحمد اللہ پاکستان اس سے خالی نہیں۔ لیکن ہمارا ایک گناہ ایسا تھا جس میں ہماری پوری کی پوری قوم شریک تھی۔ جس سے علماء صلحاء عوام اور اعیانِ حکومت تک میں کوئی مستثنیٰ نہ تھا اور وہ گناہ تھا ''ترک جہاد'' کا۔

ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکومت، فوجی طاقت، مال ودولت کے سارے وسائل اور طاقتیں عطا فرمائیں، جن کے ذریعہ جہاد کی استطاعت ہمیں حاصل ہوگئی اور ہمارے پڑوس کشمیر اور دوسری جگہوں میں مقہور ومغلوب مسلمان کفار کے جوروستم کے تختۂ مشق بنے رہے۔ ہم ان کے حالات کو دوسری خبروں کی طرح پڑھتے رہے، ان کے حالات کو تماشائی بن کر دیکھتے رہے۔ قوت وقدرت کے باوجود ہم نے ایسے مظلوم مسلمانوں کی امداد کے لئے جہاد کا فریضہ ادا نہیں کیا جن کے بارے میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے :

> **ومالکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا جج واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔** (سورہ نساء پارہ ۵)

> ''اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو اللہ کی راہ میں اور کمزور مسلمانوں کی خاطر سے جن میں کچھ مرد ہیں کچھ عورتیں اور کچھ بچے۔ جو دعائیں مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیج دیجئے''۔

یہ تھا ہمارا وہ مشترکہ گناہ جس میں پورے پاکستان کے مسلمان ملوث تھے اور جس نے ہمیں تائید ربانی سے محروم کر رکھا تھا۔

عدو شود سبب خیر

بھارت کے اچانک حملے نے ہماری سوئی ہوئی اور گناہوں، غفلتوں میں کھوئی ہوئی قوم کو یکبارگی جھنجھوڑ کر بیدار و ہوشیار کیا اور پاکستان نے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا واسطہ دے کر اپنی قوم کو للکارا تو پوری قوم کو پشاور سے چاٹگام تک اپنا بھولا سبق جہاد یاد آ گیا۔ ان کا نعرہ جہاد لگانا تھا اور اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرتوں کے دروازے کھلنا۔ یہ ہے ان کے خلاف قیاس فتوحات پاکستان کا اصلی سبب!

جہاد شرعی

اسلامی جہاد تین وجوہ سے فرض ہوتا ہے۔ ایک اعلاء کلمۃ اللہ کا اصل مقصد، دوسرے مظلوم مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سے آزاد کرانا، تیسرے کوئی کافر حکومت اسلامی شہروں پر یلغار کرے تو اس کی مدد کرنا۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد پر تو قرآن کریم میں بیشمار آیات موجود ہی ہیں، مظلوم و مقہور مسلمانوں کی رہائی کے لئے جہاد کا فرض ہونا۔ سورہ نساء کی آیت میں ابھی آپ اوپر دیکھ چکے ہیں اور مسلمانوں کے شہر اور ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کے لئے جہاد کے متعلق رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد کتب حدیث میں موجود ہے:

من قتل دون ماله فهو شهيد جو قتل ہوا اپنے مال کے لئے پس وہ شہید ہے	ومن قتل دون دمه فهو شهيد اور جو قتل ہوا اپنے خون کے لئے پس وہ شہید ہے
ومن قتل دون دينه فهو شهيد اور جو قتل ہوا اپنے دین کے لئے پس وہ شہید ہے	ومن قتل دون اهله فهو شهيد اور جو قتل ہوا اپنے گھر والوں کے لئے پس وہ شہید ہے

(جمع الفوائد)

پاکستان کے موجودہ جہاد میں فرضیت کے یہ تینوں اسباب موجود ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ تو ہر مومن کے دل کی آواز ہے ہی۔ کشمیر (مقبوضہ) کے مسلمانوں نے بھارتی مظالم سے تنگ آ کر اپنی آزادی کا مطالبہ کیا تو بھارت کے مظالم اور وحشیانہ حرکتیں اور تیز ہو گئیں۔ ان کی چیخ و پکار سے ان کے قریبی بھائی

آزاد کشمیری مسلمانوں میں جذبۂ جہاد ٹھیک قرآنی آیت مذکورہ کے مطابق بیدار ہوا، وہ ان کی امداد کو پہنچے تو بھارت نے آگے بڑھ کر آزاد کشمیر کے علاقہ میں خط متارکہ جنگ کو پار کر کے آزاد کشمیر کے کئی مقامات پر قبضہ کرلیا اور پورے کشمیر کے مسلمانوں پر اپنی فوجوں اور غنڈوں کو مسلط کر کے وہ مظالم ڈھائے کہ خدا کی پناہ۔

یہ حالات تو ایسے ہیں کہ اس کے لئے جہاد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے اور پاکستان کے لئے یہ فرض اس لئے بھی زیادہ اہم ہے کہ وہ ان سے قریب تر اسلامی مملکت ہے اور قرآن کریم کا حکم ہے :

وقاتلو الذین یلونکم من الکفار ولیجد وافیکم غلظه

"یعنی اپنے قریب کے کافروں سے جہاد کرو اور تم ایسے بنو کہ وہ تمہاری قوت وشدت کو محسوس کرنے لگیں"۔

اور اس لئے پاکستان پر یہ فرض عائد ہو رہا تھا کہ آزاد کشمیر جو در حقیقت پاکستان ہی کا ایک حصہ ہے اس پر بھارت نے یلغار کی تھی اور اس لئے بھی کہ مقبوضہ کشمیر میں ابتداء پاکستان کے قیام کے وقت کشمیریوں کو جنگ بند کرنے پر سلامتی کونسل اور بھارت و پاکستان کے اس مشترکہ وعدہ پر مجبور کیا گیا تھا کہ کشمیر میں استصواب رائے کے ذریعہ کشمیریوں کو حق خود اختیاری دیا جائے گا۔ جس کو اٹھارہ سال تک بھارت نے پورا نہ ہونے دیا۔ پاکستان کو اپنے وعدے کے مطابق ان کی امداد ناگزیر تھی۔

یہ سب کچھ تو کشمیر میں ہو رہا تھا کہ اچانک بھارت نے اہل پاکستان پر مختلف محاذوں سے حملہ کر دیا۔ جس کی مدافعت پاکستان پر فرض عین کی حیثیت سے عائد ہوگئی۔

بھارت کا ریڈیو، بھارت کی حدود میں بسنے والے چند علماء کے بیانات نشر کرتا رہا ہے کہ پاکستان کی یہ جنگ جہاد نہیں ہوسکتی صرف ایک سیاسی لڑائی ہے۔ معلوم نہیں کہ جو کچھ ان علماء کی طرف منسوب کر کے اس جھوٹوں کے بادشاہ ریڈیو نے کہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں یا یہ بھی بھارتی ریڈیو کی کذب بیانی ہی کا ایک شاخسانہ ہے اور اگر یہ صحیح بھی ہو کہ ان علماء نے ایسا بیان دیا ہے تو معلوم نہیں کہ وہ کس طرح ایسا بیان دینے پر مجبور کئے گئے ہوں گے، جو قرآن وحدیث کی تصریحات کے خلاف ہے!

کیا کوئی مسلمان جس کو کچھ بھی قرآن وحدیث کا علم ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ کشمیری مسلمانوں پر بے پناہ مظالم کے واقعات سُن کر ان مظالم سے ان کی رہائی کے لئے جنگ کرنا ٹھیک اسلامی اور شرعی جہاد نہیں محض ایک سیاسی جنگ ہے اور جو ایسا کہتے ہیں ان کے پاس سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیات کا کیا جواب ہے۔

اور کیا کوئی مسلمان بلکہ سمجھدار مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ بھارت کی ٹڈی دل فوج نے جب پاکستان پر چڑھائی کردی تو پاکستان کو جھک کر اس کا استقبال کرنا چاہیے تھا اور پاکستان ان کے حوالے کر دینا شریعت کا حکم تھا یا یہ کہ اس کی مدافعت میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا عین شرعی فریضہ جہاد تھا۔

رہا اُن کا یہ کہنا کہ بھارت بھی پاکستان کی طرح ایک اسلامی ملک ہے اور بھارت میں پانچ چھ کروڑ مسلمان آباد ہیں یا یہاں مسلمان بادشاہوں کی عظیم الشان یادگاریں ہیں اولیاء اللہ کے مزارات اور بہت سے اسلامی ادارے ہیں اس لئے بھارت کے خلاف جہاد کرنا جائز نہیں۔ سو اوّل تو یہ سوال اس وقت ہوتا جب پاکستان دہلی پر حملہ آور ہوتا آج تو اس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ پاکستان اپنی سرحدات پر بھارت کی یلغار کو روکنے کے لئے جہاد کر رہا ہے۔

اس کے علاوہ بھارت کے چھ کروڑ مسلمانوں پر آئے دن جو مظالم بھارتی ہندوؤں کے ہاتھوں ہوتے رہتے ہیں اور جن کے واقع ہونے سے یہ حضرات بھی انکار نہیں کر سکتے اور ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا جاتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح یہ بات ان حضرات کے زبان وقلم پر آئی کہ بھارت بھی ایک اسلامی ملک ہے اس کے خلاف جہاد جائز نہیں۔

رہا یادگاروں کا معاملہ تو اندلس میں تو ہماری یادگاریں وہاں سے زائد ہیں۔ کیا یہ حضرات یادگاروں کی خاطر وہاں بھی جہاد کو ممنوع قرار دیں گے؟

اور پھر یہ بھارتی ریڈیو جو اپنے مرنے والوں کو ''شہید'' کہتا ہے تو کیا وہ اس لڑائی کو مذہبی لڑائی کا رنگ نہیں دیتا۔ اس کے لئے یہ حضرات کیا فرماتے ہیں !

حقیقت یہ ہے کہ صدیوں کے بعد یہ جہاد صحیح شرائط جہاد کے مطابق عین اسلامی اور شرعی جہاد ہوا ہے۔ اس حیثیت سے بھی یہ جہاد ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت ونعمت ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہمیں اس خالص اسلامی جہاد میں حصہ لینے کا ایک موقع عطا فرمادیا اور اس اعتبار سے بھی کہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی غیبی امداد ونصرت سے نوازا اور اس حیثیت سے بھی کہ اس کی وجہ سے ہماری پوری قوم جو ہزاروں گناہوں میں ملوث، غفلتوں میں سرشار تھی اس کو کچھ ہوش آ گیا اور اللہ جل شانہ، کی طرف اس کی توجہ بڑھ گئی اور کھلے معاصی رقص وسرور، بے حیائی، فسق وفجور رشوت، دھوکہ فریب وغیرہ جرائم خود بخود کم ہوتے چلے گئے پولیس کی رپورٹ کے مطابق ستر فیصد جرائم گھٹ گئے۔

اور اس لحاظ سے بھی کہ ہماری پوری قوم جو پارٹیوں فرقوں اور انفرادی واجتماعی اختلافات اور جھگڑوں کی دلدل میں پھنسی ہوئی تھی اس جہاد نے ان کے سب جھگڑے فراموش کر کے ان کو دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک بنیان مرصوص بنادیا۔

روحانی بیماریوں کا علاج

معلوم ہوا کہ جہاد جس طرح ایک اہم فریضہ اور عبادت ہے اسی طرح وہ بہت سی روحانی بیماریوں کا علاج بھی ہے۔ خصوصاً آپس کے جھگڑے لڑائی اور بغض وکینہ کا خاص کامیاب علاج جہاد ہے۔ تزکیہ نفس کے لئے جو مجاہدات صوفیائے کرام کے یہاں معروف ہیں ان سب سے زیادہ نفس کی پاکی اور طہارت جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے واقعات بھی مسلمان مجاہدین میں کم نہیں کہ جہاد سے پہلے ان کی حالت دینی اعتبار سے کچھ اچھی نہیں تھی مگر میدان جہاد میں اُترنے کے بعد خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور گناہوں سے توبہ نصیب ہوئی۔ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بادشاہ ظہیر الدین بابرؒ کا یہی واقعہ ہے کہ عین میدان جنگ میں خالص توبہ نصیب ہوئی اور شراب کے خم وجام توڑے گئے۔

سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کا حال بھی شروع میں کچھ ایسا ہی تھا۔ جب جہاد کی قیادت سنبھالی تو توبہ کر کے اولیاء اللہ میں شمار ہوئے حضرت سلطان محمود غزنویؒ کا واقعہ بھی کچھ اس قسم کا ہے کہ یک بیک ان میں انقلاب آیا جبکہ خواب میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ نے ان کی کمر میں تلوار باندھی اور ہندوستان کے کفار پر جہاد کا حکم دیا۔

جہاد کی فرضیت اور فضیلت
حالیہ جہاد کا درس

۹/ جادی الاوّل ۱۳۷۵ھ مطابق ۶/ ستمبر ۱۹۶۵ء کے حالیہ جہاد پاکستان میں حقیقت ہے کہ ہم اور ہماری پوری قوم اللہ تعالیٰ کی اس تائید ونصرت کی ہرگز مستحق نہیں تھی جس کا مشاہدہ ہوا اور سو سپاہیوں کی ایک کمپنی نے ٹڈی دل فوج کا منہ پھیر دیا۔ بحری بری اور فضائی ہر فوج کے ہمارے سپاہیوں اور افسروں نے ایسے بیشمار واقعات دیکھے جن کو ساز وسامان یا جنگی تیاریوں کا نتیجہ کسی طرح نہیں کہا جاسکتا اور سب کو اس کا اقرار ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی غیبی تائید کا کام ہے۔

دوار کا بھارتی قلعہ پر بحری حملے کے وقت ایک سیاہ بادل یا دھویں کا پاکستانی بیڑہ ہر ایسا محاصرہ رہا کہ گویا ایک چھتری ڈھکی ہوئی ہے اور دشمنوں کی نظروں اور حملوں سے ان کو بچائے ہوئے ہے۔ اور کراچی پہنچنے تک اس سائبان کا بیڑے کے ساتھ رہنا جس کے شاہد پاکستانی بحریہ کے تمام ہی افسر اور سپاہی ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ چونکہ دشمن کے علاقہ میں ہوتے ہوئے ہمارا بیڑہ اپنے ہیڈ کوارٹر کو کوئی پیغام نہیں بھیج سکا تھا اس لئے اس کی خبر گیری کو جو پاک فضائیہ کے طیارے گئے ان کو بھی ہمارا بیڑہ اس سائبان غیبی کی وجہ سے نظر نہیں آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری کسی تدبیر کا نتیجہ نہیں خالص امدادِ غیبی تھی۔

ہم نے پاکستان بننے بنانے کے بعد جو غلفت بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے بغاوت کا راستہ اختیار کر رکھا تھا کہ فواحش ومنکرات، شراب نوشی، بے حیائی، رقص وسرور، مرد وعورت کے بے محابہ اختلاط، عورتوں کی نمائشِ حسن جو مغرب کے بے دین ملکوں کا شعار تھے وہ ہمارے دین دار گھرانوں میں بھی پھوٹ پڑے اور ہم مال ودولت اور حکومت کے نشے میں سرشار نفس کی خواہشات ولذات میں کھو گئے تھے، ہم بلاشبہ سزا کے مستحق تھے نہ کہ انعام کے۔

مگر مالک پروردگار نے اپنے رسول کریم ﷺ کے طفیل میں ہمارے ضعف پر رحم فرمایا اور بغیر کسی استحقاق کے اپنی تائید ونصرت بھیج دی اور پاکستان کو دشمن کے شدید حملے سے محفوظ فرمادیا۔ اس پر ہم جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں حقِ شکر ادا نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ قابلِ شکر یہ ہے کہ اس نے اپنے فضل سے ہماری پوری قوم میں یک بیک دینی رجحانات اور اللہ تعالیٰ سے مومنانہ تعلق کی

دولتِ عظمیٰ عطا فرمادی۔ ان کے باہمی اختلافات اور تفرقوں کو دور کر کے ان میں ایک مستحکم وحدت عطا فرمادی۔

اس جہاد کے دوران میں مسلمانوں کو نماز و دعا کا خاص اہتمام کرتے دیکھا گیا۔ گھر گھر اور گلی کوچوں میں وظیفے ختم کر کے اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بازاروں میں ملاوٹ اور چور بازاری کم ہوگئی، دفتروں میں رشوت ستانی گھٹ گئی، اسی طرح تمام جرائم میں کمی آگئی، رقص و سرور کی محفلیں سرد پڑگئیں، ریڈیو پاکستان نے فلمی گیتوں اور فضول چیزوں کو چھوڑ کر جہاد کے لئے بہترین مضامین اور نظمیں سنائیں اور پوری قوم کو جہاد کے لئے تیار کرنے میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ خدا کرے وہ ہمیشہ اسی طرز پر قائم رہے! پولیس کی بعض رپورٹوں کے مطابق جرائم میں ستّر فیصد کمی آگئی۔

لیکن ہماری یہ کیفیت اگر صرف وقتی اور ہنگامی تھی اور اس سے فارغ ہوکر ہم پھر انہی بدمستیوں میں لگ گئے تو یاد رہے کہ بلا استحقاق کے ایسے انعامات بار بار نہیں ہوا کرتے۔ ہمیں ایک چالاک اور غدار دشمن سے سابقہ ہے، معلوم نہیں کہ کس وقت ہم پھر پہلے سے زیادہ وسیع اور سخت جنگ کے لئے مجبور ہو جائیں اس لئے جس طرح ہماری حکومت اور عوام کے لئے یہ ضروری ہے کہ پچھلے حالات کے تجربے سے فائدہ اٹھا کر سامانِ جنگ فراہم کرنے اور نئی فوجوں کو تربیت دینے اور اپنے ملک کو خود کفیل بنانے کی جدوجہد میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

اسی طرح بلکہ اس سے بھی پہلے ہم سب کا یہ فریضہ ہونا چاہئے کہ ہمارا ہر گھر، ہر دکان، ہر دفتر قرآن اور ذکر اللہ سے آباد ہو، نمازوں کے اوقات میں یہ سب بند ہوں اور مسجدیں آباد ہوں۔ ہم سب مل کر بے حیائی، مرد و زن کے بے محابہ اختلاط، رقص و سرور کی محفلوں، شراب اور حرام آمدنیوں سے اخلاص کے ساتھ ہمیشہ کے لئے توبہ کرلیں اور غضبِ الٰہی کے ان تمام جراثیم کو ملک بدر کردیں، غیروں کی نقالی اور فیشن پرستی اور ان کی گندی اور مہنگی معاشرت جس نے ہمارے ملک کو کھوکھلا کر دیا ہے اس کو یکسر رخصت کر کے اسلام کی سادہ معاشرت اختیار کریں۔

عام خانگی زندگی کو سادہ بنائیں، تقریبات میں فضول رسموں کو زہر سمجھیں، اس طرح ملک کی دولت کو بچا کر ترقیاتی منصوبوں میں نفع بخش صورت سے لگائیں تو کچھ دور نہیں کہ ہمارا ملک خود کفیل اور ہمارے عوام کا معیارِ زندگی بلند ہو ہم اپنی صلح و جنگ میں دوسروں کی طرف دیکھنے کے محتاج نہ رہیں۔

قوت وسامان جہاد کی فراہمی فرض ہے

صبر وتقویٰ اور اللہ تعالیٰ پر توکل وایمان تو مسلمانوں کی اصل اور نا قابلِ تسخیر طاقت ہے، ہی س کے ساتھ یہ بھی ایمان ہی کا تقاضہ ہے۔

واعدو الهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم

''اور تیار کرو تم دشمن کے لئے جتنا بھی تم کرسکو، سامانِ جنگ اور سدھے ہوئے گھوڑے تاکہ دھاک پڑ جائے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر''۔

رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ جنگی مشقوں کا اہتمام فرمایا۔ اس زمانہ میں جنگ کے جو ہتھیار تھے ان کو جمع کرنے کی ہدایت فرمائی، جہاد کے گھوڑے، اونٹ، زرہ وغیرہ جمع فرمائی، تیراندازی اور نشانہ کی مشق کے لئے ہدایت فرمائی۔

جنگی صنعتوں کے لئے صحابہ کا سفر

امام حدیث وتفسیر ابن کثیر نے اپنی تاریخی کتاب البدایہ والنہایہ میں غزوۂ حنین کے تحت نقل کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے دو صحابی، حضرت عروہ بن مسعودؓ اور غیلان بن اسلمہؓ اس جہاد میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس لئے شرکت نہیں کر سکے کہ وہ بعض جنگی اسلحہ اور سامانوں کی صنعت سیکھنے کے لئے دمشق کے مشہور شہر جَرَش میں اس لئے گئے ہوئے تھے کہ وہاں دبّابہ، ضُبُور کی وہ جنگی گاڑیاں بنائیں جاتی تھیں جن سے اس وقت آج کل کے ٹینکوں کا کام لیا جاتا تھا۔

اسی طرح منجنیق کا وہ آلہ جس سے بھاری پتھر قلعوں پر پھینک کر قلعہ شکن توپوں کا کام لیا جاتا ہے اس کی صنعت بھی وہاں ہوتی تھی۔ یہ صنعتیں سیکھنے کے لئے ان بزرگوں نے ملک شام کا سفر اختیار کیا تھا۔

اس واقعہ سے بھی یہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ملک کو جنگی اسلحہ اور سامان کے لئے خود کفیل بنائیں، دوسروں کے محتاج نہ رہیں ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ یہ جنگی گاڑیاں اور منجنیق وہاں سے خرید کر درآمد کرلیا جاتا مگر رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے اس پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ خود اپنے یہاں ان کے تیار کرنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس پر غور کریں کہ رسول کریم ﷺ کو تو وہ روحانی اور ربانی طاقت اور نصرت حاصل تھی جس کے ہوتے ہوئے مادی سامان کی چنداں ضرورت نہیں تھی مگر پھر بھی آپ نے اس کا اس قدر اہتمام فرمایا تو ہم جیسے گنہگار، ضعیف الایمان لوگوں کو اس کی ضرورت کس قدر زیادہ ہے کہ موجودہ زمانہ میں جنگ کے لئے جس طرح کے اسلحہ اور آلاتِ سامان کی ضرورت ہے ان میں سے کسی سے پیچھے نہ رہیں اور اس کوشش میں لگ جائیں کہ قریب سے قریب مدت میں ان چیزوں کے لئے اپنے ملک کو خود کفیل بنا سکیں۔

رباط وحفاظت حدود

جہاد ہی کے مہمات میں سے ایک کام اسلامی سرحدات کو دشمن کی یلغار سے محفوظ رکھنے کا ہے۔ جس کو قرآن وحدیث کی اصطلاح میں رباط کہا جاتا ہے اور جہاد کی طرح اس کے بھی بڑے فضائل قرآن مجید وحدیث شریف میں مذکور ہیں صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے اس کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دے کر اسلامی سرحدات پر قیام اختیار فرمایا تھا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

''ایک دن اللہ کی راہ میں رباط کی خدمت انجام دینا ایک مہینے کے مسلسل روزے اور شب بیداری سے افضل ہے اور اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا تو جو نیک عمل یہ کیا کرتا تھا وہ مسلسل اس کے نامہ اعمال میں مرنے کے بعد لکھے جاتے رہیں گے اور قبر کے سوال وجواب اور عذاب سے محفوظ رہے گا''۔

اور طبرانی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ شخص قیامت کے روز شہیدوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا اور قیامت کے ہولناک حالات میں بھی اس کو اطمینان ہوگا۔ (فتح القدیر)

رباط کا مفہوم اسلامی سرحدات کی حفاظت ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کام انہیں مقامات پر ہو سکتا ہے جو اسلامی ملک کی آخری حدود پر واقع ہیں لیکن اس زمانہ کی فضائی جنگ نے اس معاملہ میں ایک نئے باب کا اضافہ کر دیا ہے کیونکہ چھاتہ بردار فوج ہر جگہ اتر سکتی ہے۔ بمبار طیاروں سے ہر جگہ بم گرائے جا سکتے ہیں اس لئے جن مقامات پر بھی دشمن کی ایسی یورش کا خطرہ ہو ان کے حفاظتی انتظامات بھی اسی رباط کے حکم میں داخل ہوں گے۔ قدیم فقہاء نے بھی رباط کے معاملہ میں فرمایا ہے کہ جس بستی پر ایک مرتبہ دشمن حملہ کر دے اس کی حفاظت چالیس سال تک رباط کے حکم میں داخل ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۸۷۔ جلد ۴)

پاکستان کے حالیہ جہاد میں سرگودھا، پشاور، کراچی وغیرہ جہاں چھاتہ فوجیں اترنے کے خطرات پائے گئے اور جہاں دشمن کے بمباروں نے بمباری کی ان کی حفاظت کا ہر قدم رباط کے حکم میں ہے۔ یہ ایسا جہاد ہے جس میں ہر شہری اپنے گھر میں بیٹھا ہوا بھی رباط کا ثواب لے سکتا ہے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اپنے شہر اور شہریوں کی حفاظت کا جذبہ رکھتا ہو اور مقدور بھر اس میں کوشش کرے۔

بلیک آؤٹ رباط کے حکم میں ہے

ایسے خطرات کے وقت جن بستیوں میں حکومت کی طرف سے اندھیرا رکھنے کی ہدایات جاری ہوں ان کی تعمیل بھی انہی حفاظتی انتظامات کے تحت رباط کے حکم میں داخل ہو کر انشاء اللہ اس ثواب کا موجب ہوگا۔ مسلمان اس سے تنگدل نہ ہوں بلکہ مفت کا ثواب رباط حاصل کرنے پر خوش ہوں اور شکر ادا کریں۔

عہدِ رسالت میں بلیک آؤٹ کی نظیر

جنگی حالات اور ان کے تقاضے ہر زمانہ اور ہر ملک میں جدا ہوتے ہیں۔ ملک کے مبصر اور اربابِ حکومت جس چیز کو شہری دفاع کے لئے ضروری قرار دیں اس کی تعمیل شرعی حیثیت سے بھی ضروری ہو جاتی ہے، خواہ اس معین چیز کا ثبوت قرونِ اولیٰ کی روایات میں ہو یا نہ ہو کیونکہ بنیادی مسئلہ مباحات میں اطاعت امیر کا ہے۔ اس کا ثبوت قرآن و حدیث میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے وہی ان تمام جائز کاموں میں تعمیل حکم کی اصل علت ہے لیکن کوئی خاص کام اگر سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے بھی منقول ہو تو اس کا محبوب و مشروع ہونا اور مبارک عمل ہونا ظاہر ہے۔

دورانِ جنگ میں پاکستان میں شہری دفاع کے لئے حکومت نے رات کو روشنی کرنے پر پابندی لگا رکھی تھی اطاعتِ حکم کے تحت تو اس کی تعمیل ضروری تھی ہی، اتفاق سے اس کی ایک نظیر خود عہدِ رسالت ﷺ میں بھی ملتی ہے جو قارئین کی دلچسپی اور ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

جمادی الثانی ۸ھ میں جہاد کے لئے یک لشکر مدینہ طیبہ سے دس منزل کے فاصلہ پر لخم و جذام کے قبائل کے مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا جس کے امیر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ اس غزوہ میں دشمن سپاہیوں نے پوری فوج کر حلقۂ زنجیر میں جکڑ رکھا تھا تا کہ کوئی بھاگ نہ سکے اس لئے یہ غزوہ ذات السلاسل کے نام سے موسوم ہے۔

حدیث کی مشہور کتاب جمع الفوائد میں معجم کبیر طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس غزوہ ذات السلاسل میں امیرِ لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ لشکر گاہ میں تین روز تک رات کے وقت کسی طرح کی روشنی نہ کریں اور نہ ہی آگ جلائیں۔

تین دن کے بعد دشمن میدان سے بھاگ کھڑا ہوا، بھاگتے ہوئے دشمن کا صحابہ کرامؓ نے جو لشکر میں موجود تھے، تعاقب کرنا چاہا مگر امیرِ لشکر نے تعاقب سے بھی منع کر دیا۔ لشکر کے جانبازوں کو روشنی بند کرنے کے حکم ہی سے ناگواری تھی کہ تعاقب نہ کرنے کا حکم اور بھی ناگوار گذر۔ مگر اطاعتِ امیر کی بنا پر تعمیل لازمی تھی اس لئے ان دونوں احکامات کی بلا چوں چراں پابندی کی گئی۔ البتہ جب لشکر واپس مدینہ طیبہ پہنچا تو آنحضرت ﷺ سے شکایت کی گئی۔

آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر وجہ دریافت کی، حضرت عمرو نے عرض کیا کہ، یارسول اللہ ﷺ میرے لشکر کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں تھوڑی تھی، اس لئے میں نے رات کو روشنی کرنے سے منع کیا کہ مبادا دشمن ان کی قلت تعداد کا اندازہ لگا کر شیر نہ ہو جائے اور اس کا حوصلہ نہ بڑھ جائے، اور تعاقب کرنے سے بھی اس لئے روکا کہ ان کی کم تعداد اس کے سامنے آجائے گی تو کہیں وہ پلٹ کر ان پر حملہ نہ کر دے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی یہ جنگی تدابیر اور عمل پسند فرما کر اس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ (جمع الفوائد ص ۲۷۔ جلد ۲)

مسلمانوں کا سب سے بڑا سرمایہ اور پونجی ان کا ایمان ہے۔ آج اس گئے گذرے دور اور حالات میں بھی جس کام پر دین وایمان اور حکمِ خدا اور رسول کی چھاپ لگ جاتی ہے، اس میں یہی نہیں کہ مسلمانوں کو کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے۔ بلکہ ان کا عمل دوسروں کے لئے حیرت کا موجب بن جاتا ہے۔

چنانچہ حالیہ جہاد کے متعلق لندن کے اخبار "سنڈے ٹیلیگراف" ۱۱ ستمبر ۶۵ء میں ڈگلس براؤن کا ایک طویل مضمون دورانِ جنگ میں پاکستان کے حالات پر مشتمل شائع ہوا ہے، اس کا ایک جملہ یہ ہے :

> "بلا شبہ یہاں کے عوام کے حوصلے بلند ہیں۔ لندن میں بھی دوسری جنگِ عظیم کے درمیان اتنا مکمل بلیک آؤٹ کبھی نہیں ہوا جتنا کراچی میں ہوتا ہے یہ یہاں کے عوام کی فرض شناسی کی مثال ہے"۔ (بحوالہ روزنامہ حریت کراچی۔ ۱۷ ستمبر ۶۵ء)

بعض ضروری احکامِ جہاد

جہاد عام حالات میں فرضِ کفایہ ہے۔ فرضِ کفایہ اصطلاح شرع میں اس فرض کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق ہر مسلمان کی ذات سے نہ ہو بلکہ پوری مسلم قوم سے ہو ایسے فرض کا حکم یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے

چند آدمی اس فرض کو پورا کردیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہوجاتے ہیں اور اگر کوئی بھی ادا نہ کرے تو جن جن لوگوں کو اطلاع پہنچے اور قدرت کے باوجود ادا نہ کریں تو وہ سب گنہگار رہوں گے۔

مثال کے طور پر مسلمان مُردے کی نماز جنازہ اور کفن دفن کا انتظام فرض کفایہ ہے کہ یہ فریضہ پوری مسلمان قوم کے ذمہ ہے، عزیز قریب اور برادری کے لوگ اگر اس فریضہ کو ادا کردیں تو باقی سب مسلمان سبکدوش ہوگئے اور اگر میت کا کوئی ایسا عزیز قریب موجود نہیں یا موجود ہوتے ہوئے عاجز ہے یا جان بوجھ کر غفلت کرتا ہے تو محلّہ کے دوسرے لوگوں پر ہے کہ وہ اس کو انجام دیں۔ محلّہ والے بھی نہ کریں تو شہر کے دوسرے لوگوں پر جن کو اطلاع ملے یہ فریضہ عائد ہوجائے گا، شہر والے بھی نہ کریں تو اس کے متصل دوسرے شہر والوں پر عائد ہوگا۔

اسی طرح اسلام کے جتنے بھی اجتماعی فرائض وواجبات ہیں سب فرض کفایہ ہیں اور ان کا یہی حکم ہے، احکام دین کی تعلیم وتبلیغ، ضرورت کے مطابق مسجدوں کی تعمیر اور دینی مدرسوں کا قیام محتاجوں، یتیموں غیر یبوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے محتاج خانے، یتیم خانے وغیرہ قائم کرنا، ناواقفوں کو احکام شرعیہ بتلانے کے لئے فتویٰ دینے کا انتظام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا انتظام، اسلام کے خلاف، اسلام کے دشمن یا گمراہوں کی طرف سے شبہات وتحریفات کے جواب کا انتظام، اسلام کا کلمہ بلند کرنے اور معاند دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے جہاد، یہ سب امور وہی ہیں جن کا تعلق پوری مسلم قوم سے ہے اور یہ اجتماعی فرائض ہیں۔

ایسے فرائض کو عین حکمت کے مطابق حق تعالیٰ نے ہر شخص پر فرض عین نہیں کیا بلکہ پوری قوم کے ذمہ لگایا ہے تا کہ وہ تقسیم عمل کے ذریعہ ان تمام فرائض کو آسانی سے ادا بھی کرسکیں اور اپنی معاشی ضروریات اور عینی فرائض کی ادائیگی کے لئے بھی ان کو فرصت مل سکے۔

پوری قوم میں سے جس قدر آدمی ایک ضرورت کو پورا کرسکیں اور وہ اس کام میں لگ جائیں تو باقی پوری قوم اس فریضہ سے سبکدوش ہوجاتی ہے۔

بعض تعلیم دین کے لئے مدارس کا انتظام کریں۔ بعض فتویٰ اور تصنیف کی ضرورت پوری کریں۔ بعض مساجد کے قیام وانتظام میں لگیں۔ بعض یتیم خانے محتاج خانے اور شفا خانے کا کام کریں۔ بعض قلم اور زبان کا جہاد کرکے مخالفین اسلام کے جوابات دیں، بعض جہاد وقتال کے فرائض کو انجام دیں، جہاد وقتال کے بارے میں حق تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے :

فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجہ . وکلا وعد اللہ الحسنیٰ . وفضل اللہ المجاھدین علی القعدین اجرا عظیما. (النساء پ ۵ رکوع ۱۳)

''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ بہت بلند بنایا ہے جو اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور سب سے اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے اجر عظیم دیا ہے''۔

اس آیت نے واضح طور پر بتا دیا کہ اگرچہ جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ اللہ کے نزدیک بڑا ہے مگر جو لوگ دوسرے کاموں کی وجہ سے خود جہاد میں شریک نہیں ہو سکے ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جہاد اپنی اصل عام قومی فرائض کی طرح فرض کفایہ ہے۔ دوسری آیت : وما کان المومنون لینفروا کافۃ ۔ میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ ''جب مسلمانوں کی ایک جماعت جہاد کے لئے کافی ہو تو سب پر جہاد واجب نہیں رہتا۔

فرض کفایہ کبھی فرض عین ہو جاتا ہے

اگر کوئی قومی فرض جو علی الکفایہ سب کے ذمہ فرض ہے اس کے ادا کرنے والی کوئی جماعت موجود نہیں ہے یا موجود ہوتے سستی وغفلت کر رہی ہے یا اس کی تعداد اور سامان اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے کافی نہیں ہے تو ان سے قریب کے مسلمانوں پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ وہ اس فریضہ کو ادا کریں اور اگر ادا کرنے والوں کو جانی یا مالی امداد کی ضرورت ہو تو اس کو پورا کریں۔ قریب کے مسلمانوں نے بھی غفلت برتی یا وہ بھی اس فریضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوئے تو اُن سے قریب کے تمام شہروں اور دیہات میں بسنے والے سب مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہو جائے گا۔ اسی طرح جس قدر جانی ، مالی امداد کی ضرورت پیش آتی جائے گی، نزدیک سے لے کر دور تک کے سب مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا چلا جائے گا۔ صرف بچے، عورتیں، بوڑھے، بیمار، نابینا اور اپاہج لوگ اس فرض سے مستثنٰی ہوں گے یہ عام ضابطہ تمام علی الکفایہ فرائض کا ہے۔

جہاد فرضِ عین

جب کفار مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دیں اور اس کی مدافعت کے لئے ملک کا مسلمان حاکم امیر حکم عام جاری کرے کہ سب مسلمان جو قابل جہاد ہوں شریک ہوں تو سب پر جہاد کے لئے نکلنا

فرض عین ہو جاتا ہے۔ مدافعت کی ضرورت میں عورتوں پر بھی مقدور بھر مدافعت فرض ہو جاتی ہے۔ غزوۂ تبوک میں رسول کریم ﷺ نے ایسا ہی حکم عام جاری فرمایا تھا اسی لئے جو لوگ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان پر سزائیں جاری کی گئیں۔

مسائل

۱۔ یہ ضروری نہیں کہ شہر کا حاکم وامیر جو اعلان جہاد کرے متقی، پرہیزگار یا عالم ہی ہو۔ جو بھی مسلمان حاکم ہو جب ایسے حکم عام کی ضرورت محسوس کرے یہ حکم دے سکتا ہے اور سب مسلمانوں کو اس کا یہ حکم ماننا فرض ہے۔ (فتح القدیر ص ۲۸۰ ج ۴)

اس میں شبہ نہیں کہ امیر جہاد کا علم متقی ہونا بہت بڑی نعمت اور فتح کا بہت بڑا سامان ہے۔ رسول کریم اجب بھی کسی کو امیر جہاد مقرر فرماتے تو اس کو وصیت فرماتے تھے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کرے اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین کرے اور یہی مسلمان کا وہ اصلی جوہر ہے جو دنیا کی کسی طاقت سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہ سب کچھ ہے مگر عمل جہاد کے لئے شرط نہیں۔ جہاد ہر مسلمان امیر وحاکم کے ساتھ ضروری اور اس کے جائز احکام کی تعمیل واجب ہے۔

۲۔ جہاد جب فرض کفایہ ہو تو بیٹے کو ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں کیونکہ ان کی خدمت واطاعت فرض عین ہے۔ وہ فرض کفایہ کی وجہ سے ساقط نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح عورت کا شوہر کی اجازت کے بغیر جہاد کے کام میں لگنا جہاد کے فرض کفایہ ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔ البتہ اگر دشمن کے شدید حملہ کی وجہ سے مسلمان حاکم وقت سب کو جہاد میں لگنے کا حکم جاری کردے۔ اور جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر بیٹا ماں باپ کی اجازت کے بغیر عورت شوہر کی اجازت لئے بغیر بھی اپنے اس فرض کو ادا کرے۔

۳۔ میدان جہاد سے بھاگنا انتہائی سخت گناہ اور غضب الٰہی کا سبب ہے قرآن کریم میں ہے:

یا ایھا الذین اٰمنو اذالقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولو ھم الادبار

''اے ایمان والوں جب جنگ میں کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو اُن سے پشت نہ پھیرو''۔

اور ارشاد فرمایا:

ومن یُولھم یومئذ دبرہ فقد باء بغضب من اللہ

''اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری تو اللہ کا غضب لے کر لوٹا''۔

۴۔ ہاں اگر ایسی صورت پیش آجائے کہ مجاہدین کو حالات سے اس کا پورا اندازہ ہو جائے کہ اگر ہم اس وقت لڑیں گے تو ہم سب فنا ہو جائیں گے اور دشمن کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ ایسے وقت ان کے لئے یہ جائز ہے کہ دوسرے مسلمانوں سے کمک حاصل کرنے اور تیاری کے بعد لڑنے کی نیت سے اس وقت میدان چھوڑ دیں اور پھر دوسرے مسلمانوں کی امداد اور سامان کی تیاری کے ساتھ دوبارہ مقابلہ پر جائیں، اس کا مدار مجاہدین کی تعداد سامان کی کمی زیادتی پر نہیں محاذ جنگ کے مجموعی حالات اور تجربے پر اس کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر لڑنا مفید ہے یا پیچھے ہٹنا۔ قرآن مجید میں ایسے ہی حال کے متعلق ارشاد ہے۔

ومن یو لھم یو مئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئة .

فقد باء بغضب من اللہ

''اور جس نے اس دن کافروں سے پشت پھیری سوائے جنگی چال یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا''۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنگی تدبیر کے لئے یا دوسرے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنے کی خاص حالت میں اجازت دی گئی ہے جبکہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ دوبارہ حملہ کرنا ہو۔

تنبیہ

صاحبِ بدائع نے فرمایا کہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم میں جو یہ ارشاد ہے کہ:

ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین .

''اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں تو دو سو پر غالب آجائیں گے''۔

ان یکن منکم مائة یغلبوا الفا

''اور اگر تم سو ہو تو ہزار پر غالب آجاؤ گے''۔

یہ آیات جن میں ایک مسلمان کو دس کافروں پر غالب اور بھاری ہونے کا ذکر ان کی بڑی تعداد کے مقابلہ سے گریز نہ کرنے کی ہدایت ہے۔ منسوخ نہیں ہوئی اگر اس کا امکان غالب آئے تو محض تعداد کی کمی کی وجہ سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں ہوتا۔ آج بھی ایسا ہو سکتا ہے اور پاکستان کے حالیہ جہاد میں خصوصاً لاہور کے محاذ پر تو اس کا ایسا مشاہدہ ہوا کہ دشمن کو بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں کی بہت تھوڑی سی تعداد نے دشمن کی ٹڈی دل فوج کا حملہ روکا اور اس پر فتح پائی۔

۵۔ ضرورت پیش آئے تو دشمن کے درختوں، کھیتوں کو کاٹ کر یا جلا کر تباہ کر دینا بھی جائز ہے۔ (بدائع)

۶۔ دشمن قلعہ بند ہو جائے یا کسی محفوظ مکان میں داخل ہو کر دروازہ بند کرے تو اس کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کر لینے کی دعوت دی جائے۔ اگر نہ مانے تو آگ لگا کر یا پانی میں غرق کر کے یا دوسرے طریقوں (مثلاً بمباری) سے قلعہ اور مکان کو منہدم کر دینا جائز ہے۔ (بدئع)

۷۔ دشمن اگر قلعہ بند ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ دشمن کے ملازموں میں کچھ مسلمان بھی ہیں تو ان کی وجہ سے دشمن کی کوئی رعایت نہ کی جائے گی۔ البتہ مسلمانوں کو کسی صورت سے بچا سکتے ہوں تو بچانے کی فکر کریں دشمن کو تباہ کرنے کے مقصد وارادہ سے حملہ کریں۔ گولہ باری کریں، جو مسلمان اس کی زد میں بلا اختیار آ جائیں تو وہ معاف ہے کیونکہ کافروں کا کوئی شہر یا بستی ایسی نہیں ملے گی جس میں کوئی مسلمان قیدی یا ملازم وغیرہ ان کے پاس نہ ہوں۔ اگر ان کی رعایت سے دشمن کا مقابلہ چھوڑ دیا جائے تو جہاد کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ (بدائع ص ۱۰۰ ج ۷)

۸۔ یہی صورت اس وقت بھی کی جائیگی جبکہ دشمن اپنے آپ کو بچانے کے لئے مسلمان قیدیوں یا بچوں وغیرہ کو آگے کر دے اس وقت بھی اگر مسلمانوں کو بچانے کی کوئی صورت نہ رہے تو دشمن پر حملے کی نیت سے مقابلہ کیا جائے اور جو مسلمان اس کی زد میں آ جائیں ان کا خون معاف ہے۔ (بدائع)

(البتہ ان مسلمانوں کو جن کو کافروں نے اپنی ڈھال کے طور پر آگے کیا ہوا ہے یہ چاہئے) کہ وہ مسلمانوں کی طرف بھاگ آئیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ کافروں کی گولیوں سے مر جائیں تو درجۂ شہادت پر فائز ہوں گے۔

۹۔ عین حالتِ جنگ وقتال میں بھی ایسے کافروں کو قتل کرنا جائز نہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لیتے مثلاً چھوٹے بچے، عورتیں، بوڑھے، اپاہج، اندھے، دیوانے، مندروں، عبادت خانوں میں مشغولِ عبادت رہنے والے، بشرطیکہ وہ جنگ میں حصہ نہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک میدانِ جنگ میں کسی کافر عورت کو مقتول پایا تو بہت افسوس کا اظہار فرمایا کہ یہ تو جنگ کرنے والی نہ تھی اس کو کیوں قتل کیا گیا۔

۱۰۔ جو عورتیں، بچے جنگ میں جاسوسی کا کام کریں یا دوسرے طریقہ سے جنگ میں حصہ لیں ان کو حالتِ جنگ میں قتل کیا جائے گا تا کہ ان کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں لیکن اگر بچے قید ہو جائیں تو قید ہونے کے بعد ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ خواہ انہوں نے جنگ میں کھلے طور پر حصہ بھی لیا ہو،

کیونکہ گرفتار کرنے کے بعد ان سے کوئی خطرہ تو نہیں رہا اب اگر قتل کیا جائے گا تو ان کے پچھلے عمل کی سزا میں قتل کیا جائے گا اور بچوں پر سزا جاری کرنا شرعاً جائز نہیں۔

۱۱۔ جہاد میں اگر کسی مسلمان کا کافر باپ کے سامنے آجائے تو جب تک وہ حملہ نہ کرے بیٹے کو اس پر حملہ کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کی ہدایت یہ ہے کہ دنیا میں کافر ماں باپ کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو، ان کی خدمت وخبر گیری کرو، اس لئے جہاد کے وقت بھی ابتداً ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اپنے کافر باپ کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے منع فرمادیا۔ البتہ اگر باپ ہی بیٹے پر حملہ کردے اور اس کے حملے سے اپنی جان بچانا بغیر اس کے ممکن نہ ہو کہ باپ کو قتل کرے تو اس کو اپنی حفاظت کرنا چاہئے خواہ اس میں باپ کا قتل ہی واقع ہو جائے مگر یہ باپ کو قتل کرنے کا ارادہ نہ کرے۔ (بدائع ص ۱۰۲۔ جلد ۷)

۱۲۔ جہاد میں جانے کے وقت اپنے ساتھ قرآن کریم کو تلاوت کے لئے لے جانا ایسی صورت میں جائز ہے جبکہ مسلمانوں کی قوت مستحکم ومضبوط ہو۔ قتل یا قید ہو جانے کا خطرہ کم ہو اور جہاں یہ خطرہ قوی ہو تو قرآن کو اپنے ساتھ نہ رکھے، اس میں بے ادبی کا خطرہ ہے۔ رسول کریم ﷺ نے دشمن کی زمین میں قرآن کریم لے جانے کو جو منع فرمایا ہے وہ اس حالت سے متعلق ہے۔ (بدائع)

۱۳۔ جنگی قیدی جو مسلمانوں کے ہاتھ آجائیں ان کو بھوک پیاس وغیرہ کی تکلیف دینا جائز نہیں۔ (بدائع)

۱۴۔ کافر قیدیوں سے اپنے مسلمان قیدیوں کا تبادلہ کر لینا جائز ہے۔ (علی قول الصاحبین، بدائع)

۱۵۔ جہاد میں جن لوگوں کو قتل کرنا جائز ہے ان کا بھی مُثلہ کرنا یعنی جسم کے مختلف اعضاء کاٹنا شرعاً جائز نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (بدائع)

(ماخوذ بینات، کراچی)

حُبِّ وطن اور اسلام

اسلام وطن پرستی نہیں سکھاتا اس نے وطنی، نسلی، قبائلی اور صوبائی قومیت بتوں کو توڑا ہے۔ اقبال مرحوم نے صحیح کہا

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

اور خوب فرمایا کہ

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر اس کا نہ دلّی نہ صفاہان نہ سمرقند

لیکن اسلام نے وطن سازی کے کچھ اصول بتائے ہیں جو وطن ان اصولوں کے تحت بنایا جائے اس کی محبت و حفاظت جماعت کے ہر مسلمان کا نہ صرف اخلاقی اور طبعی بلکہ ایک دینی اور شرعی فرض ہو جاتا ہے۔ آیئے آج ہم آپ کو وطن کے متعلق اسلامی نظریہ بتائیں۔

یہ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کوئی فلسفہ یا صرف نظری فکری چیز نہیں، خالص عملی اور مکمل نظام ہے جس کا خاکہ رسول کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے تیار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی زندگی میں ہمیں دو باب کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۱۔ ترکِ وطن ۲۔ وطن سازی

سب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کا آبائی وطن مکہ مکرمہ تھا۔ آپ ﷺ نے معہ اپنے صحابہ کرام کے اس کو چھوڑا اور مدینہ طیبہ کو اپنا وطن بنایا اور پھر اس جدید وطن کی آبادی، حفاظت اور ترقی کے لئے بھرپور کوششیں عمل میں لائی گئیں۔ اس سے مدافعت کے لئے بڑی جنگیں لڑی گئیں اور اللہ جل شانہٗ کی تائید و نصرت سے یہ وباؤں کی بستی جس کو پہلے یثرب کہا جاتا تھا، چند ہی سال میں بجا طور پر مدینۃ الرسول اور مدینہ طیبہ کہلانے کی مستحق اور اسلام کا دارالحکومت بن گئی۔

اس جگہ ذرا ٹھہر کر غور کیجئے کہ بنے بنائے اصلی اور آبائی وطن کو چھوڑنے کی نوبت کیوں آئی؟ اور نیا وطن بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اگر آپ نے اس کا راز صحیح طور پر پالیا تو آپ کے بہت سے مشکلات کا حل اور مستقبل میں کامیابی کی راہیں کھلی نظر آئیں گی۔

اگر مکہ میں مسلمان اپنی اعتقادی اور عملی اخلاقی اور معاشرتی (خصوصیات سے صَرف نظر کر کے صرف معاشی پہلو پر اپنی نظریں جمالیتے تو مسلم، غیر مسلم کی متحدہ قومیت اور ان دونوں کی مشترک حکومت کا قیام وہاں بھی کچھ مشکل نہ تھا، بلکہ وہاں ہندوستان کی طرح اکثریت اور اقلیت کی نمائندگی کی تعداد میں چھپن اور چوالیس کی بحث بھی درمیان میں نہ آئی۔

کیونکہ اسلام کی روز افزوں ترقی اور قریش کی مخالفت کا بے اثر ہونا، مشاہدہ کر کے پورے قبائل قریش کے سرداروں نے جمع ہو کر باتفاق رائے عقبہ بن ربیعہ کو اس کام کے لئے منتخب کر کے رسول کریم ﷺ کے پاس بھیج دیا تھا۔ جس نے آپ ﷺ کے سامنے یہ پیشکش کی کہ اگر آپ اپنی تبلیغ و دعوت میں رواداری سے کام لیں تو ہم آپ کو پورے عرب کا بادشاہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں کہ ہم ہر امر میں آپ کے حکم کی اطاعت کیا کریں اور اگر آپ مال کے خواہشمند ہیں تو ہم اتنا مال آپ کے لئے جمع کر سکتے ہیں کہ آپ پورے عرب میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔ جس کے جواب میں رسول کریم ﷺ نے قرآن مجید کی چند آیتیں سنا دیں جس سے عقبہ حیرت زدہ ہو کر واپس چلا آیا اور اپنی قوم کے سامنے قرآنی اعجاز کا اقرار کیا۔

یہاں یہ بحث بھی درمیان میں نہ تھی کہ حکومت میں ہماری نمائندگی کس مقدار سے ہوگی اور مسلمانوں کو کسی مقدار سے بلکہ پورے عرب کی حکومت کی پیش کش تھی مگر شرط یہ ہے کہ آپ اپنی دعوت کو عام نہ کریں۔ آج کا کوئی عقل مند ہوتا تو اس پیشکش کو قبول کر کے اقتدار حاصل کر لیتا اور پھر دینی دعوت کو بھی جاری رکھتا لیکن وہاں تو رسولِ امین ﷺ تھے جن سے معاہدے کی خلاف ورزی ممکن ہی نہ تھی اس لئے اس پیشکش کو قبول نہ کیا۔

جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنا وطنِ عزیز آپ ﷺ کے لئے طرح طرح کی ایذاؤں، مشقتوں کا گھر بن گیا اور بالآخر اس کو چھوڑنا پڑا اور ایک ایسے نئے وطن کی بنیاد ڈالنی پڑی جس میں اسلام کے شعار سر بلند ہوں، اسلامی عقائد و اعمال روبکار آئیں، اسلامی معاشرت و اخلاق کو رواج دیا جا سکے۔ یہی وجہ تھی جس نے آپ ﷺ سے اور مسلمانوں سے اپنا وطن چھڑایا اور یہی وہ نظریہ تھا جس نے نیا وطن بنانے اور بسانے کی مشقتوں کو آپ ﷺ کے لئے آسان کر دیا۔

حاصل اس کا یہ ہے کہ اسلام کا مقصدِ توحید ایک خاص نظریہ اور خاص اخلاص واعمال اور خاص تہذیب معاشرت کو رواج دینا ہے۔ جو وطن اس مقصد کے لئے سازگار نہ ہوا اسلام اس سے محبت کو جرم قرار دیتا ہے اور اس کو چھوڑنے کی ہدایت کرتا ہے اور جو وطن اسی مقصد کے لئے سازگار اور معین ہو اس کی محبت، حفاظت، مدافعت کو فرض قرار دیتا ہے۔ مسئلہ وطنیت کا یہی معتدل فیصلہ ہے جو اسلام نے سکھایا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے اسی اصول کے ماتحت ایک وطن کو چھوڑا اور دوسرا بنایا اب جو وطن اس بنیاد پر بنا کہ وہ صرف مولد ومسکن اور آب ودانہ کا جسمانی وطن نہ تھا بلکہ ایک وطنِ ایمانی تھا۔ جس کے ساتھ مقصدِ زندگی وابستہ تھا اس لئے اس کی [illegible] وایمان اور اس کی حفاظت دینی فریضہ اور دوسرے سب مقاصد کا اہم مقدمہ بن گیا۔

رسول کریم ﷺ نے اسے صرف محبت ہی کا تعلق نہیں رکھا بلکہ اس کی آبادی، خوشحالی، صحت مند ہونے کی دعائیں مانگیں۔ مسلمانوں کو اس میں آباد رہنے کی ترغیب دی، اس کے باشندوں کے لئے خاص فضائل کا وعدہ فرمایا، اس میں کسی قسم کا شر وفساد پھیلانے والوں کے لئے بددعا کی۔

حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ جب سفر سے واپس مدینہ تشریف لائے اور جبلِ اُحد پر نظر پڑتی تو فرمایا کرتے تھے کہ :

"یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں"۔

صحیح بخاری میں ہے کہ سفر سے واپسی کے وقت جب آنحضرت ﷺ کی نظر مدینہ طیبہ پر پڑتی تو اپنی سواری کو اس کے شوق میں تیز فرما دیتے تھے۔ بخاری اور مسلم کی حدیث کہ رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ :

"آپ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے وطن مکہ کے لئے آبادی اور خوشحالی کی دعا کی تھی میں آپ سے مدینہ کے لئے اس کی دعا کرتا ہوں"۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ کے ہجرتِ مدینہ کے ابتدائی دنوں میں جب صحابہ کرامؓ کو کچھ تکلیفیں پیش آئیں تو آنحضرت ﷺ نے دعا کی :

"یا اللہ ہمارے لئے مدینہ کو ایسا ہی محبوب بنادے جیسا کہ مکہ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یا اللہ اس کے بازار میں اور تجارتی سامان میں برکت عطا فرما"۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ جو وطن اپنے اصلی مقصد میں معین ہو اس کی محبت انبیاء علیہم السلام کا شعار رہا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ معظمہ کے لئے، نبی کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے لئے اقتصادی

خوشحالی اور صحت مند ہونے کی دعا کی ہے اور مدینہ کی حفاظت اور مخالفین کے دفاع کے لئے غزوۂ اُحد واحزاب کے معرکے اور ان میں خود رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی جانباز خدمتیں تاریخِ عالم میں مشہور و معروف ہیں۔

حسنِ اتفاق اور اہلِ پاکستان کے لئے بڑی سعادت ہے کہ ہم خواہ کتنے ہی گنہگار اور عمل میں کوتاہ ہیں مگر پاکستان کی بنیاد اسی خالص اسلامی نظریہ پر رکھی گئی اور جب تک تحریکِ پاکستان کی بنیاد میں اس کا رنگ غالب نہیں ہوا اس وقت یہ صرف ایک تحریک اور ایک نعرہ تھا۔ اس تحریک اور نعرہ کو کامیاب بنانے والی روح جس نے ہندستان کے سینکڑوں فرقوں اور مختلف الخیال طبقوں کو اسیر متفق کر دیا وہ بھی مذہبی رجحانات تھے اس لئے پاکستان ہمارے لئے صرف اس لئے محبوب نہیں کہ وہ ہمارا مسکن مستقر ہے، ہم بھارت ماتا اور مادرِ وطن کے قائل نہیں، پاکستان ہمیں اس لئے محبوب ہے کہ وہ مسلم قوم کا ضامن اور مسلمانوں کے نظامِ حیات کا ایک سہارا ہے۔ اس میں اگر ہماری اپنی غفلتیں اور کوتاہیاں نہ ہوں تو اسلام کا پورا قانون اور نظامِ زندگی رائج کرنے میں کوئی طاقت رکاوٹ نہیں بن سکتی اس کی قدر قیمت کا اندازہ ان مسلمانوں سے پوچھئے جو بنائے پاکستان کے شروع میں مسلمانوں کے قتل عام کے قیامت خیز ہنگاموں سے بچ بچا کر کس طرح حدودِ پاکستان میں داخل ہوئے اور ان کو مدت کے بعد امن واطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا۔

ہاں مملکتِ پاکستان جس طرح ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت اور سعادت ہے اسی طرح یہ بات انتہائی افسوس ناک اور بڑی بدنصیبی ہے کہ ہم نے اس نعمت کی قدر نہ پہچانی۔ پاکستان میں آباد ہونے اور دولت وثروت حاصل ہونے کے بعد ہم بناء پاکستان کے نظریئے اور اس کے تقاضوں کو یکسر فراموش کر کے ایسی رنگ رلیوں اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہو گئے کہ ہمارے حالات و معاملات کو دیکھنے والا کبھی اس پر یقین نہیں کر سکتا کہ ہم نے یہ مملکت اسلامی اصولوں اور اسلامی معاشرت کو رواج دینے کے لئے قائم کی تھی۔ ہماری علمی، عملی، اخلاقی، معاشرتی ہر حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہو گئی اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارا وطن پاکستان اپنی ظاہری ترقیات کے باوجود داخلی اور خارجی فتنوں کے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے۔

کاش کہ ہم آج بھی اس نعمت کی قدر کو پہچان کر اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کی تجدید کریں اپنے اخلاق و کردار کو پاک کرنے اور پاکستان کو پاکستان بنانے کی فکر میں لگ جائیں اور اس ملک کا عملی طور پر اسلامی ملک ہونا ثابت کر دیں۔ ہمارے بازار جھوٹ، فریب، ملاوٹ اور دھوکہ سے پاک ہوں،

ہمارے سرکاری دفاتر بے انصافی، بے رحمی، رشوت سے پاک ہوں تو یہ بازار اور دفاتر بھی ہماری مسجدیں بن جائیں اور ہر دیکھنے والا پکار اٹھے کہ یہ اسلامی ملک پاکستان ہے۔

ہماری یہ کوشش ہر حال میں ہر جگہ جاری رہنی چاہئے مگر یہ تصور بھی کسی وقت ذہن سے اوجھل نہ ہو کہ موجودہ سب خرابیوں اور ہمارے گناہوں اور غفلتوں کے باوجود پاکستان کا وجود اپنی جگہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔ ساری اصلاحات اور اصلاحی تجاویز جب ہی کارگر ہوسکتی ہیں جب وطن پاکستان کی سالمیت برقرار ہو۔

ہمیں اصلاح کے نام پر بھی ہر ایسے عمل سے اجتناب کرنا ہے جس سے پاکستان کی سالمیت اور وجود ہی خطرہ میں آسکتا ہو پاکستان کی سالمیت اور حفاظت اپنے دین وایمان اور جان ومال اور آبرو کی حفاظت ہے، اس کے خلاف ہر فتنہ اور حملہ کی صورت کی مدافعت بلاشبہ ایک عظیم جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو تمام داخلی وخارجی فتنوں سے اور آفتوں سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو پاکستان کی صحیح خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام اور سوشلزم

مغربی سامراج ایک لعنت تھا۔ قہرِ الٰہی کا مظہر تھا تو یہ سُرخ سامراج اس سے بڑی لعنت اور پوری انسانیت کے لئے عذابِ الیم ہے۔

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا :

یورپین سامراج کا تسلط ایشیائی ممالک ہندوستان وغیرہ پر ہوا تو اپنے ساتھ بہت کچھ عیش وعشرت کے سامان گھروں اور بازاروں کی رونق آرام وراحت زیب وزینت کے نئے نئے طریقوں کی چہل پہل لے کر آیا اور ہندوستان کی نوسو سالہ اسلامی حکومت کو تہ وبالا کر کے اس پر قبضہ کرلیا۔ اسلامی شعور اور قومی غیرت رکھنے والوں نے تو اس وقت بھی مومنانہ فراست سے مغربی تہذیب ومعاشرت کے نتائج بد کا کچھ اندازہ لگا کر یہی کہا تھا کہ۔

نگاہ خلق میں دنیا کی رونق بڑھتی جاتی ہے
مری نظروں میں پھیکا رنگ محفل ہوتا جاتا ہے

مگر عام نظریں اس ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نقد آرام وعیش میں الجھ کر رہ گئیں۔ خدا تعالیٰ اور آخرت سے غفلت اس کا لازمی نتیجہ تھا وہ سامنے آیا۔ انگریزوں کی یہ پالیسی کہ مسلمانوں کی مسجدیں اور دینی مدارس منہدم کئے بغیر ویران ہو جائیں، اس راہ سے کامیاب ہوتی نظر آئیں۔ لارڈ میکالے کی تعلیمی پالیسی نے اس کو پورا استحکام بخشا دینی اور دُنیوی تعلیم میں ایک بڑی خلیج حائل ہوگئی اور بالآخر دینی تعلیم اچھوت کی صورت میں منتقل ہو کر گمنام گوشوں میں رہ گئی۔ حکومت کے ایوانوں، تجارتی چیمبروں اور بازاروں پر یورپ سے درآمد کیا ہوا سرمایہ دارانہ نظام چھا گیا۔

سود قمار انشورنس کے بازار گرم ہو گئے، جن لوگوں کے دماغ نئی تعلیم سے مسحور اور نگاہیں نئے نظامِ معاشیات کی ظاہری رونق سے خیرہ ہو چکی تھیں۔ ان کا دینی شعور اور مذہبی جذبہ پہلے ہی مضمحل اور

نیم مردہ ہو چکا تھا اب ان کے سامنے اہم مسئلہ صرف معاش کا تھا اُس نے نئے نظام معاش کو انسان کی معاشی صلاح وفلاح کا نسخہ اکسیر سمجھ کر قبول کر لیا۔

اس وقت کون یہ جانتا تھا کہ اس نئے نظام کے نتیجہ میں یہ روز بد دیکھنا پڑے گا کہ دولت سمٹ کر چند ہاتھوں یا چند برادریوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اور پوری قوم محنت مزدوری اور نوکری کرنے پر مجبور ہوگی اور ان کو ان کی محنت کا صلہ بھی ان کی ضرورت اور محنت کے مطابق نہ مل سکے گا اور ان سب آفتوں سے بڑی آفت یہ ہوگی کہ دولت اور پیسہ عزت کا معیار بن جائے گا، اس طرح پوری قوم عزت نفس سے بھی محروم ہو کر غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

ہاں قرآن اور اسلامی تعلیمات پر نظر رکھنے والے علماء جانتے تھے کہ جو نظام اس وقت ملک پر مسلط کیا جا رہا ہے وہ صرف دین ومذہب کے خلاف نہیں بلکہ عام انسانی معاشیات کے لئے بھی بدترین نتائج کا حامل ہے کہ سودی قمار کے معاملات سے پورے ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد اور جماعتوں کے ہاتھ میں آجائے گی اور ملک کے عوام فقر وافلاس کے شکار ہو جائیں گے۔

عام دیندار مسلمانوں اور خصوصاً علماء کرام نے اولاً طاقت کے ساتھ اس سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کا مقابلہ کیا۔ جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو علماء نے فکری اور نظری طور پر جہاد قلم کے ذریعہ اس کا مقابلہ جاری رکھا۔ قرآنی احکام کے ماتحت سود سٹہ اور قمار کے تباہ کن اثرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے مگر اس وقت علماء کو تنگ نظر تنگ خیال کہہ کر ان کی بات کی طرف التفات نہ کیا گیا۔

یہاں تک کہ اس نظام کی تباہ کاری آنکھوں کے سامنے آگئی اور خلق خدا سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف چلّا اُٹھی مگر ساتھ ہی اس کے مقابلے پر کمیونزم اور سوشلزم کے نظریات جارحانہ صورت میں اُبھرے ان نظریات کی بنیاد خدا اور آخرت کے خلاف بغاوت اور مذہب سے بیزاری پر رکھی گئی اور اس نے انفرادی ملکیت ہی کو ظلم قرار دے دیا اور محنت کشوں، مزدوروں اور سرمایہ داروں میں ایک طبقاتی مناظرات قائم کر کے ہر طرح کی لوٹ مار اور قتل وغارت گری کو ان کے لئے نہ صرف جائز بلکہ مقصد زندگی قرار دے دیا اور یہ سبز باغ دکھلایا کہ ان سرمایہ داروں کو لوٹ کھسوٹ لو۔ سب تجارتوں صنعتوں، ملوں اور کارخانوں کے مالک تم ہو۔

پھر تعبیر اس خواب کی یہ نکلی کہ ان غریب فاقہ کش عوام کا دین وایمان تو اس نظریئے نے پہلے ہی رخصت کر دیا تھا۔ اب قومی ملکیت کا دلفریب عنوان دے کر تمام وسائل پیداوار پر حکمراں ٹولی قابض

ہوگئی اور سابقہ سامراج کی جگہ اس خونی سُرخ سامراج نے لے لی اور محنت کش طبقہ کو جانوروں کی طرح بلکہ بے جان مشینی کل پرزوں کی طرح استعمال کیا طاقت سے زائد محنت اور فریاد کی اجازت نہیں۔ خدا اور مذہب کا نام لینا جرم اور سامراج کے ایجنٹ ہونے کی علامت قرار دے کر اُن لوگوں پر وہ مظالم توڑے گئے جن کو زمین و آسمان نے اس سے پہلے نہ دیکھا تھا نہ سنا۔

ایک خاندان کی جوان لڑکیوں کو جہاں اور جس کام میں لگانے کا حکم ملے گا اس کے خلاف کوئی حرف زبان سے نکالنے کی اجازت نہیں۔ باپ کسی ایک مشین کا پرزہ بنا ہوا ہے اور بیٹا کسی دوسری کا اور بیوی کسی اور جگہ مزدوری کرنے پر مجبور ہے۔ جوان بیٹی کسی اور کارخانے میں خدمت پر مامور ہے۔ اس طرح پورا معاشرہ آزادیٔ ضمیر اور فریاد کرنے کی اجازت سے محروم اور شدید محنت کشی کے علاوہ حرام کاری کی ایسی لعنتوں میں گرفتار ہوگیا کہ جنگل کے جانور بھی انہیں دیکھ کر شرما جائیں۔ حلال و حرام کی بحث، حیا و شرم کے پُرانے قصے خاندانی شرافت کا فسانۂ ماضی سب خواب و خیال ہوگئے اور جس نے ذرا ان چیزوں کا نام لیا وہ "سامراج کا ایجنٹ" کہلا کر گردن زدنی ہوگیا۔

کفر و شرک دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے مگر کفر کی تمام اقسام میں جتنا شرمناک اور وحشت ناک کفر اس نظریہ سوشلزم اور کمیونزم کا ہے اس کی نظیر کہیں زمانۂ ماضی میں بھی نہیں ملتی۔ عام طور پر تو کفار کا ہر طبقہ کسی نہ کسی صورت میں خدا کو مانتا ہے، اس کی تعظیم کو سب سے مقدم جانتا ہے، صرف مٹھی بھر قدیم دہریوں کی ٹولی ہے جس نے خدا کا انکار کیا۔ مگر یہ جرأت اس کو بھی نہ ہوئی جو ان جدید دہریوں کی سوشلسٹ اقوام نے کی کہ براہ راست خدا کی توہین کی اور اس کے جنازے کے جلوس نکالے اور یہ نعرے لگائے کہ ہم نے اس ملک سے خدا کو نکال دیا ہے۔ (معاذ اللہ)

یہ کوئی کہانی نہیں ہے، اسلامی تاریخ میں اسلام کے سب سے بڑے گہوارے سمرقند و بخارا اور پورے روسی ترکستان کی مساجد و معابد۔ سے پوچھو وہاں یہی کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے آج ان شہروں میں اسلام کا مرثیہ پڑھنے والا بھی کوئی نہیں ملتا۔ جہاں سے علوم حدیث و قرآن کے چشمے پھوٹے تھے۔ اس ملک سے اپنا ایمان اور اپنی جان بچا کر ہجرت کرنے والوں کی بڑی تعداد آج بھی اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی ہے ان کے جاں گداز حالات کو سننے کے لئے بھی پتھر کا دل چاہئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن محنت کش عوام نے اپنی جانوں کی بازی لگا کر سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کیا تھا، اب ان کی آنکھ کھلی تو اپنا گلا ایک ایسے سامراج کے چنگل میں دبا ہوا پایا جہاں

نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے

یہی سوشلزم اور کمیونزم کا وہ سبز باغ ہے جو غریب مزدوروں اور محنت کش عوام کو دکھلا کر ان کا دین وایمان اور آزادیٔ ضمیر خودداری، شرافتِ نفس سب کچھ پہلے قدم پر لوٹ لیا جاتا ہے اس کے کفرِ عظیم اور انسانیت کے لئے فسادِ عظیم ہونے میں کس کو شبہ ہوسکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہے کہ مغربی سامراج ایک لعنت اور قہرِ الٰہی کا مظہر تھا تو یہ سُرخ سامراج اس سے بڑی لعنت اور پوری انسانیت کے لئے عذابِ الیم ہے۔ برطانوی سامراج تو دم توڑ چکا اور اپنی شامتِ اعمال کو اسی دنیا میں بھگت رہا ہے اور امریکی سامراج جو اس کا وارث بن کر دنیا پر چھا گیا تھا اب اس کی باری آرہی ہے لیکن مشاہدہ یہ ہورہا ہے کہ جس جگہ سے اینگلو امریکی سامراج کا قدم پیچھے ہٹتا ہے وہیں سوشلسٹ سرخ سامراج اپنا قدم جمالیتا ہے اس وقت کے تمام اسلامی ممالک کا ایک سرسری جائزہ لیا جائے تو آپ کو اس کی تصدیق ہوجائے گی، شام مصر، عراق، شمالی یمن، الجزائر، سوڈان، لیبیا وغیرہ اس کے شاہد ہیں اور وہاں اسلام اور اسلامی شعائر اور خدو مذہب کے نام لینے والے مسلمانوں پر جو کچھ بیت رہی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

اس لئے آج اینگلو امریکی سامراج کے مقابلے پر جہاد کرنے والوں کے لئے پہلے قدم پر یہ سوچنا ہے کہ وہ کہیں اس سفید سامراج کو مٹا کر اس کی جگہ سرخ سامراج کی لعنت اور پوری انسانیت کی تباہی کو دعوت نہیں دے رہے۔ غور کریں تو واضح ہوجائے گا کہ مغربی سامراج کو مٹانے کے لئے ایک راستہ اسلام اور اسلامی نظام کا ہے اور دوسرا راستہ سوشلزم اور کمیونزم کا ہے دونوں راستے ایک دوسرے سے مختلف سمتوں کو جاتے ہیں۔ ان کے طریقے الگ الگ اور مرحلے الگ الگ ہیں۔

سوشلزم کا راستہ

اس نظریہ کی بنیاد تو خدا اور مذہب سے بغاوت اور خالص مادہ پرستانہ نظریہ پر ہے۔ اس میں انفرادی ملکیت جرم اور ہر زمین جائداد یا کسی سرمایہ کا مالک مجرم ہے اس لئے وہ ہر سرمایہ دار کا دشمن صرف مزدور کا طرف دار ہے مگر اس نظریہ کے پرستار جب اسلامی ملکوں میں گھستے ہیں تو اپنے اس نظریہ اور عقیدہ کو ظاہر نہیں کرتے۔ اپنے مقاصد کو کبھی اسلامی مساوات کبھی اسلامی سوشلزم کا نام دے کر پھیلاتے ہیں۔

ان کے عقیدہ میں چونکہ انفرادی ملکیت ہی جرم اور سرمایہ دار مطلقاً مجرم ہے، وہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور پہلے قدم میں مزدوروں اور سرمایہ داروں میں طبقاتی جنگ اور

منافرت پیدا کرتے ہیں اور غریب عوام اور محنت کش مزدوروں کو جن کی بھاری اکثریت پکی مومن، مسلمان ہوتی ہے روٹی اور پیٹ کے مسئلوں میں ایسا الجھا دیتے ہیں کہ وہ حلال وحرام اور خدا وآخرت کے خوف سے بیگانہ ہو کر رہ جائیں۔

پھران کو خونی انقلاب کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے اور یہ سبز باغ دکھایا جاتا ہے کہ آتش زنی، قتل وغارت گری کے ذریعہ ان تمام ملوں کارخانوں، زمینوں اور تمام وسائل پیداوار پر جارحانہ اور غاصبانہ قبضہ کرلو تو تمہیں اس کے مالک ہو اور جو تمہارے راستہ میں حائل ہو اس کو سامراج کا ایجنٹ اور جاسوس سمجھو اور مارڈالو اور جب یہ سب کچھ غریب عوام اور مزدوروں کی طاقت سے ہوسکتا ہے تو نتیجہ وہ ہونا ہے۔ جو پہلے بیان ہو چکا ہے کہ تمام وسائل پیداوار اور سرمایہ پر ایک حکمراں ٹولی قابض ہو جاتی ہے اور غریب عوام اور مزدوروں کی حیثیت جانوروں کی بھی نہیں رہتی بلکہ بے جان مشینی کل پرزوں کی سی ہو جاتی ہے، وہ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

یہ مزدور اور سرمایہ دار کی طبقاتی منافرت اور باہمی جنگ اسلام کے بنیادی اصول کے منافی ہے۔ اسلام کا قانون مزدور اور آجر دونوں کی جان ومال کی حفاظت کا ضامن ہے۔ جس شخص نے جائز طریقوں سے کوئی دولت حاصل کی ہے اس کے چھین لینے کا کسی کو حق نہیں دیتا اور ناجائز طریقوں کی کمائی خواہ سرمایہ دار کی ہو یا مزدور کی دونوں کو ناجائز قابلِ واپسی قرار دیتا ہے۔

اسلام کی نظر میں مزدور اور آجر دونوں ایک ہی برادری کے افراد ہیں۔ کوئی شخص ماں کے پیٹ سے نہ مزدور ہوتا ہے نہ سرمایہ دار یہ اپنے اپنے عمل اور کوشش کے مختلف رخ ہیں جو بدل بھی سکتے ہیں اور رات دن بدلتے رہتے ہیں۔ کیا آپ کی نظر میں یہ واقعات نہیں کہ سینکڑوں مزدور سرمایہ دار بن گئے البتہ مغربی سرمایہ دارانہ نظام جو سراسر ظلم وجور پر مبنی ہے اُس کے ردعمل میں منافرت اور جنگ اس طرح پیدا ہوئی کہ اس نظام نے مزدوروں محنت کشوں کے لئے دولت مند ہونے کے راستے بند کر دیئے۔ دولت سمٹ کر محدود اور معدود افراد میں رہ گئی۔

ان کی بڑی بڑی تجارتوں اور صنعتوں نے چھوٹی تجارتوں اور صنعتوں کے لئے کوئی راستہ نہ چھوڑا، اب باقی دنیا ان کی نوکری یا مزدوری کرنے کے بغیر اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہوگئی اور وہ بھی ان کی من مانی کم سے کم مزدوری اور تنخواہ پر جو مزدور کی ضروریاتِ زندگی کے لئے قطعاً کافی نہیں۔

اس کے ساتھ ان کی عزت، نفس کو بری طرح مجروح کیا گیا، ان کو حقیر و ذلیل سمجھا گیا۔ یہ سب مغربی سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کی لائی ہوئی آفتیں تھیں۔ سوشلزم یہ دعویٰ لے کر کھڑا ہوا کہ وہ مزدوروں کو اس ظلم وستم سے نجات دلائے گا، امیر و غریب میں مساوات پید کرے گا، مزدوروں اور غریبوں کی اپنی حکومت ہوگی لیکن اشتراکی ملکوں کے مشاہدہ نے بتایا کہ یہ سب فریب ہی فریب تھا اس نظریہ نے مزدور کو کچھ نہیں دیا، اس کا دین وایمان ہی لوٹ لیا اور آزادیٔ ضمیر بھی۔

اسلام کا راستہ

اسلام اور قرآن کی نظر میں انسانوں کی تقسیم اگر ہے تو صرف اللہ کے ماننے اور نہ ماننے یعنی کفر و ایمان پر ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُمْ مُؤْمِنٌ

''یعنی تم سب کو پیدا کیا اور تم میں سے بعض کافر ہیں، بعض مومن''۔

اسی طرح اسلام کی نظر میں کل انسان دو پارٹیوں میں منقسم ہیں۔ ایک کا نام قرآن حکیم میں حزب اللہ اور دوسری کا نام حزب الشیطن ہے۔ طبقہ داری اور علاقائی یا قبائلی میں کوئی موثر تقسیم نہیں اسلام ایک عادلانہ اور حکیمانہ اور امنِ عالم کا واحد ذریعہ ہے اس میں حدود کی پابندی اور حقوقِ انسانیت کی ہر حال میں رعایت کی جاتی ہے۔ اسلام ہی کا نظام ہے جو عین میدانِ جنگ میں بھی اپنے مقابل دشمنوں کے کچھ حقوق رکھتا ہے، جن کی خلاف ورزی جرم ہے۔ اسلام جو کچھ کہتا ہے وہ کر کے دکھاتا ہے، جو وعدہ کرتا وہ پورا کرتا ہے، اس میں کبھی دھوکہ فریب کی کوئی گنجائش نہیں، اس میں دشمنوں کے ساتھ بھی عدل وانصاف لازم ہے، غداری جرم ہے۔ وہ حدودِ شرعیہ کے خلاف کسی غاصبانہ قبضہ کو روا نہیں رکھتا، ہاں اس ظالم کا ہاتھ روکتا ہے، مظلوم کی امداد کر کے اس کا حق دلواتا ہے، غریب وامیر، مزدور اور دولت مند کے طبقاتی فرق کی نفی کرتا ہے سب کو ایک اسلامی برادری کا مساوی فرد بناتا ہے، مساوی حیثیت بھی دیتا ہے اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے:

۱۔ اسلامی نظام میں بنیادی چیز یہ ہے کہ وہ نسلی، وطنی، علاقائی، طبقاتی تقسیموں کا قائل نہیں۔ اس کا اصول المومنون اخوۃ کا ہے، یعنی مسلمان، مسلمان سب بھائی ہیں۔ کوئی امیر ہو یا غریب، مزدور اور نوکر ہو یا مالدار اور آقا، عزت سب کی برابر ہے، حقوق سب کے برابر ہیں بلکہ غریب اور مزدور اگر زیادہ نیک اور متقی ہے تو اسلام کی نظر میں وہ مالدار سے زیادہ عزت والا ہے۔

قرآن کا ارشاد ہے :

ا نَّ ا کرَ مَکُمْ عندا للہ اتقکُمْ

اسلام کی تاریخ گواہ ہے کہ اس نے بلال حبشی کو وہ عزت بخشی ہے جو عرب وعجم کے بڑے بڑے بادشاہوں کو حاصل نہیں، مزدوروں کے متعلق رسول کریم ﷺ کا فرمان یہ ہے :

اِخو انکم خولکم جعَلَهُمُ اللہ تَحتَ اَیدِ کُم فَمَنْ کَانَ اَخُوہُ تَحت یَدِہٖ فَلْیُطعِمْہُ مِنْ طَعَامِہٖ وَلْیُلْبِسْہُ من لِباسه وَلا یُکلّفہُ مَا یَغلِبُہٗ فَاِنْ کَلَّفَہٗ مَا یَغْلِبُہٗ فَلْیُعِنْہُ

’’تمہارے بھائی تمہارے خادم ہیں، اللہ نے ان کو تمہارے زیرِ دست کر دیا ہے لہٰذا جس کا بھائی اس کا زیرِ دست ہو وہ اپنے کھانے میں سے اس کو کھلائے اور اپنے لباس میں سے اس کو پہنائے اور اسے کسی ایسے کام پر مامور نہ کرے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو اور اگر ایسا کوئی کام اسے بتائے تو خود اس کی مدد کرے‘‘۔

اس میں یہ بات خاص طور پر قابلِ نظر ہے کہ یہاں موقع بظاہر اس کا تھا کہ خَولکم اخوا نکم کہا جاتا کیونکہ مقصود اس ارشاد کا مزدوروں اور نوکروں کو بھائی قرار دینا ہے مگر آنحضرت ﷺ نے اِخوا نکم کو مقدم کر کے بتا دیا کہ وہ تمہارے بھائی پہلے ہیں اور نوکر یا مزدور بعد میں۔

پاکستان میں اسلامی نظام کا مغالطہ

افسوس ہے کہ مملکتِ پاکستان جو اسلام کے نام پر وجود میں آئی اور اس کے حکمران اول سے آج تک اس میں اسلامی نظام رائج کرنے کے دعوے کرتے چلے آئے ہیں، مگر عمل میں وہ سرمایہ دارانہ نظام رائج رکھا جو انگریز ہم پر مسلط کر کے چھوڑ گیا تھا۔ اس کا اثر ناواقف عوام پر یہ ہونے لگا کہ ملک کے عوام جس اقتصادی بحران کا شکار ہیں یہ شاید اسلامی نظام ہی کے نتائج ہیں۔ سوشلسٹ طبقات کو موقع مل گیا ، انہوں نے مزدوروں اور غریب عوام کی توجہ اسلام سے پھیر کر اپنے ملحدانہ اصول کی طرف کھینچنے کی کوشش شروع کر دیں اور مزدور و سرمایہ دار کی طبقاتی جنگ کا میدان گرم کر دیا اور ان کو یہ فریب دیا کہ تمہاری اقتصادی مشکلات کا حل صرف سوشلزم میں ہے۔

اس وقت علمائے امت کا کام یہ ہے کہ ہر مکتبۂ فکر کے علماء اس فتنہ ارتداد کے روکنے کی طرف متوجہ ہوں، ملک کے غریب عوام اور مزدور اور محنت کش مسلمان جو اسلام کے نام پر جان دینے والے ہیں۔

ان کو سوشلسٹ گروہوں کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہونے دیں ان کو اسلامی نظام کی ان تعلیمات سے آگاہ کریں جن میں ان کی تمام مشکلات کا صحیح اور سچا منصفانہ حل موجود ہے۔ مثلاً:

۱۔ ملک میں اسلامی نظام رائج ہوا تو وہ تمام راستے یکسر بند کردیئے جائیں گے جن کے ذریعہ ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود دائرے میں محصور ہوجائے اور عام خلق اللہ افلاس، تنگ دستی کی شکار بنے، یعنی سود، سٹہ، قمار، انشورنس۔ جن میں دس ہزار روپیہ کا مالک بنک کے واسطہ سے لاکھوں روپے کا کاروبار کرتا ہے اور نفع میں سے چند ٹکے بنک کو اور بنک کے ذریعہ قوم کو دے کر باقی سب منافع کا مالک خود بنتا ہے اور اس طرح ملک کی دولت سمٹ کر ایک جیب میں جمع ہوتی چلی جاتی ہے۔

۲۔ بیرونی تجارت میں لائسنس پرمٹ کا مروجہ طریقہ کو بڑے سرمایہ داروں کو سیاسی رشوت کے طور پر بڑے بڑے لائسنس دے کر صنعت وتجارت کے مرکزوں پر ان کی اجارہ داری قائم کردی جاتی ہے، بازار کے نرخ اور اشیاء ضرورت کی قیمتیں ان کے قبضہ میں آجاتی ہیں جس سے ایک طرف پورے ملک میں گرانی بڑھتی ہے، دوسری طرف چھوٹے سرمایہ والوں کے لئے صنعت وتجارت کے میدان میں آنے کا راستہ بند ہوجاتا ہے کیونکہ صنعت وتجارت کے مرکزوں پر قابض بڑے بڑے سرمایہ داران کی چھوٹی صنعت وتجارت کو بڑھنے بلکہ چلنے نہیں دیتے۔ جب اسلامی نظام کے تحت یہ طریقہ ختم ہوگا تو مزدور ومحنت کش صرف مزدوری کرنے اور سرمایہ داروں کی من مانی ماننے پر مجبور نہیں ہوں گے، ان کی مرضی کے مطابق محنت کا صلہ ملے گا اور وہ صنعت وتجارت کے مالک بھی بن سکیں گے۔

۳۔ اسلامی نظام میں کسی کو یہ حق نہیں دیا جائے گا کہ وہ ملازم ومزدور کو اپنی محنت وضرورت سے کم تنخواہ پر کام کرنے کے لئے عملاً مجبور کرڈالے اور جب چھوٹی تجارتوں اور صنعتوں کا رواج ہوگا تو یہ مجبور کرنے کی صورتیں خود بخود ختم ہوجائیں گی اور اگر پھر بھی کوئی فرد یا جماعت مزدوروں پر ایسا ظلم روا رکھے تو اسلامی حکومت اس کو مزدور کا پورا حق دلوانے پر مجبور کرے گی۔

۴۔ اسلامی نظام میں چونکہ مزدور اور دولت مند ایک ہی برادری کے افراد ہیں تو ایک طرف مزدور کا یہ احساس کمتری ختم ہوگا کہ وہ مالکان صنعت وتجارت سے کوئی کم حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف دولت مندوں کا معاملہ ان کے ساتھ مشفقانہ اور برادرانہ ہوگا۔ جس سے مزدور وسرمایہ دار کی تباہ کن کشمکش ختم ہوگی۔

۵۔ موجودہ سرمایہ داریوں، زمینداریوں، جاگیرداریوں کی تحقیق کی جائے گی۔ ان میں جو کچھ ناجائز طریقوں سے حاصل کیا گیا ہے اُس کو واپس لے کر حقداروں کو دلوایا جائے گا۔ جائدادوں میں اگر شرعی قانون میراث جاری کر کے تقسیم نہیں کی گئی تو ان کو شرعی اُصول کے مطابق تقسیم کر کے حقداروں کو دلوایا جائے گا۔ اس طرح فوری طور پر بھی بڑی زمینیں اور جائدادیں تقسیم ہو کر فرد واحد کی اجارہ داری سے نکل جائیں گی۔ اور آئندہ کے لئے اس کا راستہ بند ہوگا۔

۶۔ اسلام کا نظام زکوٰۃ باقاعدہ جاری کیا جائے گا۔ جو منافعہ پر نہیں بلکہ سال بھر میں بچے ہوئے اس مال پر ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کوئی عقلمند انسان اپنے سرمایہ کو بند کر کے نہیں رکھے گا ورنہ سالانہ زکوٰۃ کچھ عرصہ میں اس کو ختم کر دے گی اس لئے ہر مالدار اپنے مال کو کسی تجارت صنعت پر لگانے کے لئے مجبور ہوگا اور دولت گردش میں آ کر پورے ملک وعوام کو نفع پہنچائے گی۔ (وامثال ذٰلک)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مغربی سامراج اور سرمایہ دارانہ نظام کا مخالف اسلام بھی ہے اور سوشلزم بھی مگر دونوں کی راہیں بالکل الگ الگ ہیں۔ اسلام کا راستہ عادلانہ حکیمانہ، سچا اور صاف ہے، اس کے بالمقابل سوشل ازم کا راستہ فساد ہی فساد کا ہے جس کے نتیجہ میں غریب مزدور اور محنت کش طبقہ پہلے سے زیادہ مصائب کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنے دین ومذہب اور آزادیٔ ضمیر سے بھی محروم کر دیا جاتا ہے۔

سوشلسٹوں کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کا خواب

ہمارے بعض لیڈر جو اس وقت سوشلسٹ عناصر کے ساتھ اپنے اشتراک عمل کی یہ توجیہہ کرتے ہے کہ ہم ان کی صفوں میں داخل ہو کر سوشلزم کے کافرانہ عقائد واعمال سے روکیں گے اور پھر خالص اسلامی نظام قائم کریں گے۔ ان کا یہ کہنا کسی درجہ میں قابلِ غور ہوتا اگر وہ سامراج کی مخالفت میں ان عناصر کو اسلام کی راہ پر چلانے کی قدرت رکھتے۔ مزدور اور سرمایہ داری کی کشمکش جو خالص سوشلسٹ نظریہ کا نتیجہ ہے ان کو اس سے روک کر اسلام کے عادلانہ نظام کا دعویدار بناتے۔

مگر ہو یہ رہا ہے کہ وہ خود مزدور اور سرمایہ دار کی جنگ کی کمان کرنے لگے۔ سوشلزم کے کافرانہ عقیدہ والے اگر ایسا کریں تو وہ ان کے اصول کا تقاضا ہے کیونکہ وہ انفرادی ملکیت کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کے خیال میں ہر سرمایہ دار مجرم ہے اس کا مال ان کے لئے مباح ہے جس طرح چاہیں لوٹ لیں۔ مگر

اسلامی نظریہ رکھنے والے خدا جانے کس تاویل سے اس کو صحیح قرار دے دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ میدان سیاست میں ان کے نعرے ان کے بیانات ان کا طریقہ کار سب سوشلسٹ طبقات کے عین مطابق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تمام اشتراکی پریس ان کے پروپیگنڈے پر لگا ہوا ہے اور ان لوگوں کو اپنے اشتراکی کاروبار میں اپنا بڑا معاون سمجھتا ہے۔ جس کے اعلانات بھی ان کے ذمہ داروں کی طرف سے آتے رہتے ہیں اور وہی اشتراکی عناصر اپنے اشتراکی نظریات کے ساتھ ہر جگہ ان حضرات کے گرد و پیش نظر آتے ہیں۔

ان حالات میں ان کو اسلامی نظام کے دعوے میں کتنا ہی نیک نیت سمجھ لیا جائے مگر نتائج تو کسی کی نیت کے تابع نہیں ہوتے سعی وعمل کے تابع ہوتے ہیں۔ کعبہ اور حرم کا مسافر کسی پیکنگ چین کو جانے والے جہاز میں کتنی ہی نیک نیتی سے سوار ہو مگر وہ بہر حال کعبہ کے بجائے چین پہنچے گا۔

کاش یہ حضرات اس حقیقت کو اس وقت سے پہلے سمجھ لیں جبکہ دشمنِ خدا دشمن مذہب اپنا قدم جما چکے ہونگے اور یہ حضرات خود بھی اسلام یا نظام اسلام کا نام لینے کی پاداش میں سامراج کے جاسوس اور ایجنٹ کہلائیں اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ وہ بھی اُن بلاؤں میں مبتلا ہوں جن کا مشاہدہ روسی ترکستان اور دوسرے اشتراکی ممالک میں ہو چکا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھیں۔ آمین

(بشکریہ ''البلاغ'' کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب
مفتیٔ اعظم پاکستان، صدر دار العلوم ۔ کراچی

میری علمی ومطالعاتی زندگی

کرم فرمائے محترم : السلام وعلیکم ورحمة الله وبرکاتهٗ

آپ نے مجھ ناکارہ کی علمی زندگی کے بارہ میں کچھ سوالات کئے ہیں ۔ میں علم وعمل سے تہی دامن اس کا جواب کیا دوں ۔ یہ خود ایک مسئلہ بنا ہوا تھا جس کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہوئی ۔ آپ نے مولوی محمد تقی سلمہٗ کو مسلّط فرمادیا جو جواب کے لئے یاددہانی کے ساتھ تاکید بھی کرتے رہے، آج مجبور ہوکر یہ سطور لکھ رہا ہوں ۔

حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی علمی اور عملی زندگی کے جس باب اور جس پہلو پر نظر ڈالتا ہوں سب کوتاہیوں اور لغزشوں اور غفلتوں سے لبریز نظر آتے ہیں ان حالات میں میں دوسروں کو کیا بتاؤں البتہ اللہ تعالیٰ کے انعامات اس ناکارہ پر بے حد وبے شمار ہونے ان میں سب سے بڑا احسان یہ کہ اس نے ایک ایسے گھرانے میں پیدا کردیا جو اسلام وایمان اور اس کے ساتھ دینداری میں معروف تھا جب سے ہوش سنبھالا دین کی باتیں بزرگوں کی حکایتیں کان میں پڑتی رہیں ۔ اس کے بعد سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے ایک ایسی جگہ پیدا فرمادیا جو علم اور دین کے اعتبار سے پورے ملک میں بلکہ شاید پوری دنیا میں ایک امتیازی مقام رکھتا تھا یعنی دیوبند جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ایسے راسخ العلم محقق علماء کو جمع فرمادیا تھا جو علم کے ساتھ عمل اور تحقیق کے ساتھ اعتدال اور بلند نظری رکھنے والے تھے، والد ماجد اسی دار العلوم میں علمی عملی تربیت پاکر اس کے مدرس کی حیثیت میں تھے ۔

قدرت نے اس سوال کی زحمت ہی سے بچادیا کہ بچے کو تعلیم کے لئے کہاں بھیجیں ۔ جب تک پڑھنے کے قابل نہ تھا اس وقت بھی دار العلوم کا صحن میرے کھیلنے کی جگہ تھی ۔ ہر طرف علماء صلحاء ہی پر نظر پڑتی تھی، کوئی بھی بات کان میں پڑتی تو انہی بزرگوں کی ۔

۱۳۲۰ھ میں جبکہ عمر کا ساتواں سال تھا باقاعدہ تعلیم شروع ہوئی اور ۱۳۶۲ھ تک اسی گہوارہ علم وعمل میں رہنے کی توفیق ملی ۔ میری علمی عملی زندگی کے کسی گوشہ میں کوئی خیر کا پہلو ہے

تو وہ سب ان بزرگوں کا فیض نظر ہے میرا اپنا کچھ نہیں عام مسلمانوں اور طلباء وعلما کیلئے کچھ مفید باتیں اور کلمات حکمت انہی بزرگوں سے سنے سنائے ہیں جن کو اپنے لئے بھی سرمایۂ سعادت سمجھتا ہوں اور دوسرے اہل علم دوستوں کو بھی ان کا پہنچانا مفید سمجھ کر لکھتا ہوں اس کی معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے سوالات کی ترتیب پر اس کے جوابات نہیں مگر امید ہے کہ مقصد سوالات پر نظر کی جائے تو اس میں ان کے کافی جواب ملیں گے۔

سوالنامہ

۱۔ آپ کو علمی زندگی میں کن کتابوں اور مصنفین نے متاثر کیا اور آپ کی محسن کتابوں نے آپ پر کیا نقوش چھوڑے؟

۲۔ ایسی کتابوں اور مصنفین کی خصوصیات۔

۳۔ کن مجلّات اور جرائد سے آپ کو شغف رہا۔ موجودہ صحافت میں کون سے جرائد آپ کے معیار پر پورے اترتے ہیں؟

۴۔ آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے، ایسے اساتذہ اور درس گاہوں کے امتیازی اوصاف جن سے طالباء کی تعمیر و تربیت میں مدد ملی۔

۵۔ اس وقت عالمِ اسلام کو جن جدید مسائل اور حوادث و نوازل کا سامنا ہے اس کے لئے قدیم یا معاصر اہلِ علم میں سے کن حضرات کی تصانیف کارآمد اور مفید ثابت ہو سکتی ہیں؟

۶۔ علمی، فکری اور دینی محاذوں پر کئی فتنے تحریفی، الحادی اور تجددّی رنگ میں (مثلاً انکارِ حدیث، عقلیت، اباحیت، تجدّد، مغربیت، قادیانیت اور ماڈرنزم) معروف ہیں، ان کی سنجیدہ علمی احتساب میں کون سی کتابیں حق کے متلاشی نوجوان ذہن کی رہنمائی کر سکتی ہیں؟

۷۔ موجودہ سائنسی اور معاشی مسائل میں کون سی کتابیں اسلام کی صحیح ترجمانی کرتی ہیں؟

۸۔ مدارسِ عربیہ کے موجودہ نصاب اور نظام میں وہ کونسی تبدیلیاں ہیں جو اسے موثر اور مفید تر بنا سکتی ہیں؟

امید ہے اپنے مفید خیالات سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

مطالعہ کتاب

۱۔ اصل یہ ہے کہ انسان کا معلّم در حقیقت انسان ہی ہوسکتا ہے کوئی کتاب خود معلّم نہیں ہوتی البتہ تعلیم تعلّم میں معین ضرور ہوتی ہے۔اس لئے اصول کی بات یہ ہے کہ جس علم وفن کو حاصل کرنا مقصود ہو اس کا ماہر محقق استاد تلاش کیا جائے اور جب وہ مل جائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت سمجھ کر اس سے اکتساب علم میں مشغول ہو کسی کتاب کا مطالعہ بھی کیا جائے تو اسی معلّم کی تجویز سے، تاکہ وہ اس کی استعداد اور ضرورت پر نظر کر کے اس کے لئے مطالعہ کی کتابیں تجویز کرے۔خود رائی سے مختلف کتابوں کا مطالعہ وقت اور محنت بہت لے گا۔فائدہ اتنا نہیں ہوگا آجکل مدارس عربیہ میں استاد کا انتخاب طالب علم خود نہیں کرسکتا تو طالب علم کم از کم یہی کرے کہ ایسے مدرسہ کا انتخاب کرے جہاں وہ کتابیں جو اسکو پڑھنا ہیں ان کے ماہر اساتذہ کے سپرد ہوں، پھر جس استاد کو اپنے مطلوب فن میں زیادہ ماہر سمجھے اس سے استفادہ کا سلسلہ قائم کرے خواہ سبق اس کے پاس ہو یا نہ ہو۔

اس زمانہ میں تصنیف تالیف کتابوں کی اشاعت اتنی عام ہے کہ احاطہ دشوار ہے، ہر اہل و نااہل تصنیف میں لگا پڑا ہے۔ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو قرآن وسنت میں تحریف کرتے ہیں اور بے دین وملحد بھی ہیں اس لئے اس زمانے میں کتابوں کے مطالعہ کے لئے مناسب صورت یہ ہے کہ عوام کسی عالم سے اپنے مناسب حال کتابیں مطالعہ کی تجویز کرائیں اور طلباء اپنے اساتذہ سے۔اور جہاں مطالعہ میں کوئی اشکال پیش آئے اس کو اپنی رائے سے طے نہ کریں، بلکہ عوام علماء سے اور طلباء اساتذہ سے تحقیق کر کے رفع کریں۔اگر یہ طریق اختیار نہ کیا گیا تو بیشمار کتابیں دیکھنے اور بڑی محنت کرنے کے بعد کچھ علم آئے گا وہ بھی قابل اطمینان واعتماد نہیں ہوگا۔

۲۔ جس کتاب کا مطالعہ کرنا ہو پہلے اس کے مصنّف کا حال معلوم کیجئے کہ جس موضوع پر یہ کتاب ہے اس فن میں مصنّف کی مہارت کس حد تک ہے۔اگر مصنّف ہی کی مہارت فن کی تحقیق نہ ہو تو اپنے وقت اور محنت کو اس کے پیچھے ضائع نہ کریں اور اگر کتاب دینیات سے متعلق ہے تو مصنّف کے علمی مقام کے ساتھ اس کی عملی اور اخلاقی زندگی کی بھی تحقیق مناسب ہے کیونکہ تجربہ شاہد ہے کہ علوم دین میں بے عمل آدمی کی تصنیف اور کلام میں وہ اثر نہیں ہوتا جو متقی علماء کی تصانیف میں ہے۔

۴۔ عام مسلمان جو دین کا کافی علم نہ رکھتے ہوں وہ فرق باطلہ کی کتابیں اور ملحدین اور بے دین لوگوں کے مضامین ہرگز نہ دیکھیں کہ جس طرح بے دینوں کی مجالست اور صحبت برا اثر ڈالتی ہے اسی طرح ان کا کلام اور تصنیف بھی بلکہ بعض اوقات اس کا اثر صحبت ومجالست سے زیادہ مضر ہوتا ہے۔

۵۔ اہل علم میں بھی صرف وہ حضرات ملحدین اور فرق باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کریں جن کو ماہر اساتذہ کی صحبت سے علم میں رسوخ حاصل ہو چکا ہے اور وہ اپنے وسائل کے اعتبار سے دفاع عن الا اسلام کی خدمت انجام دینے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ مثلاً تحریر، تقریر اس درجہ میں ہو کہ حق بات کو دلنشین انداز میں فریق مخالف کے نفسیات پر موثر کر کے بیان کر سکیں جو لوگ یا اتنی استعداد نہیں رکھتے یا ان کو ایسے لوگوں سے سابقہ نہیں پڑتا، وہ فضول اپنا وقت اور محنت ان کتابوں کے مطالعہ میں صرف کرنیکی بجائے ان کتابوں کا مطالعہ کریں جو اپنے لئے اصلاح نفس کا ذریعہ بنیں اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ان کی تعلیم وتبلیغ مفید ہو۔

ہمارے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ درس نظامی سے فراغت کا حاصل اتنا ہے کہ اس کے فاضل میں مطالعہ کی ایسی استعداد پیدا ہوگئی ہے کہ استاد کی مدد کے بغیر بھی مطالعہ کر کے استفادہ صحیح کر سکتا ہے۔ یہ نہیں کہ ضرورت کے سب علوم اور سب معلومات درس نظامی میں پورے حاصل ہو چکے یہ ایک ایسی بات ہے جو اکثر درس نظامی کے فارغ التحصیل لوگ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے ایک عالم کی شایان شان خدمت میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ایسے علوم میں خصوصیت سے تاریخ، جغرافیہ، اور تصوف ہے جو درس نظامی میں درساً نہیں پڑھائے جاتے لیکن درس نظامی کی صحیح استعداد پیدا کر لینے والا ان کو مطالعہ کر کے اسی طرح سمجھ سکتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ مدارس سے فارغ التحصیل حضرات ان فنون کا مطالعہ اہتمام سے کریں خصوصا تصوف یعنی اصلاح نفس سے متعلق کتابوں کے مطالعہ کو وظیفۂ زندگی بنائیں جس کے بغیر علم نہ دین کا مقصد حاصل ہوتا ہے، نہ تعلیم وتبلیغ میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

اس معاملہ میں امام غزالی کی کتابیں عموماً اور بالخصوص ہدایۃ المبتدی، تعلیمِ دین، فاتحہ العلوم، اور احیار العلوم کی جلد رابع، علامہ ابن قیم کی کتاب الجواب الکافی عن الدواء، الشافی اور کتب متقدمین میں سے رسالہ قشیریہ اور عوارف المعارف وغیرہ اور آخری دور میں حکیم الامت سیدی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصانیف تعلیم الدین، التشرف، قصد السبیل۔ اماثل الاقوال وغیرہ اور آپ کے مطبوعہ مواعظ وملفوظات اس معاملہ میں اکسیر ثابت ہوئے ہیں۔

رہا معاملہ موجودہ نصاب مدارس میں اصلاح وترمیم کا تو اس کے لئے ،انفرادی رایوں کی اشاعت شاید مفید نہ ہو۔ یہ کام مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کے اشتراک اور باہمی محبت وتمحیص کے بعد ہی کوئی مفید صورت اختیار کر سکتا جس سے مدارس عربیہ کے نصاب میں ہم آہنگی اور اشتراک باقی رہے۔

آپ کے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ”آپ نے تعلیمی زندگی میں کن اساتذہ اور درسگاہوں سے خاص اثرات لئے ،ایسے اساتذہ اور درسگاہوں کے امتیازی اوصاف“۔

اس میں جہاں تک درسگاہوں کا تعلق ہے وہ اوپر عرض کر چکا ہوں کہ صرف ایک درسگاہ دارالعلوم دیوبند میں بچپن سے پچپن ۵۵ تک عمر گذاری ہے۔ اس کی خصوصیات محتاج بیان نہیں۔ ہندوستان اور پاکستان میں اور بیرونی ممالک میں بھی اسکی علمی ساکھ ہمیشہ مسلم رہی اور جس چیز نے اس کو دنیا کی دوسری درسگاہوں سے ممتاز کیا وہ علم کے ساتھ عمل کی جامعیت ہے۔ میرے والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحب فرماتے ہیں ، کہ”ہم نے دارالعلوم کا وہ زمانہ دیکھا جب کہ اس کے مہتمم اور صدرِ مدرسہ مدرس سے لے کر ایک چپراسی اور دربان تک سب اولیاء اللہ تھے۔ دارالعلوم دن بھر قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے گونجتا تھا تو رات کو جگہ جگہ تہجد میں تلاوتِ قرآن اور ذکر اللہ کی دلنواز صدائیں سنائی دیتی تھیں اور اساتذہ جن کے سامنے زانوئے ادب تہ کرنے کی دولت حق تعالیٰ نے اس ناکارہ کو نصیب فرمائی ان کے امتیازی اوصاف بیان کرنا تو اس ناکارہ کے بس کی بات نہیں۔قلم جب یہاں پہنچتا ہے تو ایک طرف محبت کا داعیہ قلم کے افتاد کو خود بخود تیز کرنا چاہتا ہے“۔

این زماں جان وانم را تافت ست
بوئے پیر ایاں یوسف یافت ست

دوسری طرف ان بزرگوں کی عظمت اوران کے کمالاتِ علمی وعملی کی وسعت سے اپنے دامنِ فکر ونظر کو تنگ پاتا ہوں، خصوصاً اس وقت جب کہ میرے سب قویٰ جواب دے چکے ہیں۔عمر کے آخری ایام لیٹ بیٹھ کر گذار رہا ہوں۔

ذرا غور تو کیجئے کہ ان حالات میں اپنے اساتذہ شیخ العرب والعجم استاد حضور مولانا محمود الحسن شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ حجۃ السلام والمسلمین ،حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری ؒ اور عارف باخدا حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن ،عالم ربانی حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب ،شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور دوسرے طبقہ میں حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب، حضرت مولانا رسول خاں صاحب جیسے اساطین امت بزرگوں کے امتیاز اوصاف پر قلم اٹھاؤں تو سمندر کو تیراکی کے ذریعے پار کرنے کی مثال سے کیا کم ہوگی۔ اس وقت تو بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ

آفتاب آمد دلیل آفتاب

اور یہ کہ

تولائے مرداں ایک ماک بوم
برانگیختم خاطر از شام و روم

اور یہ کہ

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
رفتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی معیت آخرت میں نصیب فرمادیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

دارالافتاء — حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

نابالغ لڑکی کا نکاح

اور سُوءِ اختیار کا مسئلہ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ! اندریں مسئلہ یہ کہ مسمی زید ناحق طور پر قتل کے کیس میں ماخوذ ہو گیا جس میں چار واقعی قاتل تھے۔ مسمی زید ناحق تھا، کیس کے دوران ملزموں کے ورثاء مقتول کے وارثوں کے ساتھ صلح تجویزیں کرتے رہے۔ کیونکہ شہادتیں مضبوط تھیں اور سزا کا خطرہ غالب تھا۔ بالآخر طے یہ ہوا کہ قاتلین کے ورثاء تین لڑکیوں کے رشتے اور چار ہزار روپیہ دیں، اور مقتول کے ورثہ سیشن کی عدالت میں اپنے گواہان بٹھا دیں گے۔ چنانچہ روپیہ امانت رکھ دیا گیا اور تین شیر خوار لڑکیوں کے عقد کر دیئے گئے۔ مسمی زید کی لڑکی کا عقد اس پینتیس سالہ آدمی سے جو کہ مقتول کا بھائی اور لوفر مزاج آدمی تھا زید کی اجازت سے کر دیا گیا۔

بعد میں مقتول کے ورثاء نے سیشن میں پوری ڈٹ کر گواہی دی جس سے پانچوں ملزم کو حکم سزائے موت سنایا گیا ہے۔ چار ہزار روپے تو ثالث نے مقتول کے ورثاء کو دینے سے انکار کر دیا کہ تم نے دھوکہ کیا ہے، لہٰذا تم اس کے حقدار نہیں مگر عقد تو پہلے ہو چکے تھے۔

اب اس پندرہ سال کے بعد زید کی لڑکی جوان ہوئی تو اس نے اپنے عقد کی تنسیخ کا اعلان کر دیا اور شہادتیں فراہم کیں۔ اب شرعی طور پر التماس ہے کہ کیا باپ جبکہ موت و حیات کی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا اور اس نے مقتول کے گھرانے میں اپنی اس شیر خوردہ کا عقد کر دیا تھا۔ پھر ایک لوفر طبع اور عمر میں اتنے تضاد کے باوجود محض اپنے آپ کو بری کرانے کی خاطر جبکہ اس ہندہ مظلومہ کو وہاں ذلت و خواری نصیب ہوگی، شرعاً عقد درست ہے یا نہیں ہے۔ بصورت ثانی ہندہ کسی دوسری جگہ عقد کر کے شریفانہ زندگی گذارنے کی مجاز ہے یا نہیں؟ کیا ابتدا ہی سے باپ سیّئ الاختیار نہیں ہے جس میں مسماۃ کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : صورت مسئولہ میں بہ تقدیر صحت واقعہ یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تھا۔ لڑکی مذکورہ آزاد ہے جہاں چاہے اپنی مرضی کے مطابق دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

بوادر النوادر ج ۲۔ص ۹۶ میں ہے کہ اگر نابالغہ کا نکاح باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نہیں نظر کی تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ علم

محمد اسحٰق غفرلہ، نائب مفتی مدرسہ خیر المدارس۔ملتان
الجواب صحیح خیر محمد عفا اللہ عنہ

اس جواب کے بعد لڑکی نے اپنی مرضی و برضاء ورثا دوسری جگہ بلا تنسیخ عدالت نکاح کرلیا اور تقریباً نو دس ماہ سے وہاں راضی وخوشی آباد ہے۔اب فریق اول نے اس کے خلاف واویلا کیا کہ پہلا نکاح صحیح تھا، اب نکاح پر نکاح ہوگیا۔نکاح خوان ثانی اور شہود سے ترک موالات لازم ہے اور امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جس نے نکاح ثانی پڑھایا ہے، انہوں نے کچھ فتوے بھی منگوائے کہ باپ کا کیا ہوا عقد ہے جو صحیح ہے کیونکہ اس نے جیل میں ہی اجازت دی تھی، چنانچہ اس سلسلہ میں مفتی جمیل احمد صاحب کا جواب ارسال ہے :

(۱) درست ہے نابالغہ کا نکاح باپ کا کیا ہوا فسخ بھی نہیں ہوسکتا سوائے ایک صورت کے کہ باپ معروف بسوء الاختیار ہو۔یعنی باپ ولی ہونے کے اختیار کو زیر ولایت کی مصالح کے خلاف لگانے میں مشہور ومعروف ہو اور مشہور ومعروف ہونے کا کم ازکم درجہ یہ ہے کہ جیسے فتاوی شامی میں ہے کہ اپنا اختیار ولایت ایک لڑکی کے بارے میں پہلے خلاف مصالح لڑکی کے کرچکا ہو صرف اسی وقت غلط طریقہ کرنے سے معروف بسوء الاختیار نہیں ہوسکتا۔اس لئے باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا۔اب جس طرح ہوسکے زور سے لالچ سے جبر سے طلاق مل جائے تو علیحدگی ہوسکتی ہے۔

۲۔ سیئ الاختیار ہونے سے خیار بلوغ حاصل نہیں ہوتا معروف بسوء الاختیار ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔جس کا مطلب نمبرا میں عرض کردیا گیا ہے۔

کتبہ جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن۔لاہور ۲۸ / ۳ / ۸۹ھ

حضرت والا آپ اس کے متعلق واضح اور صحیح جواب مدلل بیان فرمائیں۔کیونکہ موجودہ دور میں اس قسم کے عقد ہوتے ہیں اور نتیجہ سوائے غیر آبادی کے کچھ نہیں اور حصول طلاق بھی مخالفین سے مشکل ہے اور اب اس لڑکی کی واپسی بھی دشوار ہے۔کیا معروف بسوء الاختیار کی جو تشریح علامہ شامیؒ نے فرمائی ہے

یہ ان کی رائے نہیں ہے؟ جبکہ صاحب فتح القدیر، بحرالرائق، فتاوی خیریہ درمختار میں سوء اختیار کے لئے واقعہ اول شرط ذکر نہیں کیا، امید ہے کہ جواب سے نوازیں گے۔

خدا بخش، جہادریاں ۔ سرگودھا

البلاغ ۲۷/ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

الجواب : حامداً ومصلیاً، صورت مسئولہ کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ اس صورت میں لڑکی کو بوقت بلوغ خیار فسخ حاصل ہوگا وہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں دعویٰ کرے۔ شرائط شرعیہ کے مطابق ثبوت پیش کر کے وہ اپنا نکاح مسلمان حاکم سے فسخ کرا سکتی ہے خود بخود نکاح باطل نہیں ہوگا اگر ایسا کرنے اور فیصلہ فسخ نکاح حاصل کرنے کے بعد نکاح ثانی کرلیا ہے تو وہ شرعاً صحیح و درست ہے۔

لاہور کے فتویٰ میں جو یہ کہا گیا ہے کہ یہ نکاح چونکہ باپ نے کیا ہے اس لئے خیار بلوغ حاصل نہ ہوگا یہ اس معاملہ میں صحیح نہیں ہوگا کیونکہ باپ کا سوء اختیار اس معاملہ میں ایسا واضح ہے کہ مشہور بسوء الاختیاء ہونے میں بھی ایسا یقین نہیں ہوسکتا۔

اور علامہ شامی نے جو فتح القدیر کی ایک بحث کے ذیل میں معروف بسوء الاختیار کی تشریح یہ کی ہے کہ باپ کو معروف بسوء الاختیار اس صورت میں قرار دیا جائے گا جبکہ ایک مرتبہ اس سے پہلے اس نے ایسی حرکت کی ہو کہ ایک لڑکی کا نکاح جانتے اور بوجھتے ہوئے اس کی مصالح کے خلاف کر چکا ہو تو اس پہلی لڑکی کا نکاح صحیح اور نافذ ہوگیا۔ کیونکہ اس وقت وہ سوء اختیار میں مشہور نہیں تھا۔ دوسری لڑکی کا اسی طرح نکاح کردے گا تو اب وہ مشہور بسوء الاختیار ہوگا۔ یہ تشریح جمہور فقہاء کی تصریحات سے مختلف ہونے کی وجہ سے محل نظر ہے۔ خصوصاً جبکہ اس بحث کے خاتمہ پر خود علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے اس تشریح کی جو وجہ لکھی ہے وہ کوئی یقینی وجہ نہیں لکھتے :

ولو كان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار لزم احالة المسئله اعنى قولهم ولزم النكاح ولو بغبن فاحش او بغير كفؤ ان كان الولى اباً او جدّاً. (شامی ص: ۳۳، ج ۲۔ مصری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ یا غیر کفو میں نکاح کر دینا خود ہی سوء اختیار کو ثابت کر رہا ہے تو تحقق سوء اختیار کا متعین ہے۔ اگر صرف تحقق سوء اختیار کا کافی ہوتا تو آگے یہ شرط **لم يعرف بسوء الاختيار** بے فائدہ ہو جاتی ہے۔ اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ واقعہ ایسا نہیں

بعض اوقات ایک شفیق اور عقلمند باپ مہر کی کمی یا غیر کفو ہونے پر اس لئے راضی ہوجاتا ہے کہ دوسرے مصالح اس میں محسوس کرتا ہے۔

مثلاً ایک عالم صالح غیر کفو ہے اور مہر بھی مہر مثل سے کم دے رہا ہے مگر وہ ایسا مشہور و معروف بالصلاح عالم ہے کہ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی دُنیوی اور دینوی دونوں اعتبار سے خوشگوار رہنے کی قوی امید ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب مہر مثل سے کم پر عقد کیا یا کسی غیر کفو میں کیا تو سوء اختیار متحقق ہوگیا وہ سوء اختیار نہیں دانشمندانہ مصلحانہ اختیار ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کی اصل عبارت **لم یعرف بسوء الاختیار** ہے اس کا مقصد کھلا ہوا یہ ہے کہ یہ حالت مشتبہ نہ رہے کہ باپ نے یہ نکاح اپنی کسی غرض یا حماقت سے کیا ہے لڑکی کے مصالح کو ملحوظ نہیں رکھا۔

جب یہ بات مشتبہ نہ رہے تو حکم یہی ہوگا کہ یہ نکاح نافذ و لازم نہیں ہے۔ اس جملہ **لم یعرف** کی شرح جو درمختار اور تمام کتب فقہ میں متفقہ طور پر لکھی گئی، وہ یہ ہے مجانۃ وفسقا یعنی باپ کا بیہودہ، بے پرواہ، یا فاسق ہونا کھلا ہوا نہ ہو۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جب واضح طور پر یہ ثابت ہوجائے کہ باپ نے اس نکاح میں لڑکی کے مصالح پر نظر کئے بغیر کسی لالچ یا اپنے نفع کے لئے کردیا ہے تو باپ کا سوء اختیار معروف اور غیر مشتبہ ہوگیا۔ اب اس کے کئے ہوئے نکاح کو لازم قرار دینے کی وہ علت باقی نہ رہی جس کی بناء پر باپ دادا کے کئے ہوئے نکاح کو دوسرے اولیا سے امتیاز دیا گیا ہے یعنی باپ دادا کا وافر شفقت اور اولاد کی منفعت پر گہری نظر ہونا اور جب واقعہ سوال کی طرح بلا اشتباہ ثابت ہوجائے کہ باپ نے خالص اپنے نفع کے لئے یہ کام کیا ہے، لڑکی پر شفقت کا کوئی داعیہ اس میں نہیں تو باپ دادا اور دوسرے اولیاء سب برابر ہوگئے۔

خود علامہ شامی نے اس جملہ مجانۃ وفسقا کی شرح میں بحوالہ شرح مجمع یہ نقل کیا ہے:

حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفھہ اولطمعہ لایجوز عقدہ اجماعاً اھ (شامی، ج۲ص ۴۱۸)

اس میں محض باپ کی سفاہت (بے وقوفی) اور طمع ثابت ہوجانے پر عدم انعقاد نکاح کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس پر شامی نے بھی کچھ اختلاف نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ معروف بسوء الاختیار کے ذیل میں شامی کا اس کی بنیاد پر تمام فقہاء کی تصریحات سے اور خود مسئلہ کی صریح علت سے صرف نظر

نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ خیر الدین رملی نے فتاویٰ خیریہ میں اس مسئلہ کی تشریح حسب الفاظ ذیل کی ہے۔ اس میں دوسرے ائمہ فقہاء کے اقوال واضحہ بھی موجود ہیں۔

(سئل) فی الاب اذا علم منه سوء الاختیار وعدم النظر فی العواقب اذا زوج ابنته القابلة للتخلق بالخیر و الشر بغیر کفوء هل یصح ام لا (اجاب) قال ابن فرشته فی شرح المجمع لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه اولطمعه لا یجوز عقدهٗ اتفاقا ومثله فی الدرو الغرر وقال فی البحر فی شرح قول الکنز ولوزوّج طفله غیر کفو اوبغبن فاحش صح ولم یجز ذالک لغیر الاب والجد اطلق فی الأ ب والجدو وقیده الشارحون وغیرهم بان لایکون الاب معروفابسوء الاختیار حتی لو کان معروفاً بذالک مجانة اوفسقافا لعقد باطل علی الصحیح . قال فی فتح القدیر ومن زوج ابنته الصغیرة القابلة للتخلق بالخیر والشرفمن یعلم انه شریرا وفاسق فهو ظاهر سوء اختیاره ولأن ترک النظر ههنا مقطوع به فلایعارضه ظهورارادة مصلحة تفوق ذالک نظرا الی شفقة الابوة اه ثم قال وقد وقع فی اکثر الفتاویٰ فی هذه المسئلة ان النکاح باطل فظاهره انه لم ینعقد وفی الظهیریة یفرق بینهما ولم یقل انه باطل وهو الحق ولذا قال فی الذخیرة فی قولهم فالنکاح باطل ای یبطل انتهی کلام البحرو المسئلة شهیرة .

(فتاوہ خیریہ ،ص۲۳)

عبارات مذکورہ میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ جب کسی باپ دادا کے متعلق نابالغہ کے نکاح میں ترک شفقت اور مسامحت یقینی ہو جائے تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی لازم نہ ہوگا خصوصاً فتح القدیر کے حوالہ سے یہ جو لکھا گیا ہے کہ لأن ترک النظر ههنا مقطوع به اس میں یہ کوئی قید نہیں کہ پہلی مرتبہ ایسا کیا ہو یا دوسری مرتبہ فقط ترک شفقت کا قطعی بلا اشتباہ ہونا کافی قرار دیا ہے۔ اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ فتح القدیر کی جو بحث علامہ شامی نے نقل کی ہے وہ محض ایک بحث ہی ہے ابن ہمام کا فتویٰ اور فیصلہ نہیں ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ لاہور کا فتویٰ مرجوح ہے۔ اسی طرح ملتان کے فتویٰ میں بھی جو یہ لکھا گیا ہے کہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا لڑکی آزاد ہے جہاں چاہے نکاح کر لے، یہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ

فتاویٰ خیریہ کی تصریح سے معلوم ہوا کہ جس کسی نے اس کو نکاح کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کے ذریعہ فسخ کرا کر باطل ہوسکتا ہے۔ ملتان کے فتویٰ میں جو حوالہ بوادر النوادر کا دیا گیا۔ صاحب خیریہ کی توجیہ کے مطابق اس کا بھی یہی مفہوم متعین ہے کہ بخیار بلوغ یہ نکاح مرتفع ہوسکتا ہے۔

ثم اعلم اَن مامرّ من النوازل من اَن النكاح باطل معناه انه سيبطل كما في الذخيرة لان المسئلة مفروضة فيما اذا لم ترض البنت بعدما كبرت كما صرح به في الخانية والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل مافي القنية زوج ابنته الصغيرة من رجل فانه حرّ الاصل وكان معتقا فهو باطل بالاتفاق اه . (شامی۔ ص ۴۱۸ ج : ۲)

اس لئے مسئلہ مذکورہ کا صحیح جواب وہی ہے جو شروع میں لکھا گیا ہے کہ صورت مندرجہ سوال میں باپ کے کئے ہوئے نکاح پر بھی نابالغہ کو خیار فسخ ملے گا۔ شرائط کے مطابق عدالت مسلمہ سے نکاح فسخ کرالے تو فسخ ہوجائے گا اور نکاح ثانی کی اجازت ہوجائے گی۔ **واللہ اعلم**

بندہ، محمد شفیع

دار العلوم۔ کراچی۔ ۱۴

۱۷ / ۷ / ۸۹ھ

اسلامی دستور

اسلام کی بنیاد پہ یہ ملک بنا ہے
اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے
بنیاد پہ قائم نہ رہے گا تو فنا ہے
دنیا کی نگاہوں سے نہیں بات یہ مستور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اب رات کٹی ظلم کی ، آئے گا سویرا
پھیلے گی ضیاء نور کی ، بھاگے گا اندھیرا
ہو جائے گا ہر سمت اُجالوں کا بسیرا
سُرخی جو اُفق پر ہے وہ ہو جائے گی کافور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

قانونِ الٰہی نہ ٹلا ہے ، نہ ٹلے گا
ہر اِزم کے خورشید کو ڈھلنا ہے ، ڈھلے گا
اس ملک میں اسلام کا سکّہ ہی چلے گا
بن جائے گی یہ پاک زمین جلوہ گہِ طور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اچھائی کو پھیلائیں گے ، روکیں گے بُرائی
چلنے نہیں دی جائے گی بندوں کی خُدائی
جتنے بھی مسلمان ہیں آپس میں ہیں بھائی
اللہ کا یہ حکم ہے ہم لوگ ہیں مأمور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام سکھاتا نہیں انساں کو دورنگی
اس کے لئے یکساں ہیں وہ ابیض ہو کہ زنگی
تہذیب ہماری ہے نہ رُوسی نہ فرنگی
بہتا ہوا یہ زخم ، وہ رستا ہوا ناسور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام کی تعلیم یہاں عام کریں گے
سب کا ہو بھلا جس میں وہی کام کریں گے
سب مل کے ترقی کے لئے کام کریں گے
افسر ہو کہ تاجر ہو وہ آقا ہو کہ مزدور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلاف کی ہم زندہ روایات کریں گے
راضی ہو خدا جس سے وہی بات کریں گے
اس ملک میں قائم وہ مساوات کریں گے
سب شاہ وگدا آئیں نظر خُرم ومسرور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کا یہاں کوئی پجاری نہ رہے گا
انسان کا انسان شکاری نہ رہے گا
جاری ہے جواب ظلم یہ جاری نہ رہے گا
ظالم نظر آئے گا نہ مظلوم نہ مقہور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

آزاد تجارت کو نہ پابند کریں گے
ہاں سود کے بازار کو ہم بند کریں گے
ہم عزت وتوقیر ہنر مند کریں گے
محنت جو کرے گا وہ صلہ پائے گا بھرپور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کو بکھیریں گے سمٹنے نہیں دیں گے
ہاتھوں میں امیروں کے ہی بٹنے نہیں دیں گے
ہم جادہ٬ انصاف سے ہٹنے نہیں دیں گے
ہوجائیں گے خوش حال جو بد حال ہیں مزدور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام محبت بھی ہے اخلاص ووفا بھی
تسکین دل وجاں بھی ہے چہروں کی ضیا بھی
ہر درد کا درماں بھی ہے پیغامِ شفا بھی
کردار ہی کردار ہے اسلام کا منشور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

تمت